اپنی اپنی صلیب
(ناول)
صالحہ عابد حسین
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی
اشتراک
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

ناول

صالحہ عابد حسین

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

اشتراک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

Apni Apni Saleeb
by
Saliha Abid Husain
Rs.114/-

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 ☎ 011-26987295

Email: monthlykitabnuma@gmail.com

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔110006 ☎ 011-23260668

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، ممبئی۔400003 ☎ 022-23774857

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔202002 ☎ 0571-2706142

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 ☎ 011-26987295

قومی اردو کونسل کی کتابیں مذکورہ شاخوں پر دستیاب ہیں

سنہ اشاعت: 2013 تعداد: 1100 قیمت: -/114 روپے

ISBN: 978-81-7587-998-0 سلسلۂ مطبوعات: 1758

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

فون نمبر: 49539000 فیکس: 49539099

ای میل: urducouncil@gmail.com ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: جے کے آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد۔110006

اس کتاب کی چھپائی میں 70 GSM TNPL Maplitho کاغذ کا استعمال کیا گیا ہے۔

چند معروضات

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ایک قدیم اشاعتی ادارہ ہے، جس نے معتبر ادیبوں کی سینکڑوں کتابیں شائع کی ہیں اور اپنے ماضی کی شان دار روایات کے ساتھ آج بھی سرگرم عمل ہے۔ مکتبہ کے اشاعتی کاموں کا سلسلہ ۱۹۲۲ء میں اس کے قیام کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا جو زمانے کے سرد و گرم سے گزرتا ہوا اپنی منزل کی طرف گامزن رہا۔ درمیان میں کئی دشواریاں حائل ہوئیں۔ نامساعد حالات نے سست ورفتار میں خلل ڈالنے کی کوشش بھی کی مگر نہ اس کے پائے استقلال میں لغزش ہوئی اور نہ عزم سفر ماند پڑا، چنانچہ اشاعتوں کا تسلسل کلی طور پر کبھی منقطع نہیں ہوا۔

مکتبہ نے خلاق ذہنوں کی اہم تصنیفات کے علاوہ طلبا کی نصابی ضرورت کے مطابق درسی کتب بھی شائع کیں اور بچوں کے لیے کم قیمت میں دستیاب ہونے والی دل چسپ اور مفید کتابیں بھی تیار کیں۔ ''معیاری سیریز'' کے عنوان سے مختصر مگر جامع کتابوں کی اشاعت کا منصوبہ بنایا اور اسے عملی جامہ پہنایا اور یہی عمل اس کا نصب العین قرار پایا۔ مکتبہ کا یہ منصوبہ بہت کامیاب رہا اور مقبول خاص و عام ہوا۔ آج بھی اہل علم و دانش اور طلبا مکتبہ کی مطبوعات سے تعلق خاطر رکھتے ہیں۔ درس گاہوں اور جامعات میں مکتبہ کی مطبوعات کو بہ نظر استحسان دیکھا اور یاد کیا جاتا ہے۔

ادھر چند برسوں سے اشاعتی پروگرام میں کچھ تعطل پیدا ہو گیا تھا جس کے سبب فہرست کتب کی اشاعت بھی ملتوی ہوتی رہی مگر اب برف پگھلی ہے اور مکتبہ کی جو کتابیں کم یاب بلکہ نایاب ہوتی جا رہی تھیں ان میں سے دو سو ٹائٹل قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے شائع ہو چکے ہیں اور ان سے زیادہ قطار میں ہیں (اسی دوران بچوں سے تعلق رکھنے والی تقریباً سو کتابیں مکتبہ نے بلا شرکت غیرے شائع کی ہیں)۔ زیر نظر کتاب مکتبہ جامعہ اور قومی کونسل کے مشترکہ اشاعتی سلسلے کی ہی ایک کڑی ہے۔

مکتبہ کے اشاعتی پروگرام کے جمود کو توڑنے اور اس کی ناؤ کو بھنور سے نکالنے میں مکتبہ جامعہ کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کے چیرمین محترم جناب نجیب جنگ صاحب (آئی اے ایس) وائس چانسلر، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے جس خصوصی دل چسپی کا مظاہرہ کیا ہے وہ یقیناً لائق ستائش اور ناقابلِ فراموش ہے۔ مکتبہ جامعہ ان کا ممنون احسان رہے گا۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اربابِ حل وعقد کا شکریہ بھی ہم پر لازم ہے جن کے پُرخلوص تعاون کے بغیر یہ اشتراک ممکن نہ تھا۔ اوّلین مطبوعات میں کونسل کے سابق ڈائرکٹر کے تعاون کا کھلے دل سے اعتراف کیا جاچکا ہے۔ مکتبہ کی باقی کتابیں کونسل کے موجودہ فعال ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین صاحب کی خصوصی توجہ اور سرگرم عملی تعاون سے شائع ہو رہی ہیں، جس کے لیے ہم ان کے اور کونسل کے وائس چیرمین پروفیسر وسیم بریلوی صاحب کے ممنون ہیں اور تہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ امید کرتے ہیں کہ مکتبہ کو ہمیشہ ان مخلصین کی سرپرستی حاصل رہے گی۔

خالد محمود
مینجنگ ڈائرکٹر
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

اِنتساب

صابرہ پیاری! تمہاری غیر معمولی ذہانت اور قابلیت، تمہاری دِقّتِ فکر اور وسعتِ نظر، تمہاری شیریں بیانی، خوش خلقی اور خوش ذوقی، تمہارا صبر اور حلم، تمہارے دل کی گرمی اور نرمی، تمہاری بے پایاں محبت اور بے مثل خلوص کس کس چیز کا ذکر کروں! لیکن تمہاری بے شمار صفات میں سب سے زیادہ گہرا جس صفت کا نقش میرے دل پر ثبت ہے وہ تمہاری فرض شناسی اور سعادت مندی ہے جس سے تم نے اپنی ماں کی خدمت اور تیمارداری میں کام لیا۔

میری باجی! ماں کو بیٹی سے اور بیٹی کو ماں سے محبت ازل سے چلی آئی ہے، مگر جیسا پیار آپ کو اور صابرہ کو ایک دوسرے سے تھا، جتنی قدر، عزت، دل داری، دل جوئی، خدمت اور خیال آپ دونوں ایک دوسرے کا کرتی تھیں اس کی مثال دنیا میں کم ملے گی۔

آپ دونوں کی پیاری یادوں کے نام!

۱

"آوآں آؤں ـــــــ آؤوں ـــــــ"

"ابھی بتائیں ـــــــ ابھی نائیں ـــــــ ابھی ـــــــ نائیں ـــــــ"

"کدھر گئیں ؟ کہاں ؟ کواڑ کے پیچھے ـــــــ نہیں ـــــــ توز ینے میں چھپی ہوں گی ـــــــ اوہوں ـــــــ کوٹھی میں ـــــــ کہاں ہے آخر یہ چڑیل ؟

ـــــــ اماں ـــــــ اماں جی بتائیے نا ـــــــ"

"ماں صدقے ـــــــ خود ڈھونڈ و نا ـــــــ"

"سمجھ گیا ـــــــ کوٹھے پر ہیں ـــــــ" دھم ـــــــ دھم ـــــــ مگر یہ کیا ؟

"وائی ـــــــ وائی ـــــــ وائی ـــــــ"

"بھائی جان پھسڈی ـــــــ بھائی جان ہار گئے" حمرا کی سریلی آواز گونجی۔

"بھیا تم تو بدھو ہو بس ـــــــ ہم تو اماں کی رضائی میں چھپے تھے" زہرا نے چڑایا۔

"پاجی ـــــــ دھوکے باز ـــــــ چڑیل ـــــــ" اس نے زہرا کی لمبی چوٹی گھسیٹی۔

"اماں ـــــ اماں جی ـــــ دیکھ لیجئے ـــــ" وہ چلائی۔

"کیا ہے میاں ـــــ چھوڑ نا اس کی چوٹی"

"آپ بھی اماں ـــــ اس کی طرف داری کرتی ہیں"

"خالہ اماں ہماری ـــــ آپ کی نانی ـــــ" حمرا ہنسی اماں مسکراتی رہیں۔

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ میں قاضی نہیں بنوں گا"

"بنو گے ـــــ بنو گے"

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ نہیں ـــــ"

"ہاں ـــــ ہاں ـــــ ہاں ـــــ"

"بن جائیے نا بھائی جان ـــــ نہیں تو ـــــ میری بچاری گڑیا کا بیاہ کیسے ہو گا" حمرا روہانسی ہو گئی ـــــ "میرے اچھے اچھے بھائی جان"

"ارے ـــــ ائے ـــــ پگلی ہے ـــــ روتی کیوں ہے ـــــ بنوں گا ـــــ بنوں گا"

زہرا نے اپنے گلابی ڈوپٹہ کا فضول سا پگڑ باندھا، حمرا نے نانا ابا کا پرانا چوغا لاکر پہنایا ـــــ مقصود نے روئی کی داڑھی چپکائی، منجھلے بھائی صاحب نے ٹوٹی ہوئی تار کی عینک آنکھوں پر لگا دی، ـــــ "عین مین قاضی جی لگ رہا ہے علی اصغر ـــــ" وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے ـــــ اُسے ان نامعقول لڑکیوں پر سخت غصہ آرہا تھا ـــــ جن کی ہر بات ـــــ جانے کیوں ـــــ وہ ماننے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

"دھڑام دھڑام ـــــ دھڑام ـــــ زور سے ڈھول پیٹ رہا ہے مقصود آگے آگے کندھے پر دولھا کو بٹھائے محلے کے لڑکے تانبے کی سینی پر ڈھول بجاتے اس کے پیچھے چلے آرہے ہیں۔

"بارات آگئی ـــــ بارات آگئی ـــــ" ساری لڑکیاں دھڑ دھڑ بھاگتی آتی ہیں۔

"وکیل اور گواہ آرہے ہیں"

منجھلے بھیا..... دولہن سے ایجاب قبول کروارہے ہیں۔ "چنو بیگم بنت منو خاں ـــ تمہارا نکاح چھبو خاں ولد کلو خاں سے بعوض ایک ہزار سکہ رائج الوقت قرار پایا ہے ـــ تمہیں منظور ہے ـــ میں تمہارا وکیل بنوں ـــ" حمرا دولہن کا سر اور جھکا دیتی ہے مگر تیسری بار پوچھنے پر جمیلہ کی آواز آتی ہے۔ "بہن بیٹی سدا کس کی رہی ہے ـــ اللہ کا نام لے کر بسم اللہ کرو اب"

یہ کس کی آواز ہے ـــ کس کا نکاح ہے ـــ دولہن کون ہے؟ دولہا کون ہے؟ ـــ کیا وہ خود؟ ـــ نہیں مقصود!!

"نکاح ـــ پڑھونا بھیا"

اوہ!

وہ پگڑی سنبھالتا، ناک کی پھنگل پر عینک ٹکاتا، چوغہ کے دامنوں کو سمیٹتا آگے بڑھتا ہے ـــ اور مقصود کی گود میں بیٹھے دولہا سے پوچھتا ہے

"گابر کی پینڈی گل خیرو کا پھول ـــ کہو میاں گڈے تمہیں گڑیا قبول۔"

"نا بھیا ـــ یوں نہیں ٹھیک سے پڑھو ـــ نہیں تو ناجائز ہو جائے گا نکاح ـــ" زہرا چلائی۔

"چل چل بڑی آئی جائز ناجائز والی ـــ بھاگ یہاں سے نکاح پڑھانا ہم مردوں کا کام ہے"

منجھلے بھیا اکڑ کر کہتے ہیں ـــ "اونہوں منجھلے بھیا..... ٹھیک سے ٹھیک سے ـــ"

مقصود اکڑا ہوا بیٹھا ہے، حمرا رو رہی ہے ـــــ زہرا اُسے سمجھا رہی ہے۔
"بٹیاں تو بادشاہ کی بھی نہیں بیٹھی رہتی بھنو ـــــ نہ رو حمرا ـــــ" اماں ہنس کر خالہ امی سے کہہ رہی "ان چھوکریوں کی یہ بڑھیوں کی سی باتیں تو دیکھو ـــــ"

"جو سنتی ہیں وہی دہراتی ہیں"

"اُفوہ ـــــ حمرا زرا دیکھنا بھیا کو" زہرا چلاتی ہے ..... اور ساری لڑکیاں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتی ہیں ـــــ وہ منھ منھ میں بڑبڑا رہا ہے ـــــ "حمرا ـــــ تو نے تو نے مقصود سے بیاہ کیوں کیا ـــــ مجھ سے ـــــ مجھ سے کیوں نہیں کیا ـــــ حمرا ـــــ حمرا ـــــ"

"میں ـــــ میں ـــــ میں گڑیا کو نہیں بھیجوں گی ـــــ نہیں بھیجوں گی۔ میں ـــــ میں ـــــ نہیں جاؤں گی مقصود کے ساتھ ـــــ" حمرا کی ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں۔

"نہ رو بھنو ـــــ نہ رو ـــــ میں تجھے نہیں جانے دوں گا ـــــ" کڑک گرج کی آوازیں گھر کو ہلا رہی ہیں ـــــ حمرا ڈر کر اس سے لپٹ جاتی ہے اور ایک لمبا سیاہ ہاتھ آگے بڑھتا ہے اور حمرا کا گلا دبوچ کر جھٹکے سے اس سے جدا کر لیتا ہے۔ ـــــ "اوہ ـــــ شیطان ـــــ عفریت۔ حمرا کو مار ڈالے گا مار ڈالے گا ـــــ زہرا ـــــ زہرا ـــــ بچاؤ ـــــ"

"شیطان نہیں بھیا ـــــ مقصود بھائی ـــــ"

"زہرا ـــــ زہرا ـــــ حمرا ـــــ حمرا ـــــ آہ ـــــ اُف ـــــ زہرا ـــــ"

اس کا سر گاؤ تکیئے اور کشنوں سے لڑھک کر نیچے بستر پر جھک گیا تھا اور دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

کئی لمحے وہ بہت سا اندھیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا رہا

کہاں ہیں سب ۔۔۔ اماں ۔۔۔ حمرا ۔۔۔ زہرا ۔۔۔ مقصود ۔۔۔ عفریت ۔۔۔ آہ!

•

وہ بہت سے تکیوں کے سہارے کچھ اوندھا کچھ سیدھا لیٹا سو گیا تھا ۔۔۔ اور بچپن کی شیریں یادیں مجسم ہو کر سامنے آ گئی تھیں ۔۔۔ آہ! یادوں کا یہ کارواں جو نہ جاگتے ہیں اسی کا ساتھ چھوڑتا ہے نہ سوتے ہیں!

برابر کے پلنگ پر عمران سر سے پیر تک چادر لپیٹے لڑکپن کی نیند سو رہا تھا۔ دوسرے کمرے سے اس کی بیوی کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔

اس نے شیشی میں سے دوا نکال کر کھائی ۔۔۔ پھولتے سانس کو قابو میں آتا دیکھا تو پھر تکیوں پر اوندھا جھک گیا ۔۔۔ نیند کے بجائے آنکھوں میں آنسوؤں کا گرم گرم سیلاب سا آ گیا ۔۔۔ در پھر ۔۔۔ جانے کب ۔۔۔ نیند کی دوا نے اپنا اثر دکھایا۔

زہرا اور حمرا رنگین ریشمی کپڑوں میں ننھی ننھی پریوں کی طرح اچھلتی کودتی پھر رہی تھیں ۔۔۔ اماں کے چہرے پر مسرت اور فخر کے رنگ ا نکھرے ہوئے ہیں اور بابا ۔۔۔ بس ایسا لگتا ہے کہ ان کے بیٹے سے پہلے کسی نے بی۔ اے پاس ہی نہ کیا تھا ۔۔۔ ہر آئے گئے کو خوش خبری سناتے ہیں ۔۔۔ خانہ امی بار بار اُسے گلے لگاتی ہیں ۔۔۔ اماں دعائیں دیتی ہیں۔ انھوں نے نوکروں کے

پر جا کے جوڑے بنائے ہیں ـــــ اماں کے عزیز ا باکے دوست جمع ہوئے ہیں۔ گھر میں جیسے شادی رچی ہے۔

بابا کے گہرے دوست اور اماں کے کزن احسان انکل مع اپنی بیوی، بیٹی اور بیٹوں کے آئے ہیں۔ اوہ! کیا ٹھاٹ تھے ان کے۔ کیا شان تھی! شکاری لباس، بھاری آواز، لمبا تڑنگا جسم اور فلک شگاف قہقہے! اور آنٹی اوہ! کیا تن و توش تھا ـــ اور اس پر وہ ان کی بنارسی ساڑھیاں اور زیور ـــ اور بات بے بات اپنی امارت اور شان و شوکت کا ذکر!!

مگر ان کی بیٹی کتنی مختلف تھی ماں اور باپ سے۔ لمبی، دُبلی! گورا رنگ، بھورے بال، نیلی آنکھیں! معصوم سا چہرہ!! اماں تو فدا ہوگئیں بالکل۔ بابا بھی تعریف کرتے رہتے۔ مگر زہرا الگ رہتی تھی ـــ آنٹی اور ان کی بیٹی دونوں کو زہرا سے شکایت تھی کہ اُسے ان لوگوں کی زرا سی پروا نہیں ـــ اور وہ خود! اوہ!

وہ زہرا کو پکارتا تو لپک کر رضوانہ سامنے آجاتی ـــ حمرا کو بلاتا تو رضوانہ سامنے کھڑی ہوتی۔ "کیا کام ہے ـــ کیا چاہیئے۔ مجھے بتایئے نا ـــ"
اس کے موزے دھوئے اور رفو کئے ملتے۔ شیو کا سامان۔ جو دس بار کہنے پر بہ حمرا اور اور زہرا بدتمیز نہ دھوتیں اب دھلا ہوا، سلیقے سے سجا میز پر جما ہوتا ـــ جانے رضوانہ کی جھکی نظریں اُس سے کیا کہنا چاہتی تھیں ـــ جانے کیا؟

اور حمرا ـــ جانے کہاں رہتی ہے وہ؟ وہ پوچھتا تو زہرا چیخ کر جواب دیتی ـــ اماں اور بابا کے معزز مہمانوں کی خدمت میں مصروف ہیں ـــ وہ بگڑتا ـــ کیوں کیا وہ کسی کی نوکر ہے ـــ؟ تو حمرا اس کے پاس آکر بکھنے لگی "نوکری کی کیا بات ہے! بچاری خالہ اماں اکیلی کیا کیا کریں ـــ اگر میں

ہاتھ نہ بٹاؤں! زہرا باجی کو تو چڑ ہوگئی ہے ان بچاروں سے!"

"تم بھی رضوانہ کی زبان بولنے لگیں ——؟ کل وہ رو رو کر اپنی اماں جانی سے فرما رہی تھیں زہرا تو میری زرا پروا نہیں کرتی۔ اس کو تو ہر وقت حمرا چاہیئے —— تم نے یہاں لا کر خواہ مخواہ مجھے ذلیل کیا —— ان بھائی بہن کے دماغ ہی نہیں ملتے ——"

وہ ہنستے ہنستے بے دم سا ہو گیا —— حمرا حیران ہو کر بار بار پوچھ رہی تھی —— "آپ ہنس کیوں رہے ہیں —— اور زہرا باجی آپ بھی —— اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے ——"

"ہٹ بدھو کی بدھو ہی رہی"

وہ خالہ امی کے کمرے میں چلا گیا —— کتنی اداس، کتنی پریشان۔ آنکھوں کے گرد سیاہ گہرے حلقے۔ سوجے پپوٹے چھلکتے آنسو!!

"خالہ امی کیسی طبیعت ہے۔ ارے آپ کو تو بخار ہے؟"

"ہاں کئی دن سے حرارت ہو جاتی ہے؟"

"خالہ امی آپ نے ڈاکٹر کو بھی نہیں دکھایا —— میں بھی بابا کے چہیتے بھتیجوں کے چکر میں پھنسا رہا —— مگر آخر —— یہ زہرا اور حمرا ...... ان سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آپ کے پاس بیٹھیں ——" وہ غصے میں اٹھ کر باہر جانے لگتا ہے۔

"نہیں میرے چاند —— تم نہ جاؤ —— حمرا تو ساری رات ہی جاگتی ہے میرے ساتھ —— اور زہرا بھی جانے کتنی بار آ کر دیکھ جاتی ہے۔"

"میں ڈاکٹر کو لے آؤں ——"

"ڈاکٹر! —— میرے درد کی دوا اس کے پاس نہیں میرے بچے ——! کسی کے پاس نہیں ——"

اُن کی آواز ٹوٹ جاتی ہے

"خالہ امی ـــــ میری اپنی خالہ امی" وہ ان کے سینے پر سر رکھ دیتا ہے۔ بچپن سے وہ اُن سے مانوس تھا ـــــ جو باتیں بابا سے نہ کہتا، اماں تک سے چھپا ڈالتا ـــــ وہ سب خالہ امی کو سنا دی جاتی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی شرارتیں، بے ضرر معصوم شوخیاں۔ جانوروں سے الفت کی داستانیں اور زہرا و حمرا کو ستانے کی اسکیمیں! مقصود سے ہونے والے جھگڑے اور منجھلے بھیا کی محبت ـــــ وہ اس کے سارے رازوں کی امین تھیں

وہ دونوں بہنوں کو چڑاتا " میں خالہ امی کا بیٹا ہوں "

حمرا اٹھلا کر کہتی "ہوں گے ـــــ میں بھی تو اپنی خالہ اماں کی بیٹی ہوں"

اور زہرا منھ چڑا کر بھاگ جاتی ـــــ "بڑے بیٹے کی دم بنے ہیں!"

"الن بیٹا ـــــ کس سے کہوں دل کی بات "

"میں جو ہوں آپ کا تگڑا جوان بیٹا ـــــ" وہ فخر سے سینہ تان کر کہتا ہے اور خالہ امی اس کے تندرست ورزشی جسم کو پیار بھری نظروں سے دیکھتی ہیں۔

"ہاں میرے لال ـــــ خدا تمہیں سلامت رکھے ـــــ میری امیدیں تمہیں سے وابستہ ہیں ـــــ" جانے وہ کیا کہنا چاہتی ہیں مگر کہہ نہیں پاتیں!

"مگر ـــــ آپ ـــــ؟ آپ کیا کہنا چاہتی ہوں ـــــ؟؟"

"کیا کہنا چاہتی ہوں ـــــ؟؟" ان کا لہجہ بڑا گمبھیر ہے!

"وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی بیٹا ـــــ سترہ اٹھارہ سال سے میرے دل میں لاوا پکتا رہا ہے ـــــ کاش اس بھٹی کی تپش سے کبھی تو نجات ملتی "

ان کا جسم ہچکیوں سے لرز رہا ہے۔

"خالہ امی ـــــ میری خالہ امی ـــــ دیکھئے تو وہ حمرا آرہی ہے ـــــ وہ آپ کو روتے دیکھے گی تو ـــــ"

"اسی کی فکر تو مجھے کھائے جا رہی ہے بیٹا ـــــ اس کا کیا ہوگا ـــــ مرے جانے کے بعد وہ کیا کرے گی خالہ امی ـــــ" ایک سسکی کے ساتھ ان کے منہ سے نکلتا ہے۔

"مگر ـــــ مگر آپ کہاں جا رہی ہیں ـــــ" ان کی آج کی باتوں سے وہ بڑا حیران ہو رہا ہے۔

"کہاں جا رہی ہوں؟ بیٹا کون جانے!! مگر اب سفر قریب ہے ـــــ بہت قریب ـــــ" اور پھر نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیتی ہیں ـــــ "وعدہ کرو علی میاں وعدہ کرو ـــــ حمرا کو تنہا نہ چھوڑو گے ـــــ میں نہ ہوئی تب بھی یہ گھر اسی کا گھر رہے گا ـــــ تم اس کے رہو گے ـــــ وعدہ کرو میاں ـــــ"

"خالہ امی ـــــ یہ گھر آپ کا اور حمرا کا ہے ہی ـــــ اور ہم سب بھی آپ کے ہیں ـــــ اور حمرا تو مجھے جان سے زیادہ پیاری ہے ـــــ زہرا کی طرح ـــــ بھلا اس کو ـــــ"

اور یکایک اس کی نظر حمرا پہ پڑتی ہے جو دروازے میں یوں کھڑی ہے۔ جیسے چوکھٹے میں کسی نے قدِ آدم تصویر سجا دی ہو۔

اسی وقت اماں اور آنٹی کمرے میں آجاتی ہیں۔ اماں کی بھاری اور جھلائی آواز سنائی دیتی ہے "اللّٰہ تم یہاں بیٹھے ہو ـــــ اور سارے گھر میں تمہاری ڈھونڈ مچی ہے ـــــ آج تو تم لڑکوں کو لے کر شکار کو جانے والے تھے۔"

خالہ امی کے دونوں ہاتھ پھیلے رہ جاتے ہیں ـــــ حمرا کو کوئی پیچھے گھسیٹ لیتا ہے ـــــ اماں اور آنٹی اس کو دبوچ کر باہر گھسیٹنے لگتی ہیں۔ اور دور کھڑی رضوانہ قہقہہ لگا رہی ہے۔

"نہیں نہیں ـــــ مجھے چھوڑ دو ـــــ میں خالہ امی ـــــ میں حمرا۔"

اُسے ٹھوکر لگتی ہے ——— اماں اور آنٹی کا ہاتھ چھوٹ جاتا ہے اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑتا ہے۔

آہ!

وہ موٹے گدّے پر سے پھسل کر زمین پر پڑا ہوا تھا ——— بیوی ننگے پاؤں دوڑی ہوئی آئی۔

"اے ہے ——— ارے کیا ہوا گر پڑے؟ بچوں کا سا حال ہے۔ اور یہ تم رو اور چیخ کیوں رہے تھے!" آواز میں کوئی ہمدردی نہیں، درد نہیں۔ طنز کی کاٹ ضرور ہے!

وہ جلدی سے اُٹھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا ——— سانس بے قابو ہو رہا تھا، سارا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ شرمندہ سا، پریشاں و پشیماں سا! بیوی نے زمین پر سے دلائی اٹھائی، اسے جھٹکا اور تہہ کرکے پلنگ کی پائنتی رکھ دی۔ اُن جلتے آنسوؤں پر اس کی نظر نہیں پڑی جو میاں کی آنکھوں سے لڑھک کر زرد گالوں کو چھوتے، گردن کو چومتے کھلے گریبان میں چھپ گئے تھے!

وہ آہستہ سے اٹھا، پیر میں چپل ڈالے اور دھیرے دھیرے چلتا صحن سے گزر کر اس ٹوٹے ہوئے چھوٹے دالان میں آگیا جس کے ایک پہلو میں پردادا کی بنوائی اونچے میناروں والی پرانی مسجد اور دوسرے پہلو میں بڑی بڑی محرابوں والا شکستہ امام باڑہ خاندانی عظمت کی داستان سنا رہے تھے۔ جس کی ایک ایک اینٹ میں اس کے بچپن، لڑکپن اور نوجوانی کی کہانیاں پوشیدہ تھیں سامنے کچھ دور بہتی گنگا کی لہریں دھیمے سروں میں جلنے

کیا گنگنا رہی ہیں —— کیا ان گیتوں کی لے اب بھی گنگا کے سینے میں دھڑکتی ہے۔
جو زہرا، حمرا اور ان کی سہیلیاں ساون میں گایا کرتی تھیں!!
ایک ستون کا سہارا لے کر وہ اونچے بوسیدہ دالان کی ایک ٹوٹی محراب میں دریا کی طرف پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔
گنگا کے اس پار لو پھٹ رہی تھی۔ کبھی کبھی کنارے پر کھڑا کوئی بگلا یا کلنگ جیسے ایک دم مراقبہ سے چونک اٹھتا اور اپنی لمبی چونچ پانی میں ڈبو کر کسی ننھی معصوم مچھلی کو اپنا شکار بنا لیتا ذرا دیر کو پانی میں تموّج پیدا ہوتا، ننھے ننھے بھنور پڑتے اور پھر سکوت چھا جاتا۔ دیکھنے میں کتنا نیک اور بے ضرر۔ جو معصوم، بے قصور، کمزور مچھلیوں کا چپکے سے شکار کر لیں اور کسی کو خبر بھی نہ ہو۔ ہر چیز سے تلخ یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ اس نے سر کو جھٹکا دیا اور صبح کی رعنائیوں میں اپنے کو گم کرنا چاہا۔
چڑیوں کی ڈاریں دور دور سے اڑتی ہوئی آرہی تھیں —— پہلے ننھے ننھے سیاہ نقطے نظر آتے پھر دم بھر میں وہ ننھی ننھی چڑیوں کا روپ دھار لیتے۔ سب سے آگے دو یا تین چڑیاں —— رہنما یا لیڈر کی طرح، ان کے پیچھے سپاہیوں کی ڈسپلن فوج کی طرح چھوٹی بڑی بہت سی قطاریں زن سے دریا پر سے پرواز کر جائیں اور پھر ایک یا دو چڑیاں بہت تیزی سے اُڑتی آتیں، گھبرائی ہوئی، چیخیں مارتی —— جیسے قافلے سے بچھڑنے سے پریشاں ہوں! آہ! قافلے سے بچھڑنے والوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے!
اس نے غصے سے کئی بار سر کو جھٹکا —— پھر وہی بے کار کے خیالات۔
ڈاکٹر کہتا ہے —— پریشان کن خیالات ذہن ہی میں آنے نہ دو —— ہنسو بولو —— مناظر قدرت سے لطف اٹھاؤ —— خوش رہو بابا!

ہنہہ ۔ ۔ ۔ ۔ خوشی !!!

کتنی دیر تک وہ ان حسین پرندوں کے قافلوں کو دیکھتا رہا ۔ ۔ ۔ سفید چڑیاں ، ہلکی زرد اور نیلی چڑیاں ، کالی اور اودی چڑیاں! ہر پارٹی کا اپنا ایک الگ انداز ، الگ حسن تھا جو صبح کی دودھیا روشنی میں حسن قدرت کے ترانے گا رہا تھا ۔ جانے یہ قافلے کہاں سے آرہے ہیں ؟ کہاں جارہے ہیں؟ اب گنگا سوتے سے جاگ اٹھی ۔ لہروں میں حرکت پیدا ہوئی ۔ مچھلیاں ابھرنے اور ڈبکی لگانے لگیں ۔ کچھوے خواب خرگوش سے بیدار ہو کر دھیرے دھیرے کنارے سے پانی کی سمت رینگنے لگے ۔

فضا کی ہلکی سلیٹی رنگ کی خوابناک سی کیفیت بدل چکی تھی ۔ دریا کی لہروں پر دھنک کے رنگ کھیل رہے تھے ۔ گلابی ، نیلے ، زرد ، شوخ نارنجی ، سرخ اور فیروزی رنگ اوپر بادلوں سے اٹھکھیلیاں کر رہے تھے اور نیچے گنگا کو رنگ و نور میں ڈبو رہے تھے ۔ اُس پار سورج دھیرے دھیرے ابھر رہا تھا ۔ جیسے کوئی حسین چہرہ رنگین کھڑکی سے جھانک رہا ہو ۔ دور مچھیروں کی کشتیوں کے مٹیالے میلے بادبان سورج کی کرنوں سے چاندی کے تیروں کی طرح چمک رہے تھے ۔

رنگ و نور کے اس طوفان میں اسے اپنی زندگی کی رنگا رنگی جھانکتی نظر آرہی تھی ۔

محبت ، اعتماد ، دوستی اور مُسرت کے رنگ ! کسی پُرانے مصور کے شاہکار کی طرح حسین ، دلکش اور ہم آہنگ !!

دکھ ، غم ، ناکامی ، بدگمانی ، بے اعتمادی اور بدسلوکی کے رنگ ، کسی اناڑی ، ماڈرن فن کار کی تصویر کے رنگوں کی طرح ۔ بے ڈھنگے ، شوخ

بھیانک ناقابلِ فہم رنگ ۔۔!!
یہ کیسے رنگ ہیں ؟ کیسی یادیں !!
اس نے ایک مسرور زندگی کے خواب دیکھے تھے ـــــــ پھولوں کے خواب !
مگر اُسے پتھر ملے ۔
اس کے نصیب میں پھولوں کی سیج نہ تھی !
کانٹوں کا تاج تھا ۔
وہ کب سے اپنی زندگی کی صلیب اٹھائے چل رہا ہے ـــــ چل رہا ہے ـــــ تنہا ، مایوس ..... بیمار ـــــ چلتا رہے گا ـــــ چلتا رہے گا ۔
کب تک ؟ کب تک یہ صلیب اس کے کاندھوں کو کچلے جائے گی ۔ کب تک ؟
اس کا سر ستون سے ٹکا ہوا تھا ـــــ چہرہ کاغذ کی طرح سفید ہو رہا تھا ۔ اور گہری سیاہ آنکھوں میں کچھ ایسی کیفیت تھی جیسے ننھے سے زخمی پرندکی آنکھوں میں ہوتی ہے ۔
" ارے تم یہاں بیٹھے ہو ۔ ٹہلنے نہیں گئے ؟ "
" نہیں ـــــ رات طبیعت زیادہ خراب رہی ۔ بیٹھے ہی گزری .... "
" صبح تو تم گہری نیند سو رہے تھے ۔ "
" اوندھا لیٹا انسان سو کیسے سکتا ہے ؟ ـــــ اونگھ گیا ہوں گا ۔ "
" تو آرام سے سیدھے لیٹ کر کیوں نہیں سوتے ـــــ تمہیں تو وہم ہو گیا ہے کہ میں سیدھا نہیں لیٹ سکتا ۔ "
" جی ہاں ـــــ میری تو ساری بیماری ہی وہم ہے ۔ " اس کی دھیمی آواز میں عجیب درد تھا ۔

"سانس کا دورہ پڑ گیا ہے تو شہر جا کر ڈاکٹر کو دکھاؤ نا"

"شہر جانے کے قابل ہوں اس وقت؟"

"تو یہاں بلا لو۔۔۔ کب سے کہہ رہی ہوں کہ ٹھیک سے علاج کراؤ۔ مگر میری بات تم نے سنی ہی کب ہے جواب سنو گے۔۔۔ کون سی دوا کھا رہے ہو"

"ہومیو پیتھک"

"بھائی میاں کہہ رہے تھے اپنے میاں کو اس ہومیو پیتھک کے چکر سے نکالو اور شہر کے کسی اچھے ڈاکٹر کا علاج کراؤ مگر تم میری کیا ان کی بھی نہیں سنتے۔"

"میں نے کہا نا میں پچاس ساٹھ میں سفر کرنے کے قابل نہیں ہوں۔"

"تو یہاں بلا لو۔۔۔"

"ہوں۔ کون شہر سے یہاں آئے گا وہ تو ہزاروں روپے سے کم نہیں لے گا۔"

"تو کیا ہوا۔۔۔ تم نے ہزاروں لٹائے۔۔۔ اب دوا علاج میں خواہ مخواہ کنجوسی کرتے ہو۔"

"اسی کا تو خمیازہ بھگت رہا ہوں۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ اب ہمارے مالی حالت ایسی نہیں کہ میں اتنا خرچ کروں۔"

"ہونہہ۔۔۔ اب ایسے بھی فقیر نہیں ہیں۔۔۔ خیر میں بھائی میاں کو لکھوں گی۔۔۔ وہ روپے بھیج دیں گے۔۔۔ ڈیڈی کی جائیداد میں میرا بھی تو حصہ ہے آخر۔" یہ سپاٹ لہجہ! اسے لگا نشتر کی کوئی نوک سینے میں ترازو ہوتی جا رہی ہے۔

"ضرور منگاؤ۔۔۔ مگر میرے لئے نہیں۔" اس کا سانس اور زیادہ پھولنے لگا اور کھانسی اور زور سے اٹھی۔

"ہوں پھر بڑبڑائی۔" اتنا یہ غرور۔۔۔ جیسے کبھی انھوں نے کوئی احسان

ایسا ہی نہیں کسی کا ۔"

اُف خدایا! اس نے اپنے چکر کھاتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

احسان! پیسہ! میں نے کب اس کے باپ بھائی کا احسان اٹھایا؟

وہ کل آئی۔ سی۔ ایس کرانے ولایت بھیجنا چاہتے تھے ——— میں نہیں گیا ——— ان کے ذریعے بڑی نوکری مل سکتی تھی ——— مگر میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنی خودداری کو نیچ کر ان کی خوشامد کروں ——— ان کے بیٹے منسٹر ہو گئے ——— بڑے بڑے آفیسر بن گئے ——— مگر میں نے کبھی ان سے کوئی مدد لینی گوارا نہ کی ——— اپنی بہن اور بھلے بھانجی کو وہ کیا دیتے ہیں کیا نہیں کبھی الٹ کر یہ نہیں پوچھا ——— مجھے اپنی قوت بازو پر بھروسہ تھا ——— میں کیوں کسی کا احسان اٹھاتا!

اور آج یہ سن رہا ہوں؟

خدایا کیا یہ دن بھی دیکھنا تھا۔

جس نے کبھی دولت کی پوجا نہ کی۔ پیسہ کو آقا نہیں غلام سمجھا۔ پیسہ کی اہمیت ہے کیا؟ یہی نا کہ انسان اس کے ذریعے خود آسائش کی زندگی بسر کرے۔ اپنے بال بچوں کو راحت پہنچائے، ان کی خواہشیں پوری کر کے مسرت حاصل کرے ضرورت مندوں کی مدد کرے ——— دوستوں اور عزیزوں کو تحفے دے۔ بینک میں پڑا روپیہ، یا جائیداد میں لگی دولت کس کام کی ———؟ لوگ کہتے ہیں۔ پیسہ پیسہ کو کھینچتا ہے ——— مگر ——— مگر اس کے ہاتھ میں کبھی بھی روپیہ نہیں ٹکا۔ اس نے اپنے سفید، تپتے سبک ہاتھوں کو چہرے کے سامنے کر لیا۔ پتلی لمبی مخروطی انگلیوں کے بیچ میں بڑی بڑی ریخیں جن میں دریا کا چمکتا پانی نظر آرہا تھا۔

ہاں ——— بیوی کہتی ہے ——— اس کے ہاتھ میں چھلنی ہے۔

ایسے ہی تو زہر لکے ہاتھ ہیں ــــ ان ہاتھوں میں روپیہ ٹکتا نہیں ــــ دوسروں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے ....."

وہ پھر کھو سا گیا ــــ اماں کی فیاضی کے باوجود بچپن کی آسائش کی زندگی اور پھر ــــ بابا کے بعد تنگی اور تکلیف کا زمانہ ــــ اور بعد میں اس کی چھوٹی سی نوکری، جائیداد کی مختصر سی آمدنی ــــ ایک ایک بات ذہن کے پردے پر اجاگر ہو رہی تھی!

جب کم آمدنی تھی تب بھی، جب زیادہ تنخواہ ہوئی تب بھی اور جب کاروبار میں خوب فائدہ ہوا ہزاروں گھر میں آیا تب بھی ــــ کبھی روپیہ جمع کرنے کی بات نہ سوچی ــــ وہ کام کرتا رہے گا، روپیہ آتا رہے گا، خرچ ہوتا رہے گا ــــ پھر بچے پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں گے ــــ وہ کیوں مستقبل کی فکر میں ان کی خواہشیں اور اپنی آرزوؤں کو قربان کرے؟ منجھلے بھیا اتنی بڑی کمپنی میں نوکر تھے، ہزاروں کماتے تھے۔ اس کے ایک سالے منسٹر دوسرے بزنس مین تھے، اس کے بچے کسی کے بچوں سے کم نہ رہیں۔ انھیں محرومی کا احساس نہ ہو! پھر ان کو چیزوں کا شوق اور سلیقہ ہی کیا تھا ذوق ہونے کے لئے پیسہ ضروری نہیں اور پیسے سے ذوق نہیں پیدا ہو سکتا اس کا گھر ان بڑی بڑی حیثیت والے عزیزان سے زیادہ سجا ہوا، زیادہ آرام دہ تھا۔ ضرورت کی ہر چیز مل جاتی، اس کے بچے اور بیوی ان سے بہتر پہنتے اچھا کھاتے۔ بچوں سے اسے ہمیشہ سے پیار تھا ــــ دوستوں اور پڑوسیوں کے بچے بھی اس پر جان دیتے تھے۔ کیوں کہ ماں باپ بھائی بہن ان کی خواہشیں ٹال دیں مگر علی انکل" سے جو بات کہو وہ ضرور پوری ہو جاتی ــــ اور وہ مستقبل کا دھیان کئے بغیر ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں خوشی اور سکون تلاش کرتا رہا۔

مگر آہ! اس کی کوئی خواہش پوری نہ ہوئی۔ نہ بچوں سے وابستہ تمنائیں بر آئیں نہ بیوی سے وہ دوستی، وہ اپنایت وہ سچی رفاقت ملی جس کے لئے عمر بھر روح تڑپتی رہی ——— بیوی سے نہ سہی اولاد سے ملتی مگر یہ بھی اس کی قسمت میں نہ تھا۔ اس نے چشمہ حیواں کو تلاش کیا ——— مگر اس کو صرف ظلمات ملا! ظلمات!!

اور اگر منجھلے بھیا نے بزنس کے زمانے میں یہ دو پالیسیاں نہ دلوادی ہوتیں۔ تو وہ آج پیسے پیسے کو محتاج ہوتا یا پھر رضوانہ کے بھائیوں کا احسان اٹھانا پڑتا۔ اپنا پیارا خوبصورت گھر کرایہ پر اسی لئے تو چڑھایا ——— اس لئے تو اسی قصبے میں آکر رہا کہ اسی کی آمدنی سے روزمرہ کا خرچ پورا ہوگا ——— غیر معمولی اخراجات پالسی سے ملے روپے سے پورے ہوں گے ——— مگر اب ——— اب ——— تو پونجی بہت کم رہ گئی ہے ——— اب کیا ہوگا؟

عرفان! خود غرض عرفان ——— دہی چھوڑ کر نہ جاتا! آہ ———

جس چٹان پر یہ ساری عمارت کھڑی کی تھی وہی ڈھے گئی ——— ان دونوں کا کیا ہوگا ——— ابھی تو نگین پڑھ رہی ہے ——— اس کا بیاہ کرنا ہے ——— عمران تو نویں ہی میں ہے۔

خیر شکر ہے خدا کا ——— وہ کسی کا محتاج تو نہیں۔ تین سو مکان کے آجاتے ہیں ——— کچھ بنک سے سود کے مل جاتے ہیں!!

ہاں اب پہلے جیسے اللّے تللّے نہیں ——— مگر ——— مگر اب بھی ہزاروں سے اچھے ہیں ——— مگر بیوی بچے تو اسے نا عاقبت اندیش کہتے ہیں ——— بہوت کارونا روتے رہتے ہیں ——— کاہل ہے ——— نااہل ہے ——— اسی لئے تو کچھ کرتا نہیں ہے ——— اس عمر میں لوگ کیا نوکریاں نہیں کرتے؟ صحت بھلا

ایسی کون سی خراب ہے --- وہ یہ سب سنتا ہے — اور سنتا رہے گا
مقدر ہے اس کا!

مگر یہ بھی تو اسی کا قصور ہے ---- کیوں بچوں کو اونچے انگریزی اسکولوں اور اعلےٰ کالجوں میں تعلیم دلائی ---- کیوں بہتر سے بہتر کپڑا، جوتا، عمدہ فلم، تھیٹر، ڈراما اور آرٹ کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی؟ وہ ان کا مذاق اونچا کرنا چاہتا تھا۔ ان کی ذہانت کے لئے بہترین غذا فراہم کرنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا۔ آرام طلب۔ خود غرض اور خود پسند بنانا تو نہیں چاہتا تھا۔

مگر اُف ---- یہ قسمت !!

زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے ہی رہتے ہیں۔ مانا کہ انہیں شہر چھوڑ کر، اپنا اتنا پیارا گھر چھوڑ کر یہاں آکر رہنا پڑا۔ بے شک اب وہ اسکول اور کالج نہیں ہیں نہ شہر کی دلچسپیاں ہیں --- مگر ---- خدا کا شکر ہے کسی کے محتاج تو نہیں ہیں ---- اس کے باپ دادا کا گھر کبھی اتنا شاندار اور حسین تھا ---- اب بھی اس میں اتنی بے آرامی تو نہیں ہے جتنا یہ لوگ رونا روتے ہیں ---- پھر گاؤں کا اپنا ایک حسن ہوتا ہے یہ سرسبز کھیت، بہتی گنگا، صبح و شام طلوع و غروب کے یہ حسین نظارے ---- یہاں کے لوگوں کی اپنایت اور خلوص ---- انسان چاہے تو ان میں ہزار حسن ---- ہزار راحتیں تلاش کر سکتا ہے۔ اس نے اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

حسن؟ راحت؟ سکون؟ اُسے ہی نہیں ملتا تو ان کو کیا ملے گا؟ مگر وہ تو بیمار ہے۔ ذمہ داریوں کا بوجھ اُسے کچلے دے رہا ہے۔ کیا بیوی کا یہ فرض نہیں ہوتا کہ وہ دکھ اور مصیبت میں شوہر کا ساتھ دے؟ اور اولاد؟

ہنہہ اولاد !! وہ کبھی اس زمانے کی ! دکھ بٹائے گی !

"آہ میرا کون ہے ـــــ کون ہے میرا ؟"

پھر اچانک جیسے کوئی سامنے آگیا ـــ "زہرا ـــ زہرا

تم کہاں ہو ـــ عمرا کہاں ہے ـــ میری دوست ، میری بہن ، میری غمگسار

کاش تم میرے پاس ہوتیں !"

آنکھوں سے آنسو لڑھک کر بڑھے ہوئے شیو کے ننھے ننھے بالوں میں

اٹک گئے ۔ وہ گھبرا گیا کوئی دیکھ نہ لے ـــ کوئی اس کے جذبات سے واقف

نہ ہو جائے اس نے رومال نکالا اور آنسو خشک کرنے میں سارا رومال تر ہو گیا۔

گردن اٹھائی تو نمرو چاچا کھڑے انگوچھے سے بوڑھی آنکھیں صاف کر رہے

تھے ۔ اور پھر وہ اپنی مخصوص میٹھی بوڑھی ہنسی ہنسنے لگے ۔

" احسن میاں ـــ سبیرے سبیرے تم جاڑے میں کہاں آن بیٹھے ـــ

چلو منہ ہاتھ دھو لو ـــ حجامت بنا لو ـــ بہو بیٹا کب سے ناشتہ لئے

بیٹھی ہیں گی ۔ "

وہ اٹھا تو سانس کچھ زیادہ پھولنے لگا ۔ ایک کر نمرو چاچا نے

اس کو سہارا دیا " بھیا آج جی اچھا نہیں ہے ـــ اپنے حکیم جی کو بلا لاؤں ۔

بھیا کلن حکیم جی بڑی اچھی دوائی دیں ہیں ـــ لوگ کہیں ہیں ان کے

ہاتھ میں اللہ میاں نے شفا دی ہے ـــ "

وہ آکر پلنگ پر بیٹھ گیا ۔ عمران نے پاس آکر کہا " ابو ـــ ابو جی ۔

کیسی طبیعت ہے آج آپ کی ـــ بڑا سانس پھول رہا ہے "

" ارے ابو ـــ آپ ـــ آپ رو رہے ہیں ؟ "

" نہیں بیٹا ـــ نزلہ ہے ـــ "

"ابو بتایئے نا ــــ کیا بات ہے ـــــ ؟"

"کچھ نہیں ــــ تمہاری پھپھو یاد آ رہی ہے ــــ رات بھر اسے خواب میں دیکھتا رہا۔ جانے کیسی ہوگی بیچاری ــــ"

"انھیں بلا لیجئے نا ابو ــــ"

"اکیلی کیسے آئے گی ــــ میں خود جا کر لاتا تب اور بات تھی ــــ"

"میں لے آؤں جا کر پھپھو کو ــــ" عمران نے اپنے چھوٹے سے قد کو لمبا کرنے کی کوشش کی۔ وہ مسکرا پڑا۔

"تم ابھی چھوٹے ہو میاں ــــ"

"آپ خط لکھ دیجئے ــــ پھپھو ضرور آ جائیں گی ــــ کتنا چاہتی ہیں وہ آپ کو ــــ اور ایک ہماری بہنیں ہیں ــــ" اس نے شرارت سے نگین کی طرف دیکھا۔ نگین پڑھنے میں محو تھی۔ دو مہینے بعد اس کو بی۔اے کا امتحان دینا تھا۔ اور وہ آج کل دن رات محنت کر رہی تھی!

"ہاں خط ہی لکھنا چاہئے ــــ"

عمران پیڈ اور قلم لے کر آ گیا۔

کچھ دیر کھوئی کھوئی نظروں سے وہ پیڈ کو گھورتا رہا پھر قلم سنبھالا۔ وہ غریب خود پریشانیوں میں گھری ہے ــــ نوکری بھی تو کرتی ہے۔ کیسے آئے گی؟

دوبارہ قلم سنبھالا۔

میری پیاری بہن ــــ بہت سے پیار ــــ

کیا بھیا کو بالکل بھول گئی؟ کتنے دن سے نہ آئی نہ خط لکھا ــــ کب سے تجھے نہیں دیکھا ــــ جی چاہتا تھا خود چلا آؤں ــــ مگر صحت اب روز بروز گرتی جا رہی ہے ــــ لمبے سفر کے قابل نہیں ــــ ارے پریشان نہ ہو بھئی ــــ تجھے

دیکھے بغیر تو مر بھی نہیں سکوں گا ـــــ راتیں جاگتے گزرتی ہیں ـــــ ذرا ذرا دیر کو قسطوں جو نیند آتی ہے تو تجھے خواب میں دیکھتا ہوں۔ بابا، خالہ امی، اماں اور حمرا کو خواب میں دیکھتا ہوں۔ ایسا لگتا ہے بچپن کی جنت پھر سے مل گئی وہ دلکش حسین دور زندگی جو کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ جب گزاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں!

جی چاہتا ہے زہرا ـــــ جانے سے پہلے خوشی کی چند گھڑیاں پھر سے گزار لوں۔ ـــــ ماں اور بابا تو خدا کے ہاں سدھارے ـــــ تو آ جا ـــــ بلا سکے تو حمرا کو بلا لے ـــــ کیا وہ اپنے علی بھیا کو بالکل بھول گئی؟ یا اس کا میاں نہیں آنے دیتا؟

تیری بھاوج یاد کرتی ہیں اور دعا سلام کہہ رہی ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ تم جلدی سے آ جاؤ ـــــ اور بچے تو پھپھو کو یاد کرتے ہی رہتے ہیں۔

ہما کو پیار

تیرا چاہنے والا

بھیا

خط لفافے میں ڈال رہا تھا کہ رضوانہ آن پہنچی۔

"کیسے خط لکھ رہے ہو؟"

"زہرا کو ـــــ رات اُسے خواب میں دیکھا ـــــ بہت یاد آ رہی ہے ـــــ"

"تو بلا لو نا ـــــ سال بھر سے آئی بھی نہیں ہیں ـــــ"

"لکھا تو ہے کہ بچے یاد کر رہے ہیں اور تمہاری بھاوج کا اصرار ہے کہ تم آؤ ـــــ" وہ ذرا سا مسکرا پڑا۔

"میری بچاری کے بلانے پر وہ کیا آئیں گی ـــــ تمہاری خاطر چلیں آئیں تو

اور بات ہے ـــــ" تیوری پر بل ڈال کر رضوانہ نے کہا۔

"تم نے بلایا ہی کب ہے اِسے" آہستہ سے اس نے کہا۔

"کیا ـــ کیا کہہ رہے ہو؟" وہ جتنا اونچا بولتی تھیں اتنا ہی اونچا سنتی بھی تھیں، اور وہ آہستہ بولتا تھا اور آہستہ سے آہستہ بات سن لیتا تھا۔

"کچھ نہیں ـــ" اس نے بیزاری سے کہا۔

"ناشتہ نہیں کرنا ہے ـــ صبح سے باورچی خانے میں کھپ رہی ہوں اور کوئی تیار نہیں ـــ بیٹی صاحبہ امتحان کی تیاریاں کر رہی ہیں، صاحبزادے گھوم رہے ہیں ـــ اور تم ایسے مزے میں بیٹھے ہو جیسے ...."

اس نے سر اٹھا کر ایک بار بیوی کی طرف دیکھا اور پھر نصرو چاچا کی طرف رخ کر لیا۔

"نصرو چاچا ـــ مجھے بس دودھ اور اوولیٹن لا دو ـــ ناشتہ نہیں کروں گا اور ایک پیالی گرم چائے ـــ"

"کچھ تو کھا لو بھیّا ـــ"

"نہیں ـــ رات سو نہیں سکا ـــ بالکل خواہش نہیں ـــ"

"ہنھ پہلے ہی سے بتا دیا ہوتا، خواہ مخواہ میں نے پوریاں پکوائیں ـــ"

"تم تو جانتی ہو یہ چیزیں مجھے نقصان کرتی ہیں ـــ"

"تمہیں تو ہر چیز نقصان کرتی ہے ـــ"

"بچے کھا لیں گے ـــ" تحمل سے اس نے کہا۔

"بچے تو کھا ہی لیں گے ـــ" بڑبڑاتی ہوئی وہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی ـــ اس نے گہری دبی سانس لی اور لفافہ بیٹے کی طرف بڑھایا۔

"میاں ذرا لیک کر ڈال آؤ کہ سویرے نکل جائے ـــ" عمران نے

خط لیا اور جوتا پہننے لگا۔

نگین نے کتابیں سمیٹیں ۔۔۔۔ عمران کو باہر جاتے دیکھ کر بگڑی ۔۔۔ "تم کہاں جا رہے ہو ۔۔۔۔ "

"خط ڈالنے ۔۔۔۔"

"پہلے ناشتہ کرلو ۔۔۔۔ ممی یونہی صبح سے پریشان ہو رہی ہیں ۔۔۔ اور سب تو چھوٹ جاتے ہیں غصہ مجھ پر اترتا ہے ۔۔۔۔ خواہ مخواہ صبح صبح موڈ خراب کر دیں گی میرا ۔۔۔۔ "

"تمہارا موڈ اچھا کب ہوتا ہے ۔۔۔۔ " یہ کہتا وہ باہر بھاگ گیا اور نگین سلگتی رہ گئی ۔۔۔۔ ایک تو ابّو نے اس دیہات میں لاکر ڈال دیا ۔۔۔۔ اپنا اتنا اچھا کالج چھٹا ۔۔۔۔ دوست چھٹے ۔۔۔۔ تفریح ختم ہوئی ۔۔۔۔ پرائیویٹ کوئی کیا پڑھ سکتا ہے ؟ ۔۔۔۔ ڈویژن تو اچھی آنے سے رہی ۔۔۔۔ یہ بھی نہیں کر مجھے ماموں جان کے پاس بھیجدیں ۔۔۔۔ ایک پل میں یہ سب باتیں دماغ میں گونج گئیں مگر منھ سے صرف عمران کو برا بھلا ہی کہہ سکی ۔۔۔۔

"بدتمیز ۔۔۔۔ بدزبان ۔۔۔۔ بےہودہ ۔۔۔۔ "

"کیوں خواہ مخواہ زبان خراب کر رہی ہو ۔۔۔۔ وہ میرے کام سے گیا ہے ۔۔۔۔ " باپ نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

"میں کیا کہہ رہی ہوں ۔۔۔۔ مجھ سے کیا مطلب ۔۔۔۔ ممی نے کہا تھا جلدی سے سب ناشتہ کرلیں ۔۔۔۔ مگر وہ کسی کو سمجھتا ہی کیا ہے ۔۔۔۔ " اور پھر آہستہ سے بولی ۔۔۔۔ "آپ ہی نے سر چڑھایا ہے ۔"

"کیا کہہ رہی ہو ۔۔۔۔ ؟" غصے میں اس کا لہجہ بلند ہو گیا تھا۔

"میں ۔۔۔۔ میں تو کچھ بھی نہیں کہہ رہی ۔۔۔۔ " روہانسی آواز میں

نگین نے کہا اور بڑبڑاتی روتی ماں کے پاس چلی گئی۔

"اُف خدایا ـــــ" اس نے اپنا سر تکیے پر جھکا دیا۔

دودھ رکھے رکھے ٹھنڈا ہو چکا تھا اور نصرو چاچا مجرم بنے سر جھکائے کھڑے تھے اور باورچی خانے سے مسلسل رونے، بگڑنے اور بُرا بھلا کہنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

۲

ہما ماموں کا خط ڈاکیہ سے لے کر ماں کے کمرے میں داخل ہوئی مگر دروازہ پر ہی ٹھٹھک گئی۔ ان کے ہاتھ میں کلام پاک بلند تھا، آنکھوں سے برکھا ہو رہی تھی اور ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے.......

"مولا یہ وقت بھی آنا تھا ـــــ یہ فرض بھی میرا تھا ـــــ یہ کیسا نظام قدرت ہے ـــــ رب بے نیاز ـــــ" کلام پاک کے صفحات آنسوؤں سے بھیگ چکے تھے۔

ہما آہستہ سے جا کر ماں کی پیٹھ سے لگ کر بیٹھ گئی، اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش میں وہ بید کی طرح کانپ رہی تھی۔ "نہیں روؤں گی ہرگز نہیں روؤں گی ـــــ میں بھی رونے لگی تو اماں کو کون سنبھالے گا،" وہ دل ہی دل میں دہرا رہی تھی۔

انھوں نے جیسے ہی یہ محسوس کیا کہ ہما ان کے پاس ہے، وہ اپنے کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگیں ـــــ دونوں ہی یہ کوشش کرتی تھیں کہ دوسری کو اس کے بے پناہ غم کا اندازہ نہ ہو ـــــ سوچتیں ضبط کا بندھن جب جب ٹوٹا ہے

تو اس کے دھارے میں دونوں بہہ گئی ہیں۔ ہما سوچتی ماں کی خاطر سب سہارنا ہی ہے ـــــ ماں سوچتی بھیا اور ہما کی وجہ سے اسے زندہ رہنا ہی ہے۔

آخر ہما نے طوفان پر قابو پا لیا۔ آواز سنبھالی، مسکرانے کی کامیاب کوشش کی اور سامنے آکر بولی۔

"امی! دیکھئے کیا بڑھیا تحفہ لائی ہوں۔"

"کیا ہے!"

"ماموں جان کا خط۔" ہما نے خط سامنے نچایا بادل چھٹ گئے۔ ماں کے چہرے پر مسکراہٹ آنکھوں میں چمک آگئی۔

"بھیا کا خط؟ لا مجھے دے ـــــ"

"نہیں امی ـــــ میں پڑھوں گی پہلے ـــــ"

"لا ـــــ دے نا ـــــ تو پھر پڑھ لیجیو۔" انھوں نے اس کے ہاتھ سے خط چھین لیا اور لفافہ چاک کر کے پڑھنے لگیں ـــــ ہما ذرا دیر ماں کی محبت، مسرت اور اشتیاق کو دیکھتی رہی ـــ کتنا چاہتی ہیں امی اپنے بھائی کو ـ ـ ـ پھر اسے اپنا بھیا یاد آ گیا ـ ـ ـ گلے میں ایک گولا سا پھنسا اور آنکھیں دھندلی ہو گئیں۔

ماں نے ایک بار دو بار، تین بار خط پڑھا جیسے کسی طرح سیری نہ ہو رہی ہو۔ اور جب خط ہما کی طرف بڑھا تو ان کی بڑی بڑی آنکھوں میں موتی کانپ رہے تھے۔

ہما نے ماں کو دیکھا، خط پڑھا، کچھ سوچا اور پھر بولی۔

"امی آپ ابھی چلی جائیے۔ کب سے ماموں جان سے نہیں ملی ہیں۔ وہ بھی آپ کو یاد کر رہے ہیں اور خود آپ بھی تڑپ رہی ہیں۔"

وہ خاموش کچھ سوچ رہی تھیں - چہرے پر فکر آنکھوں میں وحشت!

"امی آپ خواہ مخواہ اتنی پریشان ہو رہی ہیں - ماموں جان کی طبیعت کوئی خدا نہ خواستہ زیادہ خراب تھوڑا ہی ہے - کھانسی اور دمہ ہی تو ہے ——— آپ سب کو خواب میں دیکھا تو بس صبح اُٹھ کر ایسا خط لکھ دیا ورنہ میرے ماموں جان تو کبھی نہیں گھبراتے ———"

"جانے علاج بھی کر رہے ہیں کہ نہیں ——— اس قصبے میں تو کوئی ڈھنگ کا ڈاکٹر بھی نہیں ہے۔"

"خواہ مخواہ ماموں جان شہر چھوڑ کر وہاں جا بسے ....."

"تم کیا جانوں ان کی پریشانیاں - میرا بھیا کیسی کٹھنائیاں جھیل رہا ہے ——— اس پر کیا گزر رہی یہ سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا ——— میں بھی نہیں ———" اور وہ پھر خیالات میں کھو گئیں۔

"ہاں تو پھر آپ کس دن جا رہی ہیں ماموں جان کے پاس"، ہم نے پوچھا۔

"جاؤں گی ——— ضرور جاؤں گی ——— . پنے بھیا کے پاس گئے سال بھر سے زیادہ ہو گیا - ملے چھ مہینے ہو گئے ——— اور پھر اس وقت جب وہ آئے تھے تو مجھے ہوش ہی کہاں تھا ——— کون آیا کون گیا ———"

پھر بیٹی کے سرخ چہرے، کانپتے ہونٹوں اور جھپکتی آنکھوں پر نظر پڑی تو بات بدلی - "اسکول سے چھٹی مل جائے گی کیا؟ اب تو بلا تنخواہ کی چھٹی بھی مشکل ہی سے ملے گی ——— اس وقت اتنی چھٹیاں لی جا چکی ہیں۔"

"جانے اب آپ نوکری ہی کیوں کرتی ہیں ——— کتنی صحت گر گئی ہے - ہم دونوں کے کھانے کا سہارا تو یوں بھی ہے ——— اس گھر کا آدھا حصہ کرائے پر

اٹھادیں تو اسکول کی تنخواہ پھر تو اُسی سے پل جائے گا ——— اور ——— "
"نہیں ——— یہ حصّہ کرائے پر نہیں اُٹھے گا ———" خلاؤں میں گھورتے ہوئے انھوں نے کہا ——— ہما لرز اٹھی ——— سچ تو ہے یہ حصّہ تو امی نے بھائی جان اور ان کی دلھن کے لئے سجایا تھا ——— ہر پھر کر ہر بات کا تعلق اسی روح فرسا سانحہ سے قائم ہو جاتا ہے۔
"امی ——— میرا انٹرویو ہونے والا ہے ——— میں نوکر ہو گئی تب تو۔ تب تو ——— آپ نوکری چھوڑ دیں گی نا ——— "
"میری جان ——— اس کام ہی نے مجھے پاگل ہونے سے بچایا ——— کام ——— جو جینے کا سہارا ہے ——— مصیبت سہارنے کا ذریعہ ہے ——— کام جو عبادت ہے ——— ایسے چھوڑ دوں تو ——— تو زندہ کیسے رہوں!!"
ہما کے جانے کے بعد انھوں نے پھر بھیا کا خط کھولا پھر پڑھا۔
"بھیا حما کو بلانا چاہتے ہیں۔ جانے وہ کس حال میں ہے ——— کسی سے سُنا تھا حال ہی میں مقصود بھائی کی پوسٹنگ کشمیر ہو گئی ہے ——— مگر پتہ؟ جمیلہ کو پتہ معلوم ہو گا ——— آج ہی اس کو خط لکھتی ہوں شاید چلی آئے ——— مگر ——— مقصود بھائی آنے دیں گے؟ بھیا نے کس حسرت سے لکھا ہے ——— بھیا کیا تمہاری اتنی سی آرزو تمہاری بہن پوری نہ کر سکے گی ——— نہیں ——— نہیں بھیا ——— تمہاری بہنیں ضرور تمہارے پاس آئیں گی ——— ضرور ——— "
اُف یہ آنسو ——— کسی وقت بھی تو پیچھا نہیں چھوڑتے!
اٹھی ——— غسل خانے میں جا کر ٹھنڈے پانی سے مُنھ دھویا، سر پر ڈالا ——— تولیہ سے منھ پونچھ کر پھر کمرے میں آ گئی۔ ایک کونے میں اس کا چھوٹا اٹیچی کیس رکھا تھا اس کو گھسیٹا اور تالا کھول کر قلم کاغذ لفافہ نکالنے لگی۔

سب سے اوپر اس کی پسند کی نعتوں، نظموں اور شعروں کی کاپی تھی ——
اس کے نیچے کچھ ایرلیٹر، تین چار پوسٹ کارڈ، پانچ چھ پرانے خط، کچھ روپے
اور ایک کارڈ سائز کی تصویر۔

اس کی نظریں دیوار پر لگی قدِ آدم رنگین تصویر کی طرف اٹھ گئیں۔ پچیس چھبیس
برس کا خوبصورت، تندرست نوجوان بڑی دلکش ادا سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا،
مسکرا رہا تھا —— مقابل کی دیوار کو گردن موڑ کر دیکھا وہاں بھی اتنی ہی بڑی
تصویر لگی تھی۔ وہی صورت، وہی مسکراہٹ —— عمر کا فرق ضرور تھا ——
پینتیس برس کا فرق!

اس کی نظریں کبھی ایک تصویر کی بلائیں لیتیں، کبھی دوسری پر قربان
ہوتی رہیں۔

اور پھر ہاتھ میں پکڑی چھوٹی تصویر پر جا کر نگاہیں ٹک گئیں! گول گول
چہرہ، کالی کالی آنسو بھری آنکھیں، بکھرے بکھرے جھنڈولے بال اور کمان کے
سے خمدار بھرے بھرے ہونٹ —— ننھا سا روٹھا سا کیوپڈ!

اس نے تصویر کو کلیجے سے لگا لیا۔

اور پھر زمان و مکاں کی ساری قیدیں بندھن توڑ کر آزاد ہو گئیں۔

روتے روتے اب وہ تھک چکی تھی۔

اماں کی بے قراری، بابا کا ضبط جو بے قراری سے زیادہ دل تڑپانے والا تھا،
سہیلیوں کی گریہ وزاری اور بھیا کا آنسو بھری آنکھوں اور مسکراتے لبوں کے ساتھ بار
بار آکر اس کو چھیڑنا "کیسی روتی بسورتی دلھن ہے —— توبہ توبہ —— لوگ
کیا کہیں گے —— یہ پھولی ناک، سوجی آنکھیں —— عنابی رنگ۔"

وہ تیکھی چتون سے انھیں دیکھ کر سر جھکا لیتی آنسو اور زیادہ تیزی سے برسنے لگتے وہ زور سے ہنستے "ایک تو بہو خوبصورت تھی ـــــ سو کر ـــــ وہ مطلب یہ کہ ـ روکر اٹھی تو اور حسین وجمیل ہو گئی ـــــ بھئی واہ ـــــ" اس ہنسی کے پیچھے گہرا درد جدائی چھپا ہے یہ صرف وہ جانتی تھی!

اور پھر رواج کے خلاف، دولھا کی گود کے بجائے ـــــ کہ اتنی باوقار شخصیت بھلا دلھن کو گود میں اٹھاتی ـــــ وہ بھیا کے سہارے، پھولوں سے سجی موٹر کی طرف دھیرے دھیرے چلی ـــــ اور اچانک مصلحت ضبط و شرم کے بندھن توڑ کر وہ ان سے لپٹ گئی۔

"بھیا ـــــ میں ـــــ میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی ـــــ بھیا ـــــ"

اور اس نے محسوس کیا کہ بھیا کا سارا جسم ہچکیوں سے کانپ رہا ہے اور انھوں نے زور سے اُسے اپنے سینے سے لپٹا لیا ـــــ بڑی بوڑھیوں نے دانتوں تلے انگلی دبائی ـــــ "توبہ کیسی بے شرم ہے! سبھی لڑکیاں سسرال جاتی ہیں ـــــ تم انوکھی جارہی ہو کیا ـــــ" اماں نے سسک کر کہا "بہن یہ دونوں بھائی بہن ایک دوسرے کی جان ہیں ـــــ"

اور اس وقت کسی کا بھاری، گرم ہاتھ اسے اپنی پیٹھ پہ محسوس ہوا ـــــ جانے کیا جادو تھا اس ہاتھ میں ـــــ اعتماد اور محبت کی بجلی کی سی رو اس کی رگ رگ میں دوڑ گئی ـــــ سسکیاں آپ ہی آپ تھم گئیں!!

بھیا نے موٹر میں بٹھا کر اس کے بھیگے گالوں پر بوسہ دیا ـــــ "اب نہ رونا بھنّو ـــــ ورنہ میں خفا ہو جاؤں گا ـــــ" اور پھر بہنوئی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"منصور بھائی صاحب ـــــ ہم نے اپنی بہن کو لاڈ پیار میں بگاڑ دیا ہے۔

بڑی جذباتی لڑکی ہے ـــــ بھائی صاحب اس آبگینہ کو ٹھیس نہ لگے ـــــ،،
ان کی آواز ٹوٹ گئی ـــــ اور وہ شاید بے ہوش ہوگئی ـــــ جب جو اس درست
ہوئے تو موٹر تیزی سے چلی جارہی تھی اور منصور اس کا چہرہ گیلے رومال سے پونچھ
رہے تھے ـــــ گھبرا کر اس نے آنکھیں کھولیں اور پھر اس سے زیادہ گھبرا کر بند
کرلیں اور ڈوپٹہ کا آنچل منھ پر کھینچ لیا۔
وہ اپنے گھر میں آئی تو دولھن کا سواگت کرنے کے لئے نہ ساس تھیں نہ نندیں
نہ دیورانی جٹھانیاں نہ کم سن بھانجے بھانجیاں، بھتیجے بھتیجیاں۔ ان کے ماں باپ
اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اور باقی سب لوگ اس شادی سے خفا تھے۔ ہاں ان کے
دوستوں کی بیویاں اور بہنیں ضرور موجود تھیں۔ دو مامائیں بھی تھیں۔ تین چار گھنٹے ان سب
نے گھر میں کچھ شادی کی سی فضا پیدا کی۔ محبت سے اس کو ناشتہ کرایا، کپڑے بدلوائے
اس کا کمرہ دکھایا ـــــ اور بھابی بھابی کرکے اس سے باتیں کرنے کی کوشش کرتی رہیں
اور آپس میں جانے کیا کیا کہہ کر مذاق اڑاتی رہیں۔ ایک حسین بھرپور جوان خاتون
جن کا لمبا چوڑا ڈیل اور وقار کچھ زیادہ ہی اسے سہما رہا تھا سب سے زیادہ
ہنس رہی تھیں۔ اس کی خاموشی اور حیا پر بھی انہیں اعتراض تھا۔
"اوئی اس قدر شرما کاہے کو رہی ہو بھابی ـــــ کون تمہاری ساس
نندیں ہیں ـــــ اور پھر دو ہاجو کی جورو کو شرم کی ضرورت بھی کیا ہے"
گھبرا کر اس نے ان کی طرف دیکھا اور پھر ناگواری سے سر جھکا لیا ـــــ ان
کے لہجے اور آنکھوں میں عجیب طنز تھا ـــــ اور ان کی مسکراہٹ بڑی دلکش۔
مگر کتنی زہریلی تھی!
اس کا دل اور زیادہ بوجھل ہوگیا۔
اور پھر رات آگئی ـــــ سہاگ رات!

سب خواتین اُسے کھلا پلا کر اپنے گھر جا چکی تھیں۔ ملازمہ باورچی خانے میں کام کر رہی تھی اور اس کی نوجوان لڑکی نے اس کو بھاری جوڑا پہنا کر، کنگھی چوٹی کر کے سہاگ رات کے لئے تیار کر دیا تھا ——— وہ یہ جوڑا نہ پہننا چاہتی تھی ——— یہ سنگار بناؤ اسے کھل رہا تھا ——— مگر نئی نویلی دولھن ——— کیا کہے ——— کیا کرے۔

چند گھنٹے پہلے جب وہ خواتین میں گھری بیٹھی تھی اس کے شوہر نے آکر ان خوبصورت خاتون سے کہا تھا۔ "بھابی صاحبہ ——— میں ذرا دو تین گھنٹے کے لئے کسی کام سے باہر جا رہا ہوں ——— آپ۔ ——— آپ ان کا خیال رکھیئے گا۔"

"ہاں ہاں جاؤ ——— خیال کا کیا ہے ——— کوئی بچی تو ہیں نہیں ———"

دوسری عورتیں، اُسے دلاسا دے کر چلی گئیں مگر وہ بچاری ایک گھنٹے پہلے تک اس کے پاس تھیں مگر بے چین اور بے زار ——— "وہ آ گئے ہوں گے ——— میرے بنا کھانا نہیں کھاتے ——— بچے پریشان کر رہے ہوں گے ———" آخر اس نے بہت آہستہ مگر مضبوط لہجے میں ان سے کہا۔ "بھابی صاحبہ آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ واقعی آپ کے ہاں سب انتظار کر رہے ہوں گے ——— آپ ———"

ان کا چہرہ کھل اٹھا ——— اس نے سوچا کتنی خوبصورت عورت ہے ان کے میاں بہت چاہتے ہوں گے ان کو۔

"منصور صاحب نے کہا تھا کہ تم اکیلی ہو ———"

وہ ذرا سا مسکرائی ——— "میں کیا بچی ہوں جو ڈر جاؤں گی! اور پھر یہ دونوں جو ہیں ———"

اُسے محسوس ہوا جیسے اس ذمہ داری کے بوجھ تلے وہ دبی جا رہی تھیں اب ہلکی ہو گئی ہیں ——— ہنستی ہوئی وہ اٹھیں۔

"اچھا — بہن — خدا حافظ — میں کل پھر آؤں گی —
گھبرانا نہیں — منصور صاحب بہت اچھے آدمی ہیں — عمر خاصی
زیادہ ہے مگر خیر — ویسے بہت شریف ہیں — اور ہاں —" پھر
وہ جیسے کچھ کہتے کہتے رک گئیں — "خدا حافظ —"

نورن اُسے سونے کے کمرے میں لے آئی — تین طرف کتابوں کی الماریاں
لگی ہوئی تھیں — ایک طرف دو بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن کے سامنے ایک
لکھنے کی خوبصورت میز پر کچھ کاغذ لفافے ، ایک دوات اور قلمدان رکھا ہوا تھا۔
بیچ میں دو پلنگ برابر برابر بچھے تھے — ایک پر اس کے جہیز کا خوبصورت
ریشمی بستر بچھا تھا اور دوسرے پر پرانا سا لحاف اور توشک پر میلی سی چادر...
اس نے گھونگھٹ ہٹا دیا تھا — یہ رواجی شرم اسے کبھی بھی پسند نہ تھی۔
اور یہاں تو ہے ہی کون — ؟

اور اب وہ اس بڑے سے گھر — اپنے گھر — کے کمرے میں
تنہا کھڑی تھی !

منصور صاحب بڑی عمر کے ہیں — مگر شریف آدمی ہیں — ایک
شادی پہلے ہو چکی ہے — دس برس شادی شدہ زندگی گزار چکے ہیں —
بیوی سے محبت بھی ضرور ہوگی — پھر — وہ اُسے کیا دے سکیں گے ؟
یہ گھر — یہ سامان — اپنی تنخواہ اور بس !! محبت ؟ ناممکن !
مگر دوستی ، رفاقت — اعتماد — اور بھروسہ مل سکتا ہے !
پر — کون جانے ملے گا کہ نہیں !! ان کا ایک بچہ بھی تو ہے — جانے
اس کی وجہ سے کیا کیا سہارنا پڑے گا — ؟ پھر — کیا وہ اسے ماں کی
محبت دے سکے گی ؟ مامتا — مامتا کوئی تحفہ تو نہیں جو کسی کو خرید کر دیا

جا سکے ــــ یہ تو اندر سے اپجنے والی کوئی چیز ہے ــــ خالہ امی کہا کرتی تھیں ــــ محبت ہر کسی سے کی جا سکتی ہے ــــ مگر ممتا ماتا تو بس ــــ بس اپنی ہی اولاد کی ہوتی ہے ــــ بیٹی ــــ یہ ایسی جان لیوا چیز ہے کہ ماں بچے کے لئے اپنی جان بھی خوشی سے قربان کر دیتی ہے ــــ تو ــــ ممتا ــــ فطرت ــــ ماں بننے کے بعد ہی ــــ عورت کو بخشتی ہے۔ مصنوعی یا زبردستی کی محبت، مصلحت کے تقاضے؟ ــــ کس طرح وہ ان کو پورا کرے گی؟ ــــ ان کی مخالفین ــــ پھر یہ سسرال والے ــــ اور منصور کی پہلی سسرال کے لوگ ــــ اور خود منصور ــــ "

اس نے اپنا سر کھڑکی کی چوکھٹ پر ٹیک دیا ــــ باہر گہرے نیلے آسمان پر تارے چھٹکے ہوئے تھے اور چوتھی تاریخ کا چاند ان کے درمیان سہما سا معلوم ہو رہا تھا ــــ اس کے دل کی بے چینی ایک دم غائب ہو گئی۔ تاروں بھری رات اور چاند کا نظارہ ہمیشہ اس کے دل کو سکون و مسرت سے بھر دیا کرتا تھا۔

جانے کتنا وقت گزر گیا ــــ چاند آسمان کے مغربی کنارے پر زیادہ زرد زیادہ غمگین نظر آ رہا تھا اور تارے اور زیادہ شوخی سے اسے آنکھیں مار رہے تھے ــــ کہ .....

بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی ــــ قریب ــــ اور قریب ــــ اس کے دل کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی مگر نہ وہ کھڑکی سے ہٹی، نہ پلنگ پر آ کر بیٹھی، نہ چہرے پر گھونگھٹ کھینچا، نہ ہاتھوں سے منہ چھپایا، اسی طرح دروازے کی طرف پیٹھ کئے کھڑکی کے سامنے ساکت کھڑی رہی۔ "بھابی" کا جملہ کانوں میں برابر گونجے جا رہا تھا "ہنھ دو ہاجو کی جورو شرم

نا کرے ہے ——"

وہ کمرے میں آئے —— ذرا ٹھٹکے —— اُسے لگا وہ کوئی بھاری چیز اٹھائے ہیں —— اچھا تو —— وہ اس کے لئے کوئی تحفہ لینے گئے تھے۔ کتابیں لائے ہوں گے —— انھیں کسی نے بتایا ہوگا کہ اُسے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔

"زہرا ——" دھیمی شیریں آواز! وہ اُسی طرح کھڑی رہی —— انھوں نے ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا سرد مضبوط ہاتھ —— اس نے گردن موڑی، جھکی نظروں ہی سے اُسے یہ نظر آگیا کہ ان کے کاندھے سے ایک بچہ لگا ہوا ہے۔

بے ارادہ بے اختیار وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی —— انھوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور چہرے پر تکلیف کا ایک ناقابلِ بیان احساس ابھرا —— چند لمحے کسی سوچ میں کھڑے رہے اور پھر دو ڈھائی سال کے بچے کو اسی کی طرف بڑھایا۔

"زہرا —— میرے پاس تمہارے شایانِ شان کوئی تحفہ نہ تھا —— ہاں یہ میری زندگی کا سرمایہ ہے جو میں تمہیں نذر کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میری محبت اور اعتماد کا یہ نذرانہ قبول کروگی؟" ان کے لہجے میں درد تھا، گہرائی تھی، اعتماد تھا۔ اس نے اپنی لمبی گھنی پلکیں اٹھائیں —— ان کی سیاہ، گمبھیر آنکھوں میں یقین اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت تھی —— نگاہیں ملیں اور وہ ان آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوبتی چلی گئیں۔ چند لمحے کہ چند سال —— وقت تھم گیا —— وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈوبے ایک دوسرے کو پڑھتے رہے، پرکھتے رہے —— پاتے رہے۔

بچہ زور سے رویا اور نظروں کا طلسم ٹوٹ گیا —— بچے نے کالی کالی آنسو

نا کرے ہے ——"

وہ کمرے میں آئے —— زرا ٹھٹکے —— اُسے لگا وہ کوئی بھاری چیز اٹھائے ہیں —— اچھا تو —— وہ اس کے لئے کوئی تحفہ لینے گئے تھے۔ کتابیں لائے ہوں گے —— انھیں کسی نے بتایا ہوگا کہ اُسے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔

"زہرا —— " دھیمی شیریں آواز! وہ اُسی طرح کھڑی رہی —— انھوں نے ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا سرد مضبوط ہاتھ —— اس نے گردن موڑی، جھکی نظروں ہی سے اُسے یہ نظر آ گیا کہ ان کے کاندھے سے ایک بچہ لگا ہوا ہے۔

بے ارادہ بے اختیار وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی —— انھوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور چہرے پر تکلیف کا ایک ناقابلِ بیان احساس ابھرا —— چند لمحے کسی سوچ میں کھڑے رہے اور پھر دو ڈھائی سال کے بچے کو اسی کی طرف بڑھایا۔

"زہرا —— میرے پاس تمہارے شایانِ شان کوئی تحفہ نہ تھا —— ہاں یہ میری زندگی کا سرمایہ ہے جو میں تمہیں نذر کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میری محبت اور اعتماد کا یہ نذرانہ قبول کرو گی؟" ان کے لہجے میں درد تھا، گہرائی تھی، اعتماد تھا۔ اس نے اپنی لمبی گھنی پلکیں اٹھائیں —— ان کی سیاہ، گمبھیر آنکھوں میں یقین اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت تھی —— نگاہیں ملیں اور وہ ان آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوبتی چلی گئیں۔ چند لمحے کہ چند سال —— وقت تھم گیا —— وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈوبے ایک دوسرے کو پڑھتے رہے، پرکھتے رہے —— پاتے رہے۔

بچہ زور سے رویا اور نظروں کا طلسم ٹوٹ گیا —— بچے نے کالی کالی آنسو

بھری آنکھوں، اجنبی اجنبی نظروں سے اُسے گھورا ——— اور عجیب انداز سے ہونٹ بسور کر باپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تمہاری امی ہیں بیٹے"، باپ نے مسکرا کر بچے سے کہا۔ بچے نے باپ کو دیکھا، اُسے دیکھا، پھر باپ کو دیکھا جو بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان نظروں میں پہلی رات کے دولھا کی محبت کی بجلیاں، ہوس کے شرارے اور اشتیاق کی چنگاریاں نہ تھیں ——— ایک سوال تھا، آرزو تھی، امید تھی ——— التجا تھی!

بچّے نے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھائے "آپ آدئیں امی دان"، دوسرے لمحے بچہ اس کے کنوارے پھڑکتے سینے سے لپٹا اس کے منھ پر بوسوں کی بارش کر رہا تھا۔ کئی موٹے موٹے آنسو اس کے گالوں پر لڑھک آئے۔

میاں کے چہرے پر اس وقت مسرت کی جو کیفیت، ہونٹوں پر جو دلکش مسکراہٹ تھی وہ ہمیشہ کے لئے اس کی لوحِ دل پر نقش ہوگئی۔

انھوں نے اس کا مہندی لگا، گھونگھروں کے چھلوں اور انگوٹھیوں سے بھرا پتلا نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور پہلے بھیگی آنکھوں سے لگا کر پھر اپنے ہونٹ اس پر رکھ دیئے ——— ایک ہاتھ سے وہ بچے کو تھامے تھی، دوسرا ان کے قبضے میں تھا ——— شرم سے وہ ساری جان سے لرز رہی تھی ——— چہرہ تمتا رہا تھا ——— مگر منھ کیسے چھپائے ——— اور پھر ——— "دولہا جو کی جورو شرم کرے ہی کیوں"، اس نے آہستہ سے کہا۔ "بچہ سوگیا ہے"، تو وہ چونکے اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

اس نے اپنے سجے سجائے پلنگ پر بلال کو لٹا دیا۔

بلال کی کالی آنکھوں میں خوشی اور آنسو بیک وقت چھلک رہے تھے اور

جھنڈو لے بال آدھے چاند جیسی پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے ــــــ اس نے بال ہٹا کر اپنے ہونٹ اس چاند پر رکھ دیئے اور اس وقت سینے کے اندر ایک عجیب سی شیریں، کسک ہوئی ــــــ ایک ایسا احساس جس سے وہ آج تک واقف نہ تھی۔ عین اس وقت منصور نے جھک کر پہلے بچے اور پھر بیوی کا بوسہ لے لیا۔

وہ باتیں کرنے لگے ــــــ اس زندگی کی باتیں جس میں زہرا شریک نہ تھی ــــــ جس سے واقف نہ تھی!

ان کی پہلی بیوی خوبصورت تھی، رئیس گھرانے کی تھی۔ میاں کا خیال بھی رکھتی تھی ــــــ شاید محبت بھی کرتی ہو۔ مگر ان پڑھ، قدامت پرست اور تیز مزاج تھی۔ انھیں اس سے وہ رفاقت وہ یگانگت، وہ گہری پر خلوص دوستی نہ مل سکی جو ان کے دل کی تمنا، روح کی پیاس تھی۔ انھوں نے اپنے حد بھر اُسے خوش رکھنے کی کوشش کی، اپنی طرف سے شکایت کا موقع نہ دیا اور بدمزاجی کو صبر سے جھیلا ــــــ مگر شاید اس کو بھی وہ رفاقت اور گہری محبت نہ ملی جو اس کا حق تھی ــــــ اولاد نہ ہونے سے مزاج اور بھی چڑچڑا ہو گیا۔ اور پھر آخر اُس کی یہ آرزو بر آئی ــــــ اور اس وقت انھوں نے یہ خیالی قلعہ بنائے کہ بچہ ان دونوں کی آرزوؤں کا مرکز بن کر ان میں دوستی، قربت اور محبت بن جائے گا ــــــ مگر بچہ ہونے کے بعد سے بیوی کی صحت گرتی گئی چھ مہینے وہ پلنگ پر پڑی رہیں اور میاں تیمارداری اور دوا علاج کرتے رہے۔ مگر ہر علاج ناکام ہوا اور وہ غریب چل بسیں ــــــ ننھا سا بچہ بے ماں کا رہ گیا۔ خالہ نانی اسے اپنے پاس لے گئیں ــــــ وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ وہ

شادی کرے اور بچہ ان سے لے لے ـــــ مگر اس خاندان کا ماحول اُسے پسند نہیں تھا ـــــ اس نے شادی کا خیال تو اس بچے ہی کی خاطر کیا تھا ـــــ مگر ـــــ مگر وہ یہ نہ جانتا تھا کہ اس کی تقدیر یوں یاوری کرے گی ـــــ ایسا خاندان اسے اپنائے گا اور زہرا جیسی رفیقِ حیات اسے مل سکے گی ـــــ

"میرے بچّے کو ماں ہی نہیں ملی ـــــ مجھے بھی وہ دوست، وہ ساتھی مل گیا جس کو چالیس برس سے میری روح پکار رہی تھی ـــــ"

جانے کب وہ اس گفتگو میں شریک ہو گئی ـــــ وہ باتیں کرتے رہے۔ بچے کے مستقبل کی باتیں، اس کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں گفتگو، اپنی مشترک زندگی کی باتیں ـــــ وہ سنہرے خواب جو دونوں منگنی کے بعد سے دیکھ رہے تھے ـــــ وہ ان کو اپنی دلچسپیوں کے بارے میں بتاتی رہی ـــــ بھیا اور حمرا اور ربابا اور اماں کی باتیں سناتی رہی ـــــ اور ان کے ساتھ مل کر آئندہ زندگی کے منصوبے بناتی رہی ....

اور اس کا اُسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ پہلی رات ایک اجنبی سے یہ سب کہہ رہی ہے۔

پڑوس کی مسجد سے موذن کی پرسوز باوقار آواز بلند ہوئی تو وہ دونوں چونک پڑے ـــــ ارے رات بیت گئی! بچّہ بیچ میں آرام سے سو رہا تھا اور ان دونوں نے اس کے ادھر اور اُدھر نیم دراز ـــــ ہاتھ میں ہاتھ دیئے۔ یہ یادگار رات بتادی تھی ـــــ کتنی انوکھی رات تھی یہ۔

صبح صادق کی روشنی ان دونوں کے چہروں کو نکھار رہی تھی۔ زہرا کے دل کا ہر اندیشہ دور ہو چکا تھا ـــــ ایسی ہی نکھری نتھری روشن صبح اس کے دل میں بھی طلوع ہو چکی تھی!

"امی خط لکھ رہا ماموں جان کو" ہما کی آواز نے ماضی کا طلسم توڑ دیا اب وہ پھر حال کی پتھریلی بنجر وادی میں تھی۔

اس نے بلال کی تصویر جیب کے سے کاغذوں کے نیچے کھسکا دی ——— پلّو سے آنکھیں رگڑیں ——— آواز سنبھالی۔

"ہاں ابھی لکھتی ہوں ———" ہما نے دیکھ لیا تھا کہ امی بھائی جان کی تصویر لئے بیٹھی تھیں ——— دل نہ سنبھلا چپکے سے کمرے سے نکل گئی۔

زہرا نے قلم اٹھایا۔

حمرا میری پیاری۔ بہت سی دعائیں

بہت دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ خدا کرے، تم اور مقصود بھائی خیریت سے ہوں۔

کیا بات ہے بہن ——— یوں کیوں بھلا دیا اپنی باجی کو۔ یہ قیامت گزر گئی ——— تم نے آنا تو بڑی بات خط تک نہ لکھا۔

حمرا ——— آج بھیّا کا خط آیا ہے ——— ان کی طبعیت نصیب دشمناں کچھ زیادہ خراب ہے۔ تم سے اور مجھ سے ملنے کو بے چین ہیں۔

ہائے حمرا انھوں نے لکھا ہے کہ تم دونوں آ جاؤ تو بیتی زندگی کی خوشی کی چند گھڑیاں ماضی سے چرا کر پھر بتالی جائیں۔ میں اللہ پر

صدقے —— جانے کیوں وہ اتنے پریشان ہیں۔ اس سنیچر کو میرا یہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ ہے —— ہاں یہ تو میں نے بتایا ہی نہیں کہ بھیا۔ سال بھر سے وطن میں رہ رہے ہیں۔ بھابی اور بچے بھی وہیں ہیں۔

میں دلی سے دوسری گاڑی پکڑوں گی —— کاش تم اس وقت مجھے دلی کے اسٹیشن پر مل جاؤ —— مگر اتنی جلدی کیسے آؤ گی؟ بہر حال آنا ضرور —— مقصود بھائی اجازت نہ دیں تو کوئی بہانہ بنا دینا —— کہنا میں زہرا سے نہیں ملی۔ وہ مر رہی ہے (اب زندگی سچ مچ موت بدتر ہے بہن) پھر وہ نہ روکیں گے۔

میں اور بھیا بے قراری سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمی ڈیر

تمہاری بدنصیب باجی

دوسرا خط بھائی کو لکھنے بیٹھی مگر کتنے کاغذ لکھ لکھ کر پھاڑ ڈالے بھیا کو ایسی جذباتی باتیں —— نہ لکھنی چاہیئے جس کا ان پر اثر پڑے —— مگر کیا کرے —— قلم ہاتھ میں لیتے ہی جانے کیا کیا لکھ ڈالتی۔

اب کے کارڈ اٹھایا —— زیادہ لکھنے کی گنجائش ہی نہ ہو!

میری جان میرے بھیا

بہت سے پیار

تمہارا خط کیا ملا سو کھے دھانوں پانی پڑا۔ میں انشاء اللہ ہفتے کو یہاں سے روانہ ہو کر اتوار کی صبح کو اپنے بھیا کے گلے

سے لپٹی ہوں گی۔ خدا کرے تمہارا جی اچھا ہو۔ میں سخت جان
زندہ ہوں۔ ہما اچھی ہے بہت بہت آداب و پیار کہہ رہی ہے۔
میرے بچوں کو پیار۔ بھابی کو آداب۔ ہزاروں باتیں
بروقتِ ملاقات۔

تمہاری جاں نثار

زہراؔ

"ہما ——— ہما ———"

"جی امی ——— آئی ———"

"بھیا کے نام کا خط تو ابھی ڈلوا دو اور حمرا کا خط روک لو حشمو سے کہو جمیلہ خالہ کے ہاں سے مقصود بھائی کا پتہ لے آئے۔

"تو آپ کب جا رہی ہیں؟"

"ہفتے کو روانہ ہو جاؤں گی"

"جی تو میرا بھی امی بہت چاہتا ہے جانے کو ——— مگر انٹرویو لیٹر کا انتظار ہے ——— جانے کس دن آ جائے ———"

"ہاں بی بی ——— تم چل سکتیں تو بہت اچھا تھا ——— بھیا خوش ہو جاتے کتنا چاہتے ہیں وہ تمہیں ——— اور پھر اب اکیلے سفر کرنے کی ہمت کبھی نہیں پڑتی ——— بڑھاپا ہے نا ———" آخری بات جیسے ہما کی تسلی کے لئے کہی تھی۔

"ہائے اللہ امی جی ——— آپ کیسی باتیں کرتی ہیں ——— آج کل تو آپ کی عمر کی عورتوں کا پہلا بیاہ ہوتا ہے ——— اور آپ جب دیکھو اپنے کو بڑھیا بڑھیا کہتی ہیں ——— سچ امی کالج میں بہت سے لوگ

تجھ سے آپ کے بارے میں پوچھتے ہیں یہ تمہاری بہن ہیں ؟ وہ ہم دونوں کو بہنیں سمجھتے ہیں ــــ بڑی ہیں ــــ چھوٹی آپ ــــ" اس نے ہنس کر کہا ــــ وہ ماں کی توجہ بٹانا چاہتی تھی ۔

ماں کا لہجہ گمبھیر تھا ۔ " اوئی ــــ بیالیس سال کی عمر بڑھاپا نہیں تو اور کیا ہے ؟ ــــ اور پھر بیٹی عمر سالوں سے نہیں ناپی جاتی ــــ پانچ برس پہلے تک میں کبھی اپنے کو جوان محسوس کرتی تھی ــــ مگر ان پانچ برسوں میں جو کچھ دیکھا اور سہا ــــ لگتا ہے سو برس بیت گئے اس دکھ بھری دنیا میں ــ اب تو سچ مچ جینے کو جی نہیں چاہتا ــــ "

ہما تڑپی " اماں ــــ امی ــــ جی ــــ "

" تیرے اور بھیا ہی کی خاطر تو زندہ ہوں ــــ مگر ــــ "

پھر ایک دم انھوں نے موضوع بدلا ــــ " تم اکیلی کیسے رہو گی ...؟ "

" ارے امی اکیلی کیا ــــ رات کو ماسی کے پاس جا کر سو رہوں گی ۔ دن میں ننّانی اور حشمت خاں تو ہیں ہی ــــ فکر کی کیا بات ہے ۔ "

" ہاں میں سرسوتی سے کہدوں گی تیرا خیال رکھیں ــــ "

" میرا خیال ــــ ؟ مجھے کیا ہوا ہے امی ــــ "

" تیرے دشمنوں کو کچھ ہو ــــ میری زندگی کا سرمایہ تو اب بس صرف تو ہے " ماں کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی تھی ۔

" کاش ــــ کاش میں بھیا پر قربان ہو گئی ہوتی ــــ وہ آپ کے پاس رہتے ــــ میں ان کی بلائے کر ــــ "

اس نے ماں کے گھٹنے پر سر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی آج صبح سے یہ لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا ــــ ماں

نے ہما کو کھینچ کر کلیجے سے لگا لیا اور خاموشی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی اور سوچتی رہیں۔ "جب میرا یہ حال ہے تو ــــ اس کا تو خون تھا ــــ"

۳

کب سورج نصف النہار پر آیا، کب ڈھلا، کب سفیدے اور ولیو دار کے سائے اس کے قدموں میں آکر لوٹنے لگے، جھیل کے ساکن پانی میں کب تموّج پیدا ہوا، کتنے شکارے سامنے سے گزر گئے، کتنے سیّاح اس کی طرف حیرت یا تمسخر یا ہمدردی کی نظر سے دیکھ کر، اس کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے گزر گئے — کب چہل پہل، گہما گہمی مدھم پڑ گئی — سورج کب سے دھیرے دھیرے جھیل میں منھ چھپانے کے لئے بڑھ رہا ہے... شفق نے جھیل کے نیلے دودھیا پانی کو کب رنگوں میں ڈبو دیا — خود اس کے پیر پانی میں ڈوبے ڈوبے کب سے سُن پتھر ہو چکے ہیں — وہ ان سب باتوں سے بے خبر تھی۔

لفافہ ہاتھ سے گود میں گر پڑا تھا۔ گھنے سیدھے لمبے، الجھے بالوں کی ڈھیلی ڈھیلی چوٹی کمر سے سامنے آن پڑی تھی اور ماتھے پر جھولتی لٹوں نے، جن میں ایک سفید لٹ دن اور رات کا منظر پیش کر رہی تھی، اس کے آدھے چہرے کو ڈھک لیا تھا۔ نیم وا غلافی آنکھیں جھیل کے پانی کی سطح پر جمی ہوئی

تھیں اور سیاہ خم دار پلکوں کا سایہ زیتونی گالوں پر کانپ رہا تھا جانے کتنی موتیوں کی مالائیں آنکھوں نے پروئیں جن کے دانے ٹھوڑی تک پہنچ کر ٹوٹتے اور اس کے دامن میں کھوتے رہے۔

وہ ہر بات سے بے نیاز، بے خبر اپنے الھڑ بچپن، دلکش لڑکپن، اور غم ناک جوانی کے تصورات میں کھوئی ماضی کو حال بناتی رہی۔

جھیل کے ساکن پانی میں بیتی زندگی کی تصویریں ابھرتی اور مٹتی....... مٹتی اور ابھرتی رہیں....

"حمرا ـــــ حمرا بیٹی ـــــ" کہیں دور سے امی کی کمزور آواز سنائی دی ـــــ

"آئی امی جان ـــــ" وہ دوڑتی ہوئی اس چھوٹی سی صحنچی میں گھس گئی جہاں امی لیٹی ہیں۔

"میرے سر میں بڑا درد ہو رہا ہے ہمّی زرا ـــــ دبا دے نا"

اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے ماں کا سر دبانا شروع کیا۔ جانے یہ ہاتھ سر دباتے کیوں اتنی جلدی تھک جاتے تھے۔

"امی جان ـــــ آپ کے سر میں روز درد ہوتا ہے ـــــ کیوں ہوتا ہے؟" وہ چپ چاپ اُسے دیکھتی رہیں۔

"امی ہمارے ابا کہاں ہیں؟" جانے کب سے یہ سوال اسی کے ذہن پک رہا تھا۔

"میری بچی کیا بتاؤں تجھے کہ تیرے ابا کہاں ہیں ـــــ" وہ دکھ بھرے

لہجے میں کہتی ہیں۔

"امی ــــ نانی ــــ بتائیے نا ــــ میں کیا بچی ہوں اب ــــ اتنی تو لمبی ہو گئی ہوں ــــ" وہ اٹھلا کر کہتی ہے اور ماں کے چہرے پر جھک جاتی ہے۔

"کہاں ہیں میرے ابو ــــ یہاں کیوں نہیں آتے ــــ ہم ان کے پاس کیوں نہیں رہتے؟" وہ سوال پر سوال کئے جا رہی ہے اور ماں روئے جا رہی ہے۔

"روئیے نہیں امی پیاری" اور وہ خود رو پڑتی ہے ــــ ماں کھینچ کر اُسے گلے سے لگا لیتی ہیں اور بھرائی آواز میں کہتی ہے ــــ "ٹھیک تو ہے اب تو خیر سے بڑی ہو رہی ہے ــــ اب سب باتیں تجھے معلوم ہونی چاہئیں۔"

وہ دیوار پر ٹنگی ایک بڑی سی پرانی تصویر کو دیکھنے لگتی ہیں!

عمدہ سا سوٹ پہنے ایک شاندار مرد کی تصویر۔

"یہ تمہارے ابا ہیں!"

"یہ تو وہ جانتی ہے .... یہ ابو کی تصویر ہے مگر وہ ہیں کہاں ــــ"

"وہ ولایت میں ــــ"

"وہاں کیوں ہیں امی ــــ؟"

"آج سے گیارہ برس پہلے وہ ولایت گئے تھے ــــ پڑھنے ــــ"

"آہا میرے ابا ولایت میں پڑھ رہے ہیں ــــ امی علی بھیا بھی تو ولایت جائیں گے ــــ مگر وہ کہتے ہیں بہت سا روپیہ چاہیئے ولایت جانے کے لئے ــــ کیا میرے ابا کے پاس بہت سا روپیہ ہے؟"

"جب وہ گئے تھے تو بہت سا روپیہ لے کر گئے تھے۔"

"میرے ابا بہت امیر ہیں ——؟"

"نہیں تیرے ابا تو غریب تھے —— غریب گھرانے کے —— مگر تیرے نانا کو وہ بہت پسند آ گئے —— اور انھوں نے ان سے میری قسمت پھوڑ دی ——" جانے وہ کیا سوچنے لگیں۔

"قسمت کیسے پھوڑتے ہیں امی۔" اس نے بھولے پن سے پوچھا تو ماں مسکرا پڑیں —— آنسوؤں میں ڈوبی مسکراہٹ —— مگر وہ اس کے ہر سوال کا جواب کب دیتی تھیں؟

"انھوں نے نکاح کے بعد تیرے ابا کو اپنے ہی پاس رکھ لیا —— اور ان کے بی۔ اے کرنے کے بعد رخصتی کر دی ——"

"رخصتی ——؟؟"

"ہاں میں اپنے گھر سے تیرے دادا کے گھر میں آ گئی —— چھوٹا سا کچا گھر۔ غریبی کی کٹھن زندگی، دیہات کی رہائش —— مگر میں سب جھیلتی رہی۔ ماتھے پر بل نہیں لائی —— تیرے ابا کی محبت میں مجھے ہر دکھ سکھ لگتا تھا —— مگر وہ مجھے اپنے ماں باپ کے پاس گاؤں میں چھوڑ کر خود شہر جا کر رہنے لگے۔ وکالت پڑھنے گئے —— میرے ابا جی ہر مہینے انھیں خرچ دیتے رہے اور مجھے بھی روپے بھیجتے کہ ان کی بیٹی تکلیف نہ اٹھائے —— مگر وہ سب روپے ——" وہ کہتے کہتے رکیں —— پھر آہستہ سے بولیں —— "وہ سب روپے یا تیری دادی چھین لیتیں یا خود تیرے ابا ہوتے تو مجھ سے لے لیتے —— دو سال میں انھوں نے وکالت کا امتحان پاس کر لیا —— میں بہت خوش تھی کہ اب میں ان کے ساتھ جا کر شہر میں رہوں گی —— مگر انھیں تو اور

ہی دھن سوار تھی ۔" وہ چپ ہوگئیں ـــــ حرا انتظار کرتی رہی کہ وہ آگے کی کہانی سنائیں جب دیر ہوگئی تو ڈرتے ڈرتے پھر اس نے پوچھا ـــــ

" ہاں امی ـــــ " وہ اس کا منھ دیکھنے لگیں " ہیں ـــــ کیا ـــــ ہاں ـــــ ہاں ہاں ـــــ تیرے ابا کو دھن لگ گئی کہ میں ولایت جا کر بیرسٹری کروں گا ـــــ ان کا اصرار تھا کہ میں اباجی سے دس ہزار روپیہ لا کر انھیں دوں ـــــ جب ولایت سے آ کر وہ بہت سا کمائیں گے تو میری اور میرے باپ کی پائی پائی چکا دیں گے ـــــ "

وہ محو ہو کر ماں کی باتیں سن رہی تھی مگر تجسس کی عادت کو کیا کرتی ۔

" پائی پائی کیسے چکتی ہے امی ـــــ ؟ "

" جیسے تیرے باپ نے چکائی ۔" امی کا لہجہ کتنا عجیب تھا ـــــ پھر وہ چپ ہوگئیں ۔

" تو نانا ابا نے انھیں دس ہزار روپے دیدیئے ؟ بہت سے ہوں گے ؟ "

" نہیں بیٹی ـــــ ان بچارے پاس اتنا روپیہ کہاں تھا ۔ ایک مکان تھا، کچھ زمین تھی ـــــ روپیہ تو سارا وہ پہلے ہی میری شادی اور ان کی تعلیم پر خرچ کر چکے تھے ـــــ مگر ـــــ "

" مگر کیا ؟ "

" مگر تیرے باپ کو یہ نظر نہ آیا ـــــ وہ چاہتے تھے اباجی زمین بیچ دیں، مکان گروی رکھ دیں ـــــ انھیں روپیہ چاہیئے ـــــ مگر اباجی کیوں بیچتے مکان ؟ کیوں اپنا بڑھاپا خراب کرتے ؟ اور ان کے انکار پر ـــــ ان کے انکار پر ـــــ جس جس طرح سے مجھے ستایا گیا ـــــ اف ـــــ خدایا ۔ نہیں نہیں ـــــ حرا ـــــ چلی جاؤ ـــــ چلی جاؤ یہاں سے وہ سب

مجھ سے نہ پوچھو ـــــ مت پوچھو ـــــ"

امی جان کے ہاتھ پیر اینٹھ گئے منھ سے جھاگ نکلنے لگا اور وہ چیختے چیختے بے ہوش ہوگئیں! ایسے دورے انھیں کبھی کبھی پڑتے رہتے تھے اور ان کے ساتھ روتے روتے وہ بھی نیم جان ہوجایا کرتی تھی۔

دن بھر وہ پریشان اور اداس رہی ـــــ کھیل میں جی نہ لگا۔ رات کو مقصود کنیز، حسینہ، اکبر اور رحمن سبھی کھیل رہے تھے ـــــ اور وہ خالہ اماں کے پہلو میں سر جھکائے بیٹھی رہی ـــــ کتنی اچھی ہیں خالہ اماں۔ سرخ، سفید، موٹی تازی حسین، خوش مزاج۔ ہر وقت ہنستی اور باتیں کرتی رہتی ہیں۔ رونا تو جانتی ہی نہیں ـــــ وہ ماں سے زیادہ خالہ اماں سے بے تکلف تھی۔ "کیا بات ہے ـــــ کیوں ـــــ میری بیٹا اتنی اداس ہے ـــــ" وہ بار بار اس سے کہتی رہیں۔ اور جب سب لوگ اِدھر اُدھر چلے گئے تو ڈرتے ڈرتے اس نے خالہ اماں سے پوچھ ہی لیا۔

"میرے ابا ولایت میں کیوں ہیں خالہ اماں؟ واپس کیوں نہیں آتے ؟"

انھوں نے ٹالنا چاہا مگر وہ مچل گئی "اماں سے تو جب پوچھو وہ رونے پیٹنے لگتی ہیں ـــــ آپ بتا دیجئے نا ـــــ میں کیا بچی ہوں اب"، ماں سے کہی بات اس نے دہرائی اور اس کے آخری جملہ پر خالہ اماں ہنس پڑیں "اے ہے کاہے کو ـــــ تو تو دس گیارہ برس کی پوری عورت ہے"

"پھر بتائیے نا ـــــ" وہ سمجھی یہ تعریف کر رہی ہیں خالہ اماں اس کی۔ اور پھر ایک دم ان کا چمکتا ہوا چہرہ ماند پڑ گیا لہجہ سخت ہو گیا۔

"تیرا باپ بدبخت بدنصیب ہے حمرا وہ زینب کی قدر نہ کر سکا، ظالم، بے درد ـــــ خود غرض ہے کمبخت۔ جس بیوی نے اپنا زیور بیچ کر ـــــ اور

کتنا بہت زیور تھا اس کے پاس ــــــ اسے ولایت بھیجا ــــــ جس نے باپ کی چھوڑی زمین اور مکان کو بیچ کر چھ سال تک اس کی مانگیں پوری کیں کچھ نہیں کچھ نہیں تو سب ملا کر بیس پچیس ہزار روپیہ تو ضرور ہی اس ناشکرے کو دیا ہے تیری ماں اور نانا نے ــــــ اس نے بیوی کو دھوکا دیا ـــ تف ہے اس پر ــــــ"

"مگر خالہ اماں ــــــ" اس کا گلا رندھ گیا "کیا کیا ابا نے ــــــ؟"

"یہ کیا کہ جب تیری ماں کا ایک ایک پیسہ لے چکا تو اسے دھتّا بتایا، بے سہارا چھوڑ دیا ــــــ خود ولایت میں رہ پڑا ــــــ وہاں شادی کر لی ــــــ اور یہاں ــــــ یہاں تیری ماں نے اس کے انتظار میں اپنی زندگی اپنی صحت برباد کر لی، اسے بیوی کا نہ سہی اپنے معصوم بچے کا بھی خیال نہ آیا ــــــ جیسے اس نے دیکھا بھی نہیں ــــــ"

"کون ہے وہ معصوم بچہ ؟"

"تو میری بچی ــــــ تو جو اس ظالم کے ولایت جانے کے چھ مہینے بعد پیدا ہوئی تھی ــــــ ہائے زینب نے تیرا ہی خیال ہوتا ــــــ اپنا گھر اور زمین تو نہ بیچی ہوتی ــــــ اس نے تو اپنی بچی تک کا خیال نہ کیا سب کچھ اس ناشکرے کی بھینٹ چڑھا دیا، مگر اس منحوس نے صورت بھی نہ دکھائی"

"میرے ابا بہت خوبصورت ہیں نا خالہ اماں"

"اے ہے جھاڑوں پھرے اس کی صورت پر ــــــ بھاڑ میں ڈال۔ تیری ماں کی جوتی کے برابر بھی نہیں ــــــ جانے دے بیٹی ــــــ تیرے ابا اب تیرے خالو ابا ہیں ــــــ وہ تجھے بہت چاہتے ہیں ــــــ"

"کیا بے کار کی باتیں بچی سے کر رہی ہو ــــــ تمہیں تو ذرا سا موقع ملا

اور اس بچارے کو کوسنے پیٹنے لگیں ۔" جانے خالو ابا کب سے وہاں کھڑے ہوئے تھے۔

"اے ہے —— بڑا بچارا —— دیکھو جی —— آئندہ میرے سامنے اس کی طرف داری کی تو اچھا نہ ہو گا ——" خالہ اماں کا چہرہ غصّے سے تمتمانے لگا —— خالو ابا مسکرائے —— "ڈرتی ہو کہ کہیں میں بھی ——"

"میری جوتی کی نوک سے ——" انھوں نے چیخ کر کہا۔

"یہ تو باولی ہیں —— جاؤ بیٹا تم کھیلو —— دیکھو زہرا بلا رہی ہے ——" خالو ابا نے بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور جانے کیوں بہت سے آنسو آنکھوں میں امنڈ آئے۔

مگر وہ آج کھیل نہ سکی —— امی اور خالہ ماں کی باتیں کچھ سمجھ میں آئیں تھیں کچھ نہیں —— مگر ذہن انھیں دہراتا رہا —— سوچتا رہا —— بچپن کی بے فکر، چونچال، مسرور زندگی کے چھلکتے شیریں جام میں نفرت غصّے، شرم اور فکر کی تلخی گھل چکی تھی۔

خالہ اماں دیہات چھوڑ کر خالو ابا کے پاس شہر میں چلی آئیں اور ان کے ساتھ امی اور وہ بھی آئی۔ اُسے اور زہرا کو لڑکیوں کے اسکول میں داخل کر دیا گیا —— اب دونوں بہنیں ساتھ ساتھ تانگے پر بیٹھ کر اسکول جاتیں، ساتھ پڑھتیں، ساتھ گھر آتیں! اسے بڑی شرم آتی تھی کہ وہ کلاس کی سب سے چھوٹی لڑکی تھی مگر زہرا باجی جو سب لڑکیوں سے بڑی تھیں اور ان کی

لیڈر بھی اس کا ہر طرح خیال رکھتیں!

اور آج امتحان ہال میں وہ ایک ڈسک کے پیچھے چھوٹی سی لوہے کی کرسی پر بیٹھی ہے۔ پرچہ کب کا ختم ہو چکا ہے اور وہ چور نظروں سے دوسری لڑکیوں کے چہرے دیکھ رہی ہے ـــــ برابر برابر بہت سے لکڑی کے ڈسک اور لوہے کی کرسیاں رکھی ہیں۔ کچھ لڑکیاں سر جھکائے لکھ رہی ہیں ـــــ بڑی تیزی سے ہاتھ چل رہا ہے ـــــ بس اس وقت رکتا ہے جب قلم کو دوات میں ڈبونا ہوتا ہے ـــــ کسی کے چہرے فکر اور پریشانی ہے ـــــ کسی کے ماتھے پر بل ہیں ـــــ کوئی اپنے دائیں بائیں اور سامنے دیکھنے کی کوشش کر رہی ہیں کہ کہیں سے کچھ اچک لے ـــــ مگر دونوں ٹیچر کی نظر بڑی تیز ہے۔ ایسی لڑکی ڈر کر جلدی ہی گردن جھکا لیتی ہے ـــــ ایک لڑکی سامنے سادی کاپی رکھے رو رہی ہے ـــــ ہائے توبہ ـــــ اس نے کچھ بھی نہیں لکھا خود اس کے تو لکھتے لکھتے ہاتھ ٹوٹنے لگے .....

آج امتحان کا پہلا پرچہ تھا ـــــ سب سے مشکل! انگریزی کا پرچہ۔ مگر بڑا آسان آیا اس سال تو ـــــ زہرا باجی بچاری بڑی ڈر رہی تھیں۔ ہال کے بالکل دوسرے سرے پر زہرا سر جھکائے ابھی تک لکھ رہی تھی ـــــ اس نے دوبارہ کاپی اٹھائی، پڑھا، اور خواہ مخواہ کہیں سے کچھ کاٹا، کچھ بڑھایا، کچھ گھٹایا ـــــ اور پھر زہرا کو اٹھتا دیکھ کر جلدی سے پرچہ "مس صاحب" کو پکڑا کر خود بھی ہال سے باہر نکل آئی۔

"کیسا پرچہ ہوا زہرا باجی؟" اس نے لپک کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"بس ہو گیا ـــــ پاس ہو جاؤنگی ـــــ اور تمہارا پرچہ؟"

"میرا بھی ٹھیک ہو گیا ـــــ"

"ارے تیرا تو بہت بڑھیا ہوا ہوگا ـــــــ امی اچھی ہے تیری انگلش تو ـــــــ"

"مگر باجی اردو، فارسی اور ہسٹری میں آپ اتنی تیز ہیں اور یہ سارے پرچے میرے لئے کتنے مشکل ہوں گے ـــــــ" اس نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں بھئی ـــــــ یہ تو گھر کی لونڈیاں ہیں۔" زہرا ہنسی "تو بنتی ہے خواہ مخواہ ـــــــ"

تانگے سے اتری بھی نہ تھیں کہ علی بھیا نے لپک کر دونوں کو ایک ساتھ گلے لگا لیا۔

"کیسا ہوا پرچہ؟ زہرا تو بتا پاس ہو جائے گی؟" اس نے تو اچھا کیا ہی ہوگا ـــــــ"

بھیا اندر جاتے ہوئے دونوں کو چھیڑتے رہے۔

"ہاں ہاں ـــــــ میں تو کند ذہن ہوں ـــــــ" زہرا باجی روٹھ گئیں

بھیا نے ان کو گلے سے لپٹا لیا ـــــــ "اری باولی میں تو چھیڑ رہا تھا تجھے ـــــــ" باجی من گئیں۔

"بھیا کہتے تو سچ ہو ـــــــ یہ چڑیل بڑی اچھی انگلش لکھتی ہے ـ دیکھ لینا فرسٹ ڈویژن مارے گی ـــــــ"

خواہ مخواہ بھی۔ اور حساب میں جو فیل ہوں گی ـــــــ آپ کے تو اس میں سنٹ پرسنٹ آتے ہیں ـــــــ"

"حساب کا کیا ہے ـــــــ دو اور دو چار ـــــــ مگر بھئی انگلش حاکموں کی زبان ٹھیری ـــــــ" بھیا ہنسے!

"اور خود حمرا کی بھی تو پدری زبان ہے انگلش ــــــ انکل ٹھیرے خود انگریز!" مگر یہ جملہ زہرا کے منھ سے نکلا ہی تھا کہ وہ اس پیلا چہرہ اور چھلکتی آنکھیں دیکھ کر سہم گئی، اور دونوں طرح طرح سے اس کی دلداری کی کوشش کرتے رہے ــــــ مگر جملہ کا زہر اس کے دل کے اندر تک پہنچ گیا تھا۔

وہ پڑی سو رہی تھی ــــــ باہر سے شور وغل کی آوازیں آنے لگیں۔ اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں ــــــ زہرا باجی، علی بھیا، خالہ اماں اور گھر کے سب نوکر چاکر امی کے چھوٹے سے کمرے میں گھس آئے تھے ــــــ

"مبارک مبارک ہو کلثوم" خالہ اماں نے امی کو گلے لگا لیا ــــــ زہرا باجی اور علی بھیا نے اونگھتی حمرا کو شرارت سے ڈنڈا ڈولی کر کے اٹھا لیا ــــــ اور اسے یوں جھلانے لگے جیسے دو برس کے بچّے کو۔

"ہائے اللہ چھوڑیئے نا ــــــ" وہ چیخی۔

"چھوڑیں کیسے ــــــ پوری سزا ملے گی فرسٹ کلاس لانے کی ــــــ" بھیّا مسکرائے۔

"فرسٹ کلاس؟ ارے بھئی میں گر جاؤں گی ــــــ"

"تو کبھی نہ گرے گی چڑیل ــــــ سدا اونچی اٹھتی رہے گی ــــــ" باجی نے پیار سے کہا اور جیسے ہی وہ زمین پر کھڑی ہوئی اسے زور سے لپٹا لیا ــــــ

"ہوا کیا آخر ــــــ" وہ ہکلائی۔

"مڈل میں فرسٹ کلاس ہوا ہے ـــــ" علی بھیا نے ہنس کر کہا۔
"زہرہ باجی کا فرسٹ کلاس آیا ہے ؟"
"نہیں بیٹی تو نے فرسٹ کلاس میں پاس کیا ہے ـــــ" خالو ابا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"فرس ـــــ ٹ ـــــ کلا ـــــ س ـــــ" وہ بوکھلا گئی۔
خالو ابا ہنسے ـــــ خالہ اماں نے اسے گلے سے لگا لیا ـــــ میری بچی نے اتنی سی عمر میں ایسے اچھے نمبروں سے کامیابی پائی ـــــ اس کو انعام ملنا چاہیے۔
"ضرور ـــــ ضرور ـــــ" خالو ابا نے کہا ـــــ "زینب تمہیں اس پر فخر کرنا چاہیے ـــــ"
"یہ سب آپ لوگوں کی محبت اور عنایت ہے بھائی صاحب ـــــ ورنہ میں اس قابل کہاں ہوں کہ اسے پڑھاؤں ـــــ" امی نے آنسو پونچھے۔
"اے نہیں ـــــ زینب یہ ماشاء اللہ سے ہی قابل ـــــ" خالہ اماں بولیں وہ ایک دم چونکی ـــــ "زہرا باجی ـــــ آپ کا رزلٹ ـــــ" وہ پریشان ہو گئی لوگ ان کا نام کیوں نہیں لے رہے۔
"ارے یہ بچاری تو لڑھک گئی ـــــ" بھیا نے ہائے ہائے کرتے ہوئے کہا اور وہ پھپک کر رو پڑی ـــــ "ہائے میری زہرا باجی"
"کیسی باؤلی لڑکی ہے ـــــ ہمیشہ ان شیطانوں کے فقروں میں آجاتی ہے ـــــ" خالہ اماں مسکرائیں ـــــ "یہ بھی خیر سے سیکنڈ کلاس پاس ہو گئی ہے ـــــ"
"اور حساب اور اردو میں ڈسٹنکشن (امتیاز) آیا ہے" بھیا نے کہا۔
"مبارک مبارک میری باجی ـــــ" اور وہ زہرا کے گلے میں جھول گئی

اور پھر تینوں باہر کھسک آئے۔

"علی بھیا آپ کا رزلٹ کب آئے گا۔"

"دو چار دن میں آجائے گا ——"

"اللہ کرے آپ فرسٹ ڈویژن فرسٹ پوزیشن لائیں ——"

"ارے بھئی ہم تمہارے جیسے قابل کہاں — پاس ہی ہو جائیں تو غنیمت ہے ——"

"واہ —— بھیا —— آپ کا ضرور فرسٹ کلاس آئے گا ——"

اور اگلے دن بھیا کے دوست کا تار آیا —— وہ الیف اے میں پاس تو ہو گئے تھے مگر فرسٹ کلاس نہیں آیا —— ساری خوشیوں پر اوس پڑ گئی۔ پھر نہ میلاد کی باتیں ہوئیں نہ کسی کو انعام ملے نہ کوئی دعوت ہوئی —— بھیا کئی دن چپ رہے —— کسی سے بات نہ کرتے —— اپنے کمرے میں منھ اوندھائے پڑے رہتے —— زہرا باجی گھبرائی گھبرائی سارے گھر میں پھرتیں اور وہ امی کے زانو پر سر رکھ کر روتی رہتی...

مگر دو چار دن بعد پھر بھیا اندر آنے لگے —— پھر بہنوں کے ساتھ ہنسنے بولنے لگے —— پھر ان کی دنیا آباد اور رنگین ہو گئی —— مگر جب مہینے بھر بعد بھیا کو خالو جان نے آگے پڑھنے کے لئے علی گڑھ بھیجدیا تو وہ دونوں بڑی اداس ہو گئیں —— بھیا کے بغیر گھر کتنا سنسان اور زندگی کیسی ویران لگتی تھی!

پھر ان کی ضد پر خالو ابا نے دونوں کو ایک مقامی ہندو گرلز ہائی اسکول میں داخل کر دیا تو دونوں جی جان سے پڑھائی میں جٹ گئیں! اور دو سال تک —— بس پڑھائی، پڑھائی —— پڑھائی —— سارا

میلہ بچھڑ چکا تھا ـــــ مقصود اور جمیلہ اپنے ماں باپ کے پاس تھے ۔ منجھلے بھیا ـــــ ایک کمپنی میں نوکر ہو گئے تھے ـــــ اکبر اور جمن بھی چلے گئے تھے!

مگر گرمیوں کی چھٹیوں میں پھر بہار آ گئی ـــــ بھیا علی گڑھ سے اور زیادہ شرارتیں سیکھ کر آئے۔ خوب مزے مزے کی باتیں کرتے، لطیفے سناتے، چھیڑتے، ستاتے، بات بات پر دلچسپ شعر پڑھتے ـــــ اب ان کے کھیل پکانے نہ رہے تھے ـــــ تینوں بیٹھ کر شاعری ادب، ناول اور افسانوں کی باتیں کرتے ـــــ ادیبوں اور شاعروں کا ذکر ہوتا۔ کسی کی تعریف! کسی پر فقرہ بازی ـــــ بھیا نظموں کی ایسی مزے کی پیروڈی کرتے کہ وہ ہنستے ہنستے لوٹ جائیں ـــــ اور دو مہینے پلک جھپکتے گزر گئے ـــــ اور اب وہ پھر ـــــ پڑھائی میں لگ گئیں ـــــ میٹرک کے امتحان میں دونوں کو فرسٹ ڈویژن لانے کی دھن لگی تھی۔

پھر خوشیاں ایک دم ٹوٹ سی پڑیں ـــــ بھیا بی۔ اے میں فرسٹ کلاس میں پاس ہو گئے، زہرا باجی کی بھی میٹرک میں گڈ سیکنڈ کلاس آئی اور وہ فرسٹ کلاس میں پاس ہوئی ـــــ ہائے اللہ کتنی شرم آتی تھی۔ زہرا باجی تو سیکنڈ کلاس میں پاس ہوں اور وہ ان سے چھوٹی فرسٹ کلاس ـــــ وہ تو پرچہ کرتے وقت دعائیں کیا کرتی کہ اس کے اور زہرا باجی کے نمبر ایک سے آئیں مگر قسمت کو کیا کیا جائے ـــــ اللہ میاں نے اُسے اور کچھ نہ دیا تھا، نہ صورت (کم سے کم اس وقت وہ یہی سمجھتی تھی) نہ دولت، نہ گھر نہ باپ کی

محبت اور شفقت ـــــ سب کے بدلے یہ کمبخت ذہن اور دماغ دیدیا تھا ـــــ حساس دماغ جس کی وجہ سے ساری زندگی سوچتے اور دکھ اٹھاتے گزرے!

مگر ـــــ کتنے اچھے ہیں میرے علی بھیا اور زہرا باجی ـــــ ہائے کبھی بھی تو ان کو کوئی رشک یا شکایت نہ ہوئی۔ وہ تو اتنے خوش ہوتے تھے کہ کوئی اپنی سگی بہن کی کامیابی پر بھی اتنا مسرور اور نازاں نہ ہوتا۔

اور پھر گھر میں وہ ہنگامہ، وہ جشن، وہ گہما گہمی شروع ہوگئی کہ دس پندرہ دن لگتا تھا کہ شادی کا گھر ہے ـــــ خالہ اماں اور خالو ابا نے دھوم دھام سے ان تینوں کے پاس ہونے کا جشن منایا تھا ـــــ ان تینوں کے قیمتی نئے کپڑے بنے، ملازموں اور گاؤں کی پرجا کے جوڑے بنائے گئے ـــــ دور دور سے مہمان آئے ـــــ ایک بہت بڑی دعوت کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

خالہ اماں نے عورتوں کا بہت بڑا میلاد شریف کرایا اور خالو ابا نے مرد مہمانوں کے لئے قوالی کا پروگرام بنایا جس میں دلی کے دو مشہور قوال بلائے گئے تھے! امی تک اپنی بیماری اور فکریں بھول کر تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔

مہمان تو بہت سے آئے تھے۔ مقصود اور ان کا سارا خاندان، اکبر اور ان کا گھرانا، منجھلے بھیا اور ان کے ابا مگر احسان انکل، آنٹی اور رضوانہ اور ان کے بھائیوں کی شان ہی اور تھی۔ وہ موٹر میں آئے تھے۔ آنٹی اس عمر میں قیمتی بھڑک دار ساڑھیاں اور نئے فیشن کے زیور پہنتی تھیں، اونچی ایڑی کے جوتے اور گول چھوٹا سا جوڑا۔ ہماری خالہ اماں ان کے سامنے

کتنی سادی لگتی تھیں ——— مگر کتنی پیاری ——— کتنی دلکش تھیں میری خالہ اماں! آنٹی تو خوب سرخی، پاوڈر لگاتیں، ہونٹوں کو رنگین کرتیں — آخر آئی۔ سی۔ ایس کی بیوی تھیں۔ دونوں میاں بیوی کو اپنے عہدے کا بڑا خیال رہتا تھا ساتھ میں ایک اردلی، ایک ذاتی ملازم، ایک آنٹی کی ما ما۔ بچاری خالہ اماں پریشان ہو جاتی تھیں ان کی خاطر داریوں میں ——— مگر بڑی مرعوب بھی تھیں وہ ان سے۔

سب سے اچھے کمرے میں ان کے رہنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اسی زمانے میں خالو ابا نے نئے فیشن کا باتھ روم بنوایا تھا جس میں ہینڈ پمپ سے پانی آتا تھا اور ایک طرف کموڈ رہتے تھے ——— احسان انکل خالہ اماں کے رشتے کے بھائی تھے اور خالو ابا کے گہرے دوست تھے۔ دونوں کے اسکول سے کالج تک ساتھ پڑھا تھا ——— پھر خالو ابا تو اپنی زمینداری کے کاموں میں پھنس گئے اور وہ وظیفہ لے کر ولایت تک پہنچے۔ آئی۔ سی۔ ایس کا امتحان پاس کیا اور اب اتنے بڑے افسر ہیں ——— کہ کسی عزیز کے گھر دو دن کے لئے چلے جائیں تو لوگ فخر کرتے ——— خالو ابا کے پاس برسوں بعد وہ آ رہے تھے ——— اس شہر میں وطن کے مقابلے میں کتنی آسانیاں تھیں اور خالو ابا خالہ اماں چاہتے تھے کہ ان کی خاطر مدارات ان کی شان کے مطابق ہو ——— ان کے آنے سے پہلے خالہ اماں نے ان تینوں کو بٹھا کر سمجھایا تھا "دیکھو وہ پہلے پہل آ رہے ہیں پھر اتنے بڑے آدمی ہیں۔ ان کی خاطر مدارات اچھی ہونی چاہیئے ——"

زہرا باجی چیخ کر بولیں ——— "بڑے آدمی ہیں تو ہوا کریں ——— ہمیں تو سب مہمانوں کا یکساں خیال کرنا چاہیئے ———"

" ہنھ ـــــ تو تو سدا کی بد دماغ ہے ـــــ ہر بات کی کاٹ کرنا ـــــ باوا نے بہت سر پہ چڑھا رکھا ہے ـــــ "، خالہ اماں بگڑیں۔

" اماں آپ خواہ مخواہ میری بچاری بہن کو ڈانٹ رہی ہیں ـــــ وہ سچ تو کہتی ہے مہمان مہمان سب برابر ہیں۔ آپ تو احسان انکل کو کہتی ہیں ہم تو ٹرے ابا تک کا جو یا بلکے بھی بڑے بھائی ہیں دوسروں سے زیادہ خیال نہیں کریں گے ـــــ اور ظہیر چچا اگر آئے ـــــ دیکھو زہرا ظہیر چچا کو ہرگز یہ فرق محسوس نہ ہو کہ وہ کسی سے کم ہیں۔ "

" بیٹا یہ کیسی باتیں کر رہے ہو ـــــ کہاں احسان بھائی، بڑے بھائی صاحب اور ظہیر کا کیا مقابلہ ـــــ آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر "

" مجھے تو کنکر ہی پسند ہیں ان ہیرے جواہرات سے ـــــ " بگڑ کر زہرا باجی نے کہا اور اُٹھ کر چلی گئیں۔

" علی میاں، احسان بھائی کے دونوں لڑکے بھی آ رہے ہیں تم ہر طرح ان کا خیال رکھنا ـــــ وہ گھبرائیں نہیں۔ سیر تفریح شکار جو بھی مناسب ہو "

" ہاں ان دونوں کو میں تمہارے سپرد کرتا ہوں ـــــ " خالو ابا نے باہر سے آتے ہوئے کہا۔

" جو حکم ـــــ میں ان کا ہر طرح خیال رکھوں گا ـــــ مگر ـــــ مگر آپ کو بھی ظہیر چچا اور ان کے بچوں کا خیال رکھنا پڑے گا ـــــ " آہستہ سے انھوں نے کہا مگر ان کے تیوری پر بل پڑے ہوئے تھے۔

" اُفوہ کیا دماغ ہے ان دونوں بھائی بہن کا ـــــ ظہیر چچا ـــــ ظہیر چچا سمجھتے ہیں وہ غریب ہیں اس لئے میں ان کا خیال نہیں کروں گی۔

ارے میں نے تو ان لوگوں کی ایسی ایسی باتیں برسوں سہاری ہیں کہ ـــــــ"
انھوں نے جملہ پورا نہیں کیا۔ منھ غصّے سے لال ہو رہا تھا۔
"ارے ارے جانے بھی دو ـــــ بچے بچارے یہ سب کیا جانیں۔ آخر اب گڑے مردے اکھاڑنے سے حاصل کیا ـــــ"
"تو گڑے مردے پھر کیوں میری جان نازل ہو رہے ہیں ـــــ"
"اب یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ آخر وہ میرے ماموں کا بیٹا ہے خود آنے کو لکھا ہے اس نے تو کیا منع کر دوں ؟"
"نہیں تم انھیں کیوں منع کرو ـــــ میں ہی احسان بھائی کو لکھے دیتی ہوں کہ ہماری اولاد کو آپ کا آنا پسند نہیں ـــــ"
"کیسی باتیں کر رہی ہو ـــــ حرا بیٹی ـــــ تم اپنے احسان انکل اور ان کی بیوی بیٹی کا خیال رکھنا ـــــ"
"جی ہاں خالو ابا ـــــ خالہ اماں بے کار پریشان ہو رہی ہیں ـــــ میں جو ہوں ـــــ"
وہ لوگ آئے تو وہ جی جان سے ان کی خدمت میں لگ گئی مگر ـــــ خالہ اماں تو رضوانہ آپا کی ہر ہر ادا پر فدا تھیں ـــــ بال تو دیکھیے ـــــ میری بچی کے جیسے سونے کے تار ہوں ـــــ اور آنکھیں ـــــ ہائے آپا۔ یہ انگریز بچی تم نے کس سے لے لی تھی ـــــ بالکل نیلم کی طرح چمکتی ہیں اس کی آنکھیں اور رنگ بھی میموں جیسا ہے ـــــ" اور آنٹی کی چھوٹی چھوٹی کالی آنکھیں فخر سے چمکنے لگتیں۔
"اے خدا رکھے ـــــ ایسے نظر نہ لگے ـــــ اس کی گورنس تو کہا کرتی تھی ول میم صاحب ـــــ بے بی ـــــ تو بالکل ولایتی بچے کے

مانگ ہے ــــ"، رضوانہ باجی یہ سن کر مسکرائیں تو سچ مچ لگتا سنہری دھوپ نکل گئی۔

اور پھر آنٹی ان کی خوبیوں کا بکھان کرتی رہتیں ــــ ان کے حُسن، قابلیت، ذہانت اور سلیقے کے تذکرے ہوتے ــــ وہ زہرا باجی کی ہم عمر ہی تھیں مگر اب تک میٹرک نہ کیا تھا پھر بھی وہ قابل تھیں اور زہرا باجی کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔

زہرا باجی یہ باتیں زرا دیر نہ سن سکتیں، منھ بنا کر، کوئی بہانہ بنا کر وہاں سے چلی جاتیں۔ علی بھیا تو منیر صاحب اور شاہ ناز صاحب کے ساتھ ہی زیادہ تر رہتے تھے شامت تو اس کی تھی۔

امی بیمار پڑ گئیں ــــ خالہ اماں بچاری کو تو مہمانوں اور جشن کی تیاریوں سے دم مارنے کی فرصت نہ تھی، زہرا باجی کو بھی بہت کام تھا، احسان انکل کے گھرانے کے سوا اور سبھی مہمانوں کی ذمہ داری انھوں نے سنبھال رکھی تھی، اور وہ خود ہر وقت خالہ اماں کے ساتھ مصروف رہتی پھر بھی بھاگ بھاگ کر دو چار بار امی کے کمرے میں ہو آتی ــــ اس نے اس زرا بڑی کوٹھری کو کمرہ کا نام دے لیا تھا ــــ مگر کیا کیا جاتا ــــ گھر تھا ہی چھوٹا سا اور خود امی نے اصرار کر کے صحن کی دوسری طرف کی اِس کوٹھری کو اپنے لئے پسند کیا تھا۔

اکثر وہاں علی بھیا بیٹھے ملتے ــــ کئی بار انھوں نے اسے ڈانٹا "حرا کون سا ایسا ضروری کام ہے کہ تم خالہ امی کو اکیلا چھوڑ کر چلی جاتی ہو؟"

وہ چپ چاپ سر جھکا لیتی۔ امی طرف داری کرتیں۔

"نہیں بیٹا اسے آپا جان کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ وہ بچاری اکیلی سب کام کرتی ہیں —— مجھ بدبخت کو بھی اس وقت بیمار پڑنا تھا ——"

"ان کا کیا خاک ہاتھ بٹاتی ہے —— ہر وقت آنٹی اور ان کی صاحبزادی کے آگے پیچھے پھرا کرتی ہے ——" جانے کیا ہو گیا تھا علی بھیا کو ان دنوں وہ صدمے سے زرد پڑ گئی! بھلا خالہ اماں کی بات وہ کیسے ٹال سکتی ہے؟ اور علی بھیا کی ناراضگی؟؟ یا اللہ کیا کرے وہ؟

دن بھر وہ امی کی کوٹھری سے نہ نکلی۔ آنٹی امی کے پاس ایک بار بس کھڑے کھڑے آئی تھیں —— مگر اس دن شام کو وہ، رضوانہ احسان انکل اور ان کے دونوں لڑکے ایک دم سب کے سب چلے آئے! کہاں بٹھائے وہ ان "معزز" مہمانوں کو —— دو پلنگ، ایک پیڑھی، ایک کرسی اور چھوٹی سی میز پر اس کی کتابیں۔ امی کی نماز کی چوکی اور دو مونڈھیاں! بس کل یہی "فرنیچر" تھا تو اس "کمرے" میں۔

"کیسی ہو زینب ——" آنٹی کا خالہ اماں سے زیادہ قریبی رشتہ امی سے تھا۔ مگر امیر اور غریب کا ہی گیا!

سب لوگ اِدھر اُدھر ٹک گئے۔ انکل ٹہلتے ہوئے پرلی دیوار کے پاس جا کر ابا کی تصویر دیکھنے لگے۔

"یہ کس کی تصویر ہے پاپا ——" منیر صاحب نے پوچھا۔ انکل ٹہلتے ہوئے پرلی دیوار کے پاس جا کر ابا کی تصویر دیکھنے لگے۔

انکل

پلٹے، امی کو دیکھا —— اسے دیکھا اور آہستہ سے بولے "میرا دوست

تھا کبھی ــــ حمرا کا ڈیڈی ہے ــــ" اور اس کی آنکھیں زمین میں گڑ گئیں اور منھ میں جیسے کونین گھل گئی ــــ "حمرا کا ڈیڈی!" ہنھ ــــ "آپ تو پچھلی مرتبہ ولایت گئے تو اس سے ملے تھے ــــ" آنٹی نے کہا۔

"ہاں ملا بھی تھا ــــ اور ــــ" وہ چپ ہو گئے! پھر امی جان کی طرف پلٹے ــــ "بہن زینب تم اب تک اس کی تصویر دل میں لیسائے ہو اور اس نے وہاں بیاہ بھی رچالیا، بچے بھی ہو گئے ــــ میں نے تو بہت ملامت کی ــــ" وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئے ــــ مگر آنٹی چپ ہونے والی نہ تھیں۔

"یہ بھی تو بتاؤ اس نے کیا کہا ــــ کہنے لگا ــــ بھلا میں ایک جاہل عورت سے کیسے نباہ کرتا ــــ انھوں نے کہا تمہیں اپنی بچی کا تو خیال کرنا چاہیئے تو بولا ــــ جب میں نے دیکھا ہی نہیں تو ــــ اور تم نے میرے بچوں کو دیکھا احسان ــــ بالکل ایلس پر پڑے ہیں"

"بیگم ــــ بیگم ــــ کیوں ان تکلیف دہ باتوں کو دہرا رہی ہو!" احسان انکل نے اپنی بیوی سے کہا۔

امی کا چہرہ دھوئے کپڑے جیسا ہو چکا تھا ــــ اور وہ خود غصے اور احساسِ ذلت سے بید کی طرح لرز رہی تھی ــــ کہ اچانک امی کی ایک دلدوز کراہ سن کر پلٹی ــــ وہ بے ہوش تھیں ــــ لپک کر وہ آگے بڑھی ــــ اور ان کے منھ پر منھ رکھ دیا ــــ "امی ــــ امی جان ــــ آپ ان باتوں کا ــــ" جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ہچکیوں نے اس کا گلا گھونٹ دیا ــــ رضوانہ اور ان کے

بھائی جیپ کے سے باہر نکل گئے، انکل نے تاسف سے اسے دیکھا۔
"پوُر تھنگ ــــ پوُر تھنگ ــــ" کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔
آنٹی نے صراحی سے پانی انڈیل کر اسے پلایا تو اس نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو ہیں ــــ "بچی رو نہیں ــــ ماں کو سنبھال ــــ" اس نے پہلی بار ان میں ہمدردی کی جھلک دیکھی تھی۔

"آنٹی ــــ زہرا باجی ــــ کو بھیج دیجئے زرا ــــ" اٹک اٹک کر اس نے کہا ــــ وہ کھڑی ہوگئیں ــــ "ابھی بھیجتی ہوں زہرا کو" اور جلدی سے باہر نکل گئیں ــــ اور زہرا باجی جب آئیں تو انھوں نے دیکھا کہ خالہ امی ہوش میں آچکی ہیں اور حمرا بے ہوش پڑی ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں آج تک اسے اپنے باپ کے خیال سے اتنا دکھ، اتنی شرم اور اتنی نفرت محسوس نہ ہوئی تھی ــــ اف بعض لوگوں کی ہمدردیاں کتنی جان لیوا ہوتی ہیں۔

امی جان کی حالت پھر سنبھلی ہی نہیں ــــ میلاد کی محفل، قوالی اور دعوت کسی میں بھی وہ شریک نہ ہو سکی تھیں۔ ان کی وجہ سے وہ تو وہ زہرا باجی اور علی بھیا بھی اداس اور پریشان رہے ــــ مگر خالہ امی کے بنائے جوڑے پہننے ہی پڑے ــــ میلاد شریف میں نظم خوانی بھی کرنی پڑی۔
رضوانہ کی آواز بڑی پاٹ دار تھی ــــ پڑھتی بھی خوب تھیں آدھے سے زیادہ میلاد تو انھیں نے پڑھا آنٹی ان کا ساتھ دیتی تھیں مگر ان کے اتنے بڑے تن و توش میں سے ایسی ننھی سی، باریک سی آواز نکلتی جیسے بکری ممیا رہی ہو! ہائے تو یہ کتنی بے جوڑ تھیں ان دونوں کی آوازیں! پھر سب کے اصرار پر زہرا باجی کے ساتھ اس نے بھی نعتیں پڑھیں ان دونوں کی آواز اتنی

بل جاتی تھی کہ پتہ ہی نہ چلتا تھا کون پڑھ رہا ہے ــــــ علی بھیا بہت چڑایا کرتے تھے ــــــ کیا چیں چیں کیا کرتی ہو ــــــ جیسے رو رہی ــــــ اور وہ سچ مچ رو پڑتیں! مگر اس دن خوب خوب ان دونوں کے پڑھنے کی تعریف کی اور رضوانہ کے بارے میں کچھ نہ کہا۔

کتنی خوبصورت لگ رہی تھیں اس دن رضوانہ عنابی بنارسی جوڑے اور جڑاؤ زیوروں میں ــــــ بغیر میک آپ کئے ان کے گلابی ہونٹ اور سرخ چہرہ دمک رہا تھا ــــــ خالہ اماں بار بار کہتیں "ارے کوئی کالا دانہ اتار دو میری بچی پر سے ــــــ" وہ شرما کر منھ چھپا لیتیں اور زہرا باجی منھ بچکا کر چپ کے سے کہتیں ــــــ "ہنھ ــــــ پھیکا شلجم ــــــ کنجی آنکھیں ــــــ زرد بال ــــــ" اور پھر آکر پیچھے سے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیتیں اور اس کے کان میں منھ لگا کر خاصے زور سے کہتیں۔

"میری حمرا پر سے کوئی کالا دانہ اتار دے ــــــ" وہ روہانسی ہو جاتی۔

"بنایا نہ کیجئے زہرا باجی ــــــ" مگر خود اُسے ان ماں بیٹی سے کہیں زیادہ اپنی سیدھی سادی خالہ اماں اور اپنی سانولی سلونی زہرا باجی حسین معلوم ہوتی تھیں اور یہ سن کر علی بھیا ہنس پڑے تھے "محبت کی نظر" اور پھر جانے کیسی نظروں سے اسے دیکھنے لگے کہ وہ گھبرا گئی!

دو دن بعد کا ذکر ہے۔ وہ کسی کام سے خالہ اماں کے پچھلے برآمدے میں جا رہی تھی کہ باہر ہی ٹھٹک گئی ــــــ خالو ابا کی بھاری آواز دبی دبی سی سنائی دے رہی تھی!

"تو تم سمجھتی ہو ان کا بھی یہ خیال ہے؟"

"ہاں میرا تو یہی اندازہ ہے ــــــ"

"پھر ــــ تم کیا کہتے ہو ــــ؟"

"مجھے تو بہت پسند ہے ــــ بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ صورت سینکڑوں میں ایک، سلیقہ مند ــــ پڑھی لکھی ــــ"

"مگر مزاج صاحبزادی کا خاصا تیز ہے ــــ تم تو جھیل لو گی مگر ہمارا لڑکا اس قدر حسّاس ہے کہ ــــ"

"اے نہیں تیز ویز نہیں ــــ لاڈوں کی پلی اکلوتی بیٹی ہے، ذرا نازک مزاج ہے ــــ اور پھر بیاہ کے بعد سب لڑکیاں ٹھیک ہو جاتی ہیں شوہر کے اشاروں پر چلتی ہیں ــــ"

"جیسی آپ چلی ہیں ــــ" ہنس کر خالو ابا نے کہا۔

"تو اور کیا نہیں چلی ــــ سچ ــــ تم احسان بھائی سے ذکر تو کرو"

"وہ تو کئی بار کہہ چکے ہیں کہ مجھے تمہارا لڑکا بہت پسند ہے ــــ یہ بھی کہا میں رضوانہ کے دولھا کو ولایت بھیج کر تعلیم دلواؤں گا۔ اب اس سے آخر اور کیا مطلب ہے ــــ"

"تو پھر تم اللہ کا نام لے کر پیام دے دو ــــ"

"سبحان اللہ ــــ پیام کیسے دیدوں ــــ پہلے لڑکے کی مرضی تو معلوم کرو ــــ یہ کیا ہمارا تمہارا زمانہ ہے کہ بے پوچھے گچھے دونوں کو ایک دوسرے کے پلّے باندھ دیا گیا ــــ"

"تو پھر کیا تم پچھتائے؟ بھلا رضوانہ جیسی لڑکی کون لڑکا ناپسند کر سکتا ہے ــــ"

"نہیں نہیں پوچھنا ضروری ہے۔"

"تو خیر ــــ زہرا حمرا پوچھ لیں گی ــــ"

وہ دیوار کے سہارے کھڑی تھی —— پہلے تو ان باتوں کا کچھ مطلب ہی اس کی سمجھ میں نہ آیا —— مگر پھر سب کے نام سن کر وہ چونکی ——
تو کیا —— کیا علی بھیا کی رضوانہ باجی سے شادی ہو گی ؟ کیسے —— ؟
کیوں ؟ کیوں نہیں —— ؟ مگر —— جانے کیسے کیسے خیالات آتے رہے —— وہ خالہ اماں سے ملے بغیر امی کے پاس چلی آئیں اور سارے دن باہر نہیں نکلی۔

اور پھر شام کو ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا —— زہرا باجی کی رضوانہ آپا سے خوب لڑائی ہوئی —— انھوں نے ظہیر چچا کا ذکر کچھ حقارت سے کر دیا تھا —— اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا —— "یہ زینب خالہ اور حمرا تمہارے ہاں کب سے پڑی ہیں —— "

اے ہے —— وہ تو آپے سے باہر ہو گئیں —— " ذرا سوچ سمجھ کر بات کیا کرو رضوانہ —— ظہیر چچا ہمارے چچا ہیں اور خالہ امی اور حمرا —— ارے وہ تو ہمیں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہیں —— یہ ان کا گھر ہے —— جیسا ہمارا گھر ہے —— پڑے رہنے کی کیا بات ہے —— مگر تم شاید ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتیں —— "
رضوانہ نے ہچکیوں سے رونا شروع کر دیا —— " لو اور سنو میرا اور اس ٹانگ برابر کی چھوکری کا مقابلہ کرتی ہو —— کہاں میں کہاں وہ۔ مگر تم لوگوں کو تو اسی میں لال لگے نظر آتے ہیں —— " اور جانے کیا اور کیا۔
مگر زہرا باجی اب بھی نہ دبیں ۔"

" بس رہنے دو —— میں تمہارے رونے دھونے اور ہسٹریا سے ڈرتی نہیں ہوں —— ایک کہوگی تو دو سنو گی —— " وہ اپنی

صاف گوئی کی وجہ سے بدنام تھیں ہی۔

اور پھر سچ مچ انھیں ہسٹیریا کا دورہ پڑ گیا ——— "یہ لوگ ہیں کیا سمجھتے ہیں ——— میں ایک منٹ یہاں نہ رہوں گی، آپ رہیے ممی اپنے رشتے داروں کے ہاں ——— میں کیوں رہوں! یہ مغرور بد دماغ بھائی بہن ہر وقت مجھے ذلیل کرتے ہیں۔ انھیں تو اپنے گھر کے ٹکڑوں پر پلی وہ چھوکری ہی پسند ہے جو ہر وقت خوشامد کرے ——— ہاں میں ہاں ملائے ———" خالاماں، آنٹی، ان کی آپا اور دو چار اور عورتیں ان کی دلداریاں کر رہی تھیں۔ کوئی پانی پلا رہی ہے، کوئی دلاسا دے رہی ہے، آنٹی ان کا سر زانو پر رکھے زار و قطار رو رہی تھیں "بہن میری تو نازوں کی پالی ایک ہی بچی ہے! یہ کیا جانے ان باتوں کو ———"

علی بھیا رضوانہ کے بھائیوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے ——— تو ہسٹیریا ختم ہو چکا تھا مگر رضوانہ کی شکایتیں اور گریہ وزاری جاری تھی!

آنٹی نے جھک کر ان کے کان میں "بس بس اب چپ ہو جاؤ۔ دیکھو لڑکے آ گئے ———" انھوں نے نظریں اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ جلدی سے پلّو سے آنسو پونچھے اور سر جھکا کر بیٹھ گئیں۔ خالہ امی اور آنٹی نے ایک دوسری طرف دیکھا اور مسکرا پڑیں!

یہ سب وہ خالہ امی کے پیچھے بیٹھی سن رہی تھی دیکھ رہی تھی ——— ہاتھ پاؤں میں جیسے جان ہی نہ رہی تھی اور ایک ہی جملہ کانوں میں گونج رہا تھا ——— "ٹکڑوں پر پلنے والی خوشامدی لڑکی ———" تو اس کی یہ حیثیت ہے اس خاندان میں!

"کتنا منھ اترا اترا ہو رہا ہے ہمّی ———" امی نے اسے دیکھا تو

حیران ہوکر کہا ـــــ کیا زہرا سے لڑائی ہوگئی!

" نہیں امی ـــــ میرے سر میں درد ہے ـــــ " اور اس نے ماں کے سینے پر سر رکھ دیا۔

جاتے وقت رضوانہ باجی بہت خوش تھیں۔ انھیں خالہ اماں نے بھینچ بھینچ کر پیار کیا بلائیں لیں، امام ضامن باندھا۔ خالو ابا سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں پڑھتے رہے۔ علی بھیا خاموش تھے اور زہرا باجی خوش۔ رضوانہ چلتے وقت خود اس سے گلے ملی اور اپنے ہاں آنے کی دعوت تک دی ـــــ

" حمرا ہمیں خط ضرور لکھنا اور خالہ اماں آئیں گی تو ان کے ساتھ آنا بھی ضرور"

دیر تک زہرا باجی کے گلے میں باہیں ڈالے رہیں ـــــ " زہرا باجی واللہ اب تو آپ ہم سے ناراض نہیں ہیں " کتنا نرم اور شیریں لہجہ تھا۔ اور زہرا باجی کا اکھڑا لہجہ "نہیں بہن میں کیوں ناراض ہوتی ـــــ"

علی بھیا یہ کہنے اندر آئے کہ موٹر تیار ہے تو رضوانہ کی آنکھیں جھک گئیں گلابی گال سرخ ہوگئے ـــــ انکل، آنٹی، خالہ اماں اور خالو ابا مسکرانے لگے اور علی بھیا فوراً ہی باہر چلے گئے!

امی کی بیماری کی وجہ سے ہر وقت ان کے پاس رہتی مگر جانے گھر کی فضا کیسی ہوگئی تھی۔ نہ علی بھیا دن بھر امی کے پاس چکر لگاتے، نہ زہرا باجی آکر دوا پلاتیں اور اس کو آرام کرنے کی تاکید کرکے خود تیمار داری کرنے کی کوشش کرتیں، نہ خالو ابا آتے اور نہ خالہ اماں کو امی کی بیماری کی فکر تھی ـــــ یہ میرا کیا ہے؟ کیا یہ سب اس سے اور امی سے خفا ہیں؟

مگر پھر اس نے سمجھ لیا ـــــــ وہ ان سے نہیں آپس میں ایک دوسرے سے خفا ہیں۔ خالو یا خالہ اماں پر جھلاتے ہیں، وہ ان پر بگڑتی رہتی ہیں ـــــ ان دونوں کو اس طرح لڑتے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا ـــــــ زہرا باجی سخت پریشان بے قراری کی سی حالت میں اندر باہر پھرتی رہتیں اور علی بھیا؟ وہ تو گھر میں آتے ہی نہ تھے۔ کھانے ناشتہ کے وقت کسی دن آجاتے تو جیسے زبان پر تالا لگ گیا تھا۔ سر جھکائے کھانا یوں کھاتے جیسے کونین کھا رہے ہیں اور یوں بھاگتے جیسے کوئی قیدی جیل سے چھوٹ کر جا رہا ہو!

اتنی محبت اتنی بے تکلفی ہوتے ہوئے بھی وہ ان سے کچھ نہ پوچھ سکی۔ کیوں؟ اس وقت اس کا کچا ذہن یہ کیا سمجھتا ـــــــ یہ تو آنے والے وقت نے اسے بتایا کہ جب کسی کو یہ احساس ہو کہ وہ دوسروں کا دست نگر ہے، اس کا برابری کا درجہ نہیں ہے تو محبت اور بے تکلفی اکثر یک طرفہ رہ جاتی ہے ـــــــ جب وہ لوگ پریشان یا خفا ہوتے ساری اپنائیت، ساری بے تکلفی غائب ہو جاتی۔ عجیب غریبت سی، احساس بے بسی سا چھا جایا کرتا ـــــــ کوئی جھڑک نہ دے ـــــ یہ نہ کہہ دے کہ تمہیں کیا مطلب ہے؟ اس وقت اس کا آبگینہ کتنا نازک تھا! ہلکی سی ٹھیس بھی برداشت نہ کر سکتا تھا ـــــــ امی کی بیماری اور ان پیاروں کی پریشانی اسے کچلے دے رہی تھی ـــــــ مگر کسی کو اس کی فکر نہ تھی!

اور پھر امی کی طبیعت ذرا بہتر تھی تو انھوں نے اشارہ سے اسے پاس بلایا، ہاتھ اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا ـــــــ "دلہنی کیا زہرا اور علی میاں سے تو لڑ پڑی؟" وہ کچھ جواب نہ دے سکی اور ان کے پہلو میں سر رکھ کر جانے کب تک آنسو بہاتی رہی ماں نے بھی کچھ نہیں کہا۔ چپ چاپ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہی۔ جب اس کی ہچکیاں ختم گئیں، آنسو رک،

گئے اور وہ پھر ماں کے کام میں لگ گئی تو انھوں نے دھیرے سے کہا ——
رک رک کر —— "ایک بات میری یاد رکھیو ہمّی —— خالہ اماں اور
خالو ابا سے زیادہ ہمدرد بزرگ تجھے دنیا میں نہ ملیں گے! اور نہ علی اور زہرا
جیسا سچے دوست اور چاہنے والے اور کہیں ہوں گے —— ان پر ہمیشہ
بھروسہ رکھیو —— مصیبت میں صرف یہی لوگ کام آئیں گے اور کوئی نہیں!"
دوا کی شیشی اس کے ہاتھ میں لرز اٹھی —— امی کی آواز ——
کسی اور دنیا سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔
شام کو وہ کسی کام سے باہر نکلی اور صحن کی دوسری طرف باہر کے
حصے کے برآمدے میں چلی گئی —— ستون سے لگے چھ فٹ لمبے علی بھیا
کھڑے تھے —— سیاہ بالوں کی الجھی الجھی لٹیں ان کی اونچی پیشانی پر
بکھری ہوئی تھیں اور بڑی بڑی گہری سیاہ آنکھیں جانے خلا میں کیا
دیکھ رہی تھیں —— ایک ہاتھ سینے پر رکھا تھا، دوسرا پہلو میں
لٹک رہا تھا —— فکر و اداسی کا جیتا جاگتا مجسمہ —— جانے کتنی دیر وہ
سانس روکے ان کو دیکھتی رہی —— آنکھوں میں آنسو لرزتے رہے
سینے میں سانس رکتا رہا، دل میں ہوک اٹھتی رہی۔
پھر —— وہ پلٹے، ٹھٹھکے اور اس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے
"ارے حمرا —— تو ——"
"بھائی جان میرا قصور؟؟" اس نے ان کا سفید، سڈول سرد
ہاتھ تھام لیا اور اسے اپنی آنکھوں پر رکھ کر مچل اٹھی۔
"اری باؤلی —— روتی کیوں ہے ——" بھیا جیسے کسی
اور دنیا سے اسی دنیا میں آگئے۔ آواز میں وہی اپنائیت، وہی پیار

جو ان کی شخصیت کا بڑا پیارا جُزتھا۔

"آپ اور زہرہ باجی ــــــ مجھ سے اور امی سے خفا کیوں ہیں ــــــ" کسی نہ کسی طرح دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔

"تم سے خفا ــــــ؟ امی سے خفا ــــــ؟؟" اور وہ بے اختیار ہنس پڑے۔

"پاگل ہے یہ لڑکی ــــــ تم سے بھی دنیا میں کوئی خفا ہو سکتا ہے!"

"تو پھر ــــــ پھر آپ کو کیا ہوا ہے بھیا ــــــ طبیعت خراب ہے۔ یا ــــــ یا ــــــ"

"چلو حمرا ــــــ خالہ امی کے پاس چلیں ــــــ سچ مچ کئی دن سے میں ان کے پاس نہیں گیا ــــــ میں بھی کتنا ــــــ کتنا ــــــ نالائق ہوں ــــ"
وہ تیز تیز چلتے اس سے پہلے امی کے پاس جا پہنچے ــــــ وہ بھول گئی کہ اس نے ان سے کوئی بات پوچھی تھی جس کا جواب وہ ٹال گئے ــــــ وہ آئی تو دیکھا علی بھیا امی کا سر گود میں رکھے دبا رہے ہیں اور امی کے چہرے پر عجیب ہے ــــــ!

علی بھیا کے جانے کے بعد زہرا باجی بھی آئیں "خالہ امی ــــــ مجھے معاف کر دیجئے ــــــ میری طبیعت کچھ خراب تھی ــــــ میں آپ کے پاس نہیں آ سکی ــــــ" مگر وہ یہ سب عجیب کھوئے لہجے میں کہہ رہی تھیں ــــــ امی نے ان کو گلے لگایا، پیشانی چومی اور بولیں "میں تو نہیں ــــــ یہ تیری گوئیاں خفا ہے ــــــ اور رو کر مری جا رہی ہے!"

زہرا باجی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے انھوں نے اسے اپنے سینے سے لپٹا لیا اور جانے کب تک وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹی ہنستی اور

روتی ــــ روتی اور ہنستی رہیں۔

شام کو خالہ اماں آئیں، ڈاکٹر آیا، خالو ابا بھی آئے ــــ ایک دن گزرا، دوسرا دن بھی گزر گیا ــــ امی کو اب بڑا سکون تھا۔ بخار ہلکا ہو گیا تھا، کھانسی کبھی کبھی اٹھتی تھی، آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مسکراہٹ اتنی دلکش ہو گئی تھی کہ وہ گھنٹوں ان کے سحر میں کھوئی بیٹھی رہتی۔

اس رات خالہ اماں نے بہت اصرار کیا کہ وہ زہرا کے پاس جا سوئے۔ امی کے پاس وہ خود سوئیں گی ــــ مگر ــــ مگر امی کو وہ کیسے اکیلا چھوڑ سکتی ہے؟ امی نے بھی بار بار کہا ــــ "نہیں آپا تم پریشان نہ ہو ــــ تمہیں یہاں نیند نہ آئے گی ــــ میرے پاس ہمی ہی رہے گی ــــ اسے قرار بھی تو نہیں آتا میرے بغیر ــــ" وہ یہ کہہ کر مسکرائیں تو وہ لرز اُٹھی۔ آہ آنسوؤں میں ڈوبی اس مسکراہٹ کو وہ کبھی نہ بھول سکی۔!

"اچھا نصیبن بوا ــــ تم یہاں سونا ــــ اور دیکھو ــــ ہمی کئی دن کی جاگی ہے ــــ اُسے سو جانے دینا ــــ تم جاگتی رہنا ــــ"

"ہاں ہاں بیوی مجھ نگوڑی کو تو یوہنی ساری رات نیند نہ آوے ہے ــــ"

بارہ بجے خالہ اماں وہاں سے گئیں اور نصیبن بوا اپنی کھٹولی لے کر آ گئیں!

"ماں صدقے ہو جا ــــ تو سو رہ ــــ میں جاگ رہی ہوں ــــ"

انھوں نے پے در پے کئی جمائیاں لیتے ہوئے کہا ــــ اور آدھ گھنٹے کے اندر اندر دن بھر کے کاموں سے تھکی ہاری نصیبن بوا، لڑھک کر کھٹولے پر پڑی بے خبر سو رہی تھیں اور ان کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے ــــ

وہ ایک منٹ میں سو جاتیں اور فوراً ہی خراٹے اپنا کاروبار شروع کر دیتے تھے۔
ایک بجے کی دوا کی خوراک امی کو پلا کر وہ ان کے پاس آ بیٹھی
امی اُسے دیکھتی رہیں، دیکھتی رہیں اس کی خواب آلود آنکھیں ان کی ادھ کھلی آنکھوں کو حیرت سے تک رہی تھیں۔
"سو جایئے امی ــــ" اس نے کہا تو انھوں نے اپنا نحیف ہاتھ اٹھا کر اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا ــــ اس کے کان میں امی کے سینے کی دھیمی دھیمی دھڑکن کی آواز آ رہی تھی ــــ آنکھیں امی کی چمکدار شربتی آنکھوں سے لڑی تھیں اور ذہن بس ایک ہی بات سوچے جا رہا تھا ــــ 'کیا حوروں کی ایسی ہی صورت ہوتی ہے؟"
"میری جان ــــ میری بچی ــــ میری ہمّی ــــ" بڑی دبے لہجہ وہ بولیں اتنے آہستہ جیسے سرگوشی کر رہی ہوں!
"جی امی جان ــــ" وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی!
"کیا کہوں تجھ سے ــــ میری بچی ــــ تو اتنی چھوٹی ہے ــــ پر ایک بات یاد رکھیو ــــ جو لوگ خدا کی محبت دل میں بسا لیتے ہیں ــــ ان کے لئے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے ــــ بس ایک تو اپنے پر سے بھروسہ نہ اُٹھے ــــ دوسرے اپنے خالق پر عقیدہ قائم رہے ــــ پھر ہر منزل ــــ ہر منزل آسان ہو جاتی ہے میری جان!" اور وہ تھک سی گئیں ــــ آنکھیں بند کر لیں!
"امی ــــ امی جان ــــ ذرا سونے کی کوشش کیجئے ــــ" بس وہ اتنا ہی کہہ سکی۔
"سونے کی کوشش!" ایک حزیں مسکراہٹ ان کے لبوں پر

پھیل گئی۔

"بیٹے اب تو کسی کوشش کے بغیر ہی نیند آئی جا رہی ہے——"

"یہ تو بہت اچھا ہے امی —— کئی راتوں سے آپ کو اچھی نیند نہیں آئی——" اس نے ان کو ٹھیک سے دلائی اڑھائی —— اور خود جاگنے کی کوشش کرتی رہی "نہیں سوؤں گی —— نہیں سوؤں گی ——" وہ بار بار سر کو جھٹکا دیتی —— مگر کئی راتوں کی جاگی تھی —— ارادے نے ساتھ چھوڑ دیا —— ذرا سی جگہ امی کی پائنتی اس نے بنائی اور ان کے سرد پیروں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر ان کی دلائی میں چھپ گئی!

کتنے سرد ہیں ان کے پاؤں!

اس نے ان کو اپنے سینے سے دبالیا۔

کتنے سیک، کتنے پیارے ہیں میری امی کے پاؤں!

ایسے ہی پاؤں کے نیچے تو جنت ہوتی ہے نا!

اف کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں!

اس نے ان تلوؤں کو اپنی آنکھوں سے لگالیا۔

آہ —— یہ کیا —— امی کے پاؤں غائب ہو گئے۔

بس —— چنبیلی کے پھولوں کا ایک ڈھیر اس کے سینے پر پڑا ہے۔

خوشبودار، سفید ٹھنڈے ٹھنڈے پھول —— ایک برف سا ٹھنڈا چشمہ اس کے پیروں تلے بہہ رہا ہے۔

جنت ——

جنت ——

وہ ان پھولوں کے ساتھ ساتھ، پھولوں کی کشتی میں سوار تیرتی

سے بہتی جا رہی ہے ــــــ بہتی جا رہی ہے ــــــ چشمے کے دوسرے کنارے پر امی کھڑی مسکرا رہی ہیں ــــــ وہی حسین ، دلکش مُسکراہٹ ، وہی چمکیلی گہری گہری شربتی آنکھیں ــــــ حوروں کا سا نورانی چہرہ ــــــ اور سفید چمکیلا لباس!

" امی ــــــ امی ــــــ امی ــــــ "

وہ نیچے نیچے کہیں ڈوبی جا رہی ہے ــــــ دھنسی جا رہی ہے .....

سردی کی لہر ٹانگوں سے ہو کر پیٹھ تک اُسے سُن کر چکی ہے!

آہ!

رات ہو گئی!

مقصود کیا سوچ رہا ہوگا۔

سب لوگ پریشان ہوں گے۔

کس طرح اپنے جکڑے اعضا کو ہلانے میں کامیاب ہو کر وہ اُٹھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ سامنے سے مقصود ایک بڑی سی ٹارچ لئے آتا نظر آیا۔

" سبحان اللہ ــــــ یہاں تشریف رکھتی ہیں موصوفہ! دفتر سے آئے تین گھنٹے ہو گئے ــــــ دنیا بھر میں ڈھونڈ ڈالا ــــــ آپ یہاں بیٹھی جھیل کی سیر فرما رہی ہیں ــــــ عجیب عورت ہے ــــــ "

تصوّر کی دنیا لٹ گئی۔ اب وہ پھر حقیقت کی کالی پتھریلی چٹانوں پہ بھٹک رہی تھی!

۴۔

"نصرو چاچا ۔۔۔ یہ پلنگ دھوپ میں ڈال دو ۔۔۔ دیکھنا کھٹمل نہ ہوں ۔۔۔"

"ہاں ہاں میاں ضرور ۔۔۔" ان کی بوڑھی پوپلی ہنسی میں دبی خوشی جھلک رہی ہے۔

"کمرے کی دری جھاڑ کر بچھا دو ۔۔۔ بہو ۔۔۔ ارے بہو بیگم ۔۔۔ اس کمرے کی خوب اچھی طرح صفائی کر دینا ۔۔۔ ذرا بھی گرد مٹی نہ رہے ۔۔۔ ورنہ ۔۔۔"

"قربان جاؤں میاں ۔۔۔" بڈھی "بہو" نے گھونگھٹ ذرا سا اور آگے سرکا لیا۔ "قربان جاؤں میری بی بی آ رہی ہے ۔۔۔ میں تو ایسا چمکا دوں گی۔ ایسا ۔۔۔ جیسے ۔۔۔ چاندی ۔۔۔"

"کیا کہنے تمہارے بہو جی ۔۔۔ اور ہاں ۔۔۔ عمران بیٹے ۔۔۔ ذرا اپنی ماں سے کہنا وہ قالین ۔۔۔ ارے بھئی وہی جو میں نے جیل سے خریدا تھا۔ وہ نکال دیں ۔۔۔ دری پر ایک طرف بچھا دینا ۔۔۔ نماز وغیرہ پڑھنے کے لئے"

"اچھا ابو ۔۔۔"

"ذرا ٹھہیرو تو ۔۔۔ اور یہ نگین کہاں چھپی ہوئی ہے ۔۔۔ اپنی پھپھو کے کمرے کو ذرا سجا دیتی پھولوں وولوں سے ۔۔۔ اور ہاں ۔۔۔

وہ حیدر آبادی پلنگ پوش ـــــ میری الماری میں رکھا ہے ـــــ وہ پلنگ پر بچھا دینا ـــــ بستر تو وہ لائے گی!"

"بابا آپ ذرا دیر آرام کر لیجئے ـــــ صبح سے یونہی کھڑے ہیں"

"مجھے پیدا کیا ہے ـــــ وہ دیکھنا ـــــ وہ جو چھوٹی میز ہے نہ دریا کی طرف کی صحنچی میں ـــــ اُسے صاف کر کے ـــــ میز پوشی بچھا کر پلنگ کے برابر لگا دو نصرو چاچا ـــــ"

"ہاں ہاں میاں سب ہو جاوے گا ـــــ تم آرام سے بیٹھ جاؤ ـــــ بس دیکھتے رہو ـــــ" اور پھر نصرو چاچا کی وہی بے وجہ کی پوپلی ہنسی! وہ بھی ہنس پڑا۔

"بڑے خوش ہو آج چاچا"

"میری بٹیا آرہی ہے نا ـــــ"

"ہاں سال بھر بعد ـــــ مگر کس حال میں ـــــ" اور ایک دم اس کی آواز بھرا گئی!

"اس کی بٹیا بھی آرہی ہے نا ـــــ" نصرو چاچا اپنی ہی ہانکے جا رہے تھے۔

"پتہ نہیں ـــــ زہرا نے کچھ لکھا نہیں ـــــ"

دھڑ سے دروازہ کھلا۔

"صبح سے یہ وقت آ گیا، ایک ٹانگ سے کھڑے ہو ـــــ طبیعت خراب ہو گئی تو مصیبت ہماری ـــــ" رضوانہ کو غصہ آ رہا تھا۔

اس نے ایک نظر بیوی پر ڈالی۔ بے بس، معذور، مجروح نظر ـــــ اور جواب کی جگہ ایک دبی، گھٹی لمبی سانس سینے سے نکل گئی!

"یہ گردے ، منی یہ تھکان تمہارے لئے کتنا مضر ہے —— کل ہی کہہ رہے تھے کہ رات بھر بیٹھا رہا ہوں —— مگر لاڈلی بہن آ رہی ہے —— اب نہ کھانسی کی فکر ہے نہ بیماری کی —— "

وہ یوں تخت پر بیٹھ گیا جیسے کھڑے رہنے کی طاقت نے جواب دیدیا ہو۔ وہ "جوش مسرت جس نے سب کچھ بھلا رکھا تھا سب غائب ہو گیا۔

"اچھا اب بات مان لو —— لیٹ جاؤ جا کر —— آخر زہرا سے میرا بھی کوئی رشتہ ہے —— کیا مجھے نہیں معلوم کہ وہ بھی اپنے بھیا کی طرح نازک ، نازک مزاج ہیں —— میں ان کا آرام کا سب انتظام کر دوں گی —— " لہجے میں اب طنز نہیں اپنایت تھی مگر اس کے دل میں تو پہلا جملہ چبھ رہا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں —— سب کام ہو گیا ہے ۔"

آہستہ سے بولے "خواہ مخواہ میری بہن کے لئے کوئی کیوں زحمت کرے"

"کیا کیا کہہ رہے ہو ؟ " اس نے جواب نہیں دیا۔

"جاؤ عمران بیٹے اپنے ابو کو لٹا دو اور نگو کو بھیج دو —— کام سب میں کرائے لیتی ہوں —— آخر صبح سے میں جتی ہوں —— میں کب بیٹھنی ہوں۔ لیکن ان کو شوق ہے اپنے کو ٹھٹلانے کا —— "

علی میاں چپکے سے اٹھے اور کمرے میں جا کر لیٹ گئے —— دوسرے کمرے سے بیوی کی آواز آ رہی تھی۔

"ایک دن ایک رات ہے۔ ابھی بہن کے آنے میں مگر ان کو تو ہر بات میں جلدی اور گھبراہٹ ہوتی ہے —— خواہ مخواہ سب کے ہاتھ پیر پھلا دیتے ہیں —— اپنے سے اب کچھ ہوتا ہوا تا نہیں اور دوسروں کا کیا پسند نہیں آتا۔ بس بس نصرو تم رہنے دو اپنی قابلیت —— اپنے اسن بھیا ہی کو مشورے

دینا ——— ہاں ہاں نگو ——— اسی پلنگ کو وہاں کھڑکی کے پاس سے ہٹا کر ادھر بچھوا دے ——— بھلا پوچھو ——— اگر مجھ سے کہا ہوتا تو کیا میں ان کی چہیتی بہن کے لئے کمرہ نہ سجاتی ! ——— میں کل صبح سب کرا دیتی ——— خدا کے واسطے بہو تو یہاں سے چلی جا ——— خواہ مخواہ سارے کمرے کو گرد سے بھر دیا ——— ہنہہ میں ہوں کس گنتی شمار میں ——— لونڈی ہوں ——— دن رات ان کی اور ان کے بچوں کی خدمت کرتی رہوں ——— ہائے جس کے ماں باپ نے پھولوں میں تولا ——— ہر ناز اٹھایا ۔ وہ یوں دکھ سہہ رہی ہے ——— ممی ——— ہائے ممی تم نے مجھ سے کب کی دشمنی نکالی ۔ ہاں ہاں جا جا ——— بس اب شام کو آیئو ——— نگو ——— تم جاؤ اب پڑھو ۔ امتحان سر پر ہے ۔

آج میری طبیعت بہت خراب ہے ——— میری صحت کی پرواکسے ہے ——— یاں دوسرے اچھے بھلے ، کام وام چھوڑ کر بیمار بن جائیں تو کوئی نہیں کچھ کہتا "

" خدا کے واسطے ممی چپ ہو جایئے ——— ابّو برابر کے کمرے میں ہیں "

" ہاں ہاں تم سب مل کر میرا گلا گھونٹ دو ——— زبان کاٹ ڈالو ——— ہائے میرا یہاں کون ہے ——— ایک چاہنے والا بیٹا تھا وہ بھی ان کی باتوں کی کارن پردیس سدھارا ——— چھوٹے بھیا سینکڑوں میل دور پرائے دیس میں ہیں ، بڑے بھیا کو اپنے کاموں سے کہاں فرصت کہ دکھیا بہن کا خیال کریں اور وہ بھابی بیگم ——— ہے ہے ——— کیا میاں کو قابو میں کیا ہے ——— ایک ہم ہیں ——— ہائے میرے اللہ ——— "

رضوانہ نے رونا شروع کر دیا تھا وہ تخت پر بیٹھی تھی اور اس کے چاروں طرف مہترانی ، نصرو چاچا ، عمران ، نگو اور بوڑھی لوا کھڑی تھیں ! عمران کا منہ غصے سے لال ہو رہا تھا اور نگو ماں کے ساتھ بسور بسور کر رو رہی تھی ۔

"ممی آپ کو کیا ہو گیا ہے ؟ میں نے آخر کیا کہا جو آپ یوں بگڑ رہی ہیں اور ابّو بچارے، تو ایک لفظ نہیں بولے ۔ پھر بھی آپ مظلوم ہیں ...... بگڑ آپ رہی ہیں ــــ رو آپ رہی ہیں ــــ اور دنیا کو اپنا تماشا دکھا رہی ہیں۔

اس کی جاں سوکھی جا رہی تھی کہ بابا ممی کی باتیں سن رہے ہوں گے۔ وہ ان کے کمرے میں گیا وہ رضائی اوڑھے، گاؤ تکیئے پر اوندھے لیٹے تھے ــــ سانس پھول رہا تھا اور تکیئے کا ایک حصہ بھیگا ہوا تھا ــــ پڑوسن ساوتری، ماسی اور ان کی شہر سے آئی ہوئی بہو وندنا کھڑکی میں کھڑی ہونٹ دبا دبا کر، مسکرا مسکرا کر آپس کھسر پھسر کر رہی تھیں۔

جلتے بھلستے دو آنسو اس کے نوعمر حساس چہرہ پر لڑھک آئے ــــ وہ نہ بابا سے کچھ کہہ سکتا ہے، نہ ممی کو سمجھا سکتا ہے، نہ نوکروں اور پڑوسیوں کی نظریں برداشت کر سکتا ہے! گھبرا کر وہ ڈیوڑھی سے باہر نکل گیا ــــ" اچھا ہوا بھائی صاحب سب ہنگامے چھوڑ کر پاکستان چلے گئے ــــ اس گھر میں یو رہے وہ پاگل ہو جائے ــــ" اس نے ہرے بھرے کھیتوں کے مینڈھ پر بیٹھے بیٹھے سوچا۔ "کیا زندگی ہے ہماری بھی"

سامنے سے اسکول کے ساتھی آتے نظر آئے سب بھول بھال وہ کود کر کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ دریا کی سمت چل پڑا ــــ مچھلی کا شکار کرتے۔

چھٹپٹے کے وقت وہ گھر میں داخل ہوا۔ بال بکھرے، کپڑے میلے، منہ اترا ہوا ــــ ڈرتے ڈرتے اندر جھانکا ــــ ابوالحسن میں پیٹھ پر ہاتھ باندھے بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ وہ چپ کے سے اندر گھسا ماں کے پاس جانا چاہتا تھا کہ

بابا کی کڑکتی آواز نے پیر پکڑ لئے " صاحبزادے "

"جی ابو ــــــ"

" کہاں تھے صبح سے جناب ؟"

وہ سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

" صبح سے جو غائب ہوئے تو اب صورت دکھائی ہے ـــــ نہ کھانا کھایا ؛ اسکول کا کوئی کام کیا ـــــ ذرا اپنی حالت تو دیکھو ـــــ کہاں تھا ؟"

" جی وہ ذرا ـــــ اجمل اور امر سنگھ کے ساتھ کرکٹ ـــــ"

" آٹھ گھنٹے کرکٹ کھیلتے رہے ؟ خوب ـــــ تم بھی اسی ڈگر پر جا رہے ہو ـــــ آہ ـــــ یہ میری بھول تھی ـــــ سمجھتا تھا شاید تم ہی سنبھل جاؤ گے۔ شاید میری تمنا بر آجائے گی ـــــ"

الفاظ بابا کے منھ سے نکل کر اس کے دل میں تیر کی چبھ رہے تھے۔ اس کا جی چاہا وہ ان کے پیر پکڑ لے، گلے میں باہیں ڈال دے، ان سے معافی مانگ لے۔ ان سے وعدے کرے کہ آئندہ کوئی ایسا کام نہ کرے گا جس سے انھیں دکھ ہو۔ اسی ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی ممی کی محبت میں ڈوبی آواز نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

"آ میرے لال ـــــ کہاں تھا صبح سے ہائے اللہ اس نے اب تک کچھ کھایا نہ پیا ـــــ کیا ذرا سا منھ نکل آیا ہے ـــــ چل کھانا کھالے ـــــ"، انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑا گھسیٹا۔

باورچی خانہ میں انھوں نے بڑے پیار سے اس کے سامنے سینی میں کھانا رکھا اور اپنے خیال میں بہت دھیرے سے بولیں ـــ وہ کیا جانتی تھیں کہ وہ آہستہ بول ہی نہیں سکتیں۔

"ان کا تو مزاج ہی خراب اور اب تو ــــــ اللہ پناہ میں رکھے ــــــ ہر وقت بچوں کو ڈانٹے پھٹکارتے رہتے ہیں ــــــ جیسے خود بڑے تقویٰ پرہیزگار نہے بچارے ــــــ ساری عمر کھیل کود، تفریح میں گنوائی ــــــ ان کے بھی تو کھانے کھیلنے کے دن ہیں یہ نہیں سوچتے ــــــ بھلا اس عمر میں بچے باپ کے کولھے سے لگ کر بیٹھتے ہیں ــــــ اپنا وقت بھول گئے ــــــ"

ممی کی مشین چلتی رہی ــــــ مگر اس وقت ان کی کوئی بات اسے بری نہ لگ رہی تھی ــــــ "سچ تو ہے ممی ہم لوگوں سے اتنی محبت کرتی ہیں بچاری۔ دن رات مصیبت بھگتتی رہتی ہیں ــــــ بابا کا کیا ہے وہ تو چاہتے ہیں کہ بس آدمی مشین بن جائے ــــــ اور ممی ــــــ ہمیشہ جب بابا ڈانٹتے ہیں تو اسے بچا لیتی ہیں ــــــ ڈانٹتی وہ بھی ہیں ــــــ مگر اس کی پرواکون کرتا ہے ــــــ عادت ہے بچاری کی ــــــ" وہ کھاتے کھاتے ممی کو مچھلی کے شکار کے کرکیٹ کے قصے، اجمل اور امر سنگھ کی باتیں سناتا رہا اور بابا اور ان کی حالت کو اس کا نوجوان ذہن بھول گیا۔ نگین آپ بڑی دیر کا سے کڑھ رہی تھیں۔ آخر ضبط نہ کرسکیں۔

"تم تو یہاں بھی مزے میں ہو، جب جی چاہا باہر نکل گئے سیر و تفریح میں سارا دن گزار آئے ــــــ مصیبت تو میری ہے اس قید خانے میں پڑی رہتی ہوں ــــــ صحت میری خراب ہوئی جا رہی ہے ــــــ اور ــــــ"

"اور دماغ تو خراب ہے ہی ــــــ" مسکرا کر عمران نے کہا اور نگین بھڑک اٹھی ــــــ "تمہارا دماغ خراب ہے ــــــ"

"اچھا لو غصہ تھوک دو ــــــ سنو آج یہاں نشاط میں مغلِ اعظم لگی ہے ــــــ چلتی ہو دیکھنے؟"

نگین غصہ وصہ بھول گئی "بابا بھلا جانے دیں گے ــــــ اور یہ سینما ہال

تو بڑا گندہ ہے ـــــ گنوار لوگ دیکھنے آتے ہیں ـــــ زرا بھی مزا نہیں آتا۔ ہائے شہر کے کیسے شاندار صاف ستھرے، حسین پکچر ہاؤس تھے۔"

"تو گھر میں پڑی جھینکتی رہو ـــــ"

"پڑی تو ہوں ہی ـــــ ابّو کا موڈ یونہی خراب ہے ـــــ کون ان سے اجازت لے گا ؟" نگین نے رونا شروع کر دیا۔

"اُنہہ جب میں ساتھ جاؤں گی تو وہ کون ہیں روکنے والے ـــــ" ماں نے بیٹی کو دلاسا دیا۔

"ہائے میری ممی ڈارلنگ ـــــ پیاری ـــــ کتنی اچھی ہیں میری ممی۔" دونوں ماں کے گلے میں باہیں ڈال کر مُنھ چومنے لگے ـــــ "اچھی ممی۔ پیاری ممی ـــــ گرینڈ ممی ـــــ"

"ارے ہٹو ـــــ مجھے یہ چوچلے نہیں بھاتے ـــــ"

دونوں نے دوسرے کو اشارہ کیا اور ماں کے پاس سے اٹھ کر دریا کی طرف والے دالان میں جا بیٹھے ـــــ "پرسوں تو پھپو آجائیں گی۔ ان کے آنے کے بعد تو پاپا اور زیادہ سختی کرتے ہیں ـــــ"

"یا پھر یہ اصرار ہوگا کہ پھپو کو بھی لے جاؤ ـــــ بھلا ان کے ساتھ فلم دیکھنے میں کیا مزا آئے گا ـــــ اس قدر ٹھس ہیں بچاری ـــــ ہماری ممی کتنی اچھی ہیں ـــــ ہر بات میں بچوں کا خیال کرتی ہیں۔۔۔ ـــــ"

"خیر پھپو بچاری اب پکچر وکچر کیا جائیں گی ـــــ مگر وہ ان کی لقراط صاحبزادی ـــــ"

"ہما آپی ـــــ! توبہ ہے ان سے ـــــ پھپو سے بھی زیادہ قابلیت بگھارتی ہیں ـــــ"

"بابا — آج خفا کیوں ہیں اتنے ؟"

"ارے وہی صبح ممی کو غصّہ جو آ گیا تھا خواہ مخواہ — وہ کچھ سوچتی سمجھتی تو ہیں نہیں — سب باتیں بابا سُن رہے تھے۔ بس تبھی سے بچارے چپ چاپ ہیں —"

"بڑے بچارے ہیں — تم تو ہمیشہ ممی کو الزام دیتے ہو۔ یہ نہیں دیکھتے یہاں آ کر ان کی صحت خراب ہو گئی ہے — کام کتنا کرنا پڑتا ہے اور پھر —"

"صحت تو بابا کی بھی بہت خراب ہے — مگر کوئی ڈھنگ کا علاج تو ہوتا نہیں —"

"ضد کرتے ہیں نا — اسی پر تو ممی کو غصّہ آتا ہے — اور کبھی۔ بابا کو تو وہم زیادہ ہے — مگر ممی کی طرف سے مجھے بہت فکر ہے — نہ کوئی اور ان کی صحت کا خیال رکھتا ہے نہ وہ خود —"

"تو تم کیوں نہیں ان کی صحت کا خیال رکھتی ہو؟"

"میں ہی تو رکھتی ہوں اور کس کو ان کا خیال ہے — مگر اتنا کام جو کرتی ہیں —"

"تو تم اتنی بڑی لڑکی — ساتھ کام کیوں نہیں کراتیں !"

"میں — میں ہی مصیبت بھگتی ہوں — ناشتے کھانے کے برتن لگاتی ہوں — صبح کو بستر تہہ کرتی ہوں اور —"

"ہنہہ — یہ بھی کوئی کام ہیں —"

اسے تم کام کرنا کہتی ہو —"

"تو تم کون سا کام کرتے ہو — صبح سے پڑے اینڈا کرتے ہو۔ میں تو امتحان کی تیاری کرتی ہوں — اور تم امر سنگھ اور اجمل کے

ساتھ لوفنگ کرتے پھرتے ہو ——— آوارہ لڑکے ہیں سب ———"

"تم نے میرے دوستوں کو کچھ کہا تو اچھا نہ ہوگا ———"

"کیا کر لوگے تم میرا ———"

"میں اکیلا چلا جاؤں گا فلم دیکھنے ———"

"جا چلے ——— یہ تو ممی کے جوتیوں کے صدقے میں فلم دیکھنے کو ملے گا اور وہ میرے بغیر کبھی نہیں جائیں گی ———"۔

"ای ——— ای ——— ای ———"

"بدتمیز ——— منھ چڑاتا ہے ——— اتنا بڑا لومسٹر ہو گیا مگر"۔

عمران دالان سے باہر نکل آیا ——— پاپا پلنگ پر پیر لٹکائے سر جھکائے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے ۔ دو بارہ ان کے سامنے سے گزرا ۔ مگر انھوں نے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا ——— نہ اتنی دیر میں کتاب کا کوئی ورق پلٹا۔

رضوانہ نے اندر جا کر ساڑھی پہنی ، سر گوندھا ، کالا ریشمی برقعہ جو صرف یہاں وہ مجبوراً استعمال کرتی تھی نکال کر نگین کو آواز دی کہ زرا استری کر دو ——— اور پھر میاں کے پاس آئیں ——— وہ اسی طرح بیٹھے پڑھتے رہے ، سر بھی نہ اٹھایا۔

"زرا سنو ———"

"کہو ———"

"تمہارا جی آج کیسا ہے ———"

"کیوں ——— میرے جی کو کیا ہوا ہے ———" لہجے میں طنز تھا کہ درد ؟

رضوانہ تو طنز ہی سمجھی ۔

"اسی لئے تو میں تم سے کچھ کہتی سنتی نہیں ہوں ـــــ کبھی سیدھا جواب نہ دیں گے ـــــ" وہ خاموش رہے۔

"میں یہ کہنے آئی تھی کہ پڑوسن کی بہو بہت اصرار کر رہی ہے کہ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ جا کر مغلِ اعظم دیکھ آؤں ـــــ تم کہو تو چلی جاؤں۔"

"ضرور!"

"نگین اور عمران کو بھی لے جاؤں ـــــ؟"

"نگین کو لے جاؤ ـــــ وہ سارا دن پڑھتی رہی ہے ـــــ مگر عمران صاحب تو سارا دن کی آوارہ گردی کے بعد ابھی تشریف لائے ہیں ـــــ کل اسکول جانا ہے ـــــ کچھ کام نہیں کرے گا اسکول کا ـــــ؟"

"آتے آتے رات ہو جائے گی ـــــ اس اجڑی بستی میں سویرے سے تو سناٹا پڑ جاتا ہے ـــــ جوان لڑکی ساتھ ہے ـــــ صبح سویرے سے اٹھ کر پڑھ لے گا ـــــ"

"یہ کہو کہ جانے کا فیصلہ ہو چکا ہے ـــــ تو جاؤ ـــــ پوچھنے کی زحمت کیوں کی جا رہی ہے ـــــ"

"فیصلہ ویصلہ کچھ نہیں ہوا ہے ـــــ تم تو خواہ مخواہ بگڑنے لگتے ہو ـــــ بچے بچاروں کی تفریح کا سامان ہی کون سا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ ان کے بہلنے ذرا دیر کو میرا بھی جی بہل جائے گا ـــــ"

"تو جائیے نا ـــــ میں منع کب کر رہا ہوں ـــــ"

"نو بجے تک آ جائیں گے ـــــ تم کھانا کھا لینا ـــــ نصرو کھلا دیں گے ـــــ تمہارے لئے تھوڑا سا گوشت الگ پکا ہوا نعمت خانے میں رکھا ہے ـــــ" وہ بات کرتے کرتے اندر چلی گئیں۔ علی میاں خاموش

بیٹھے رہے ـــــ بچوں نے سہمے ہوئے آکر آہستہ سے کہا ـــــ " الیوہم جا رہے ہیں ـــــ " رضوانہ سامنے سے گزریں پکارتی ہوئی۔

" نصرو دروازہ بند کر لینا ـــــ کتا ؔ و تا نہ آجائے ـــــ " نصرو چاچا نے دروازہ بھیڑا ـــــ کچھ دیر " لن میاں " کے پاس کھڑے رہے ـــــ پھر جا کر کوٹھری میں حقہ پینے لگے ـــ مگر وہ اس طرح بیٹھے رہے! شام گہری ہوگئی! مولیشیوں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کی دردناک موسیقی فضا میں بکھری اور غائب ہوگئی ـــــ کسی البیلے نوجوان کی بانسری کی لمبی تان گونجی اور دھیرے دھیرے آواز دور ہوتی گئی ـــــ رات کی سیاہی آہستہ آہستہ بڑھی اور سارے سنسار پر چھا گئی۔

وہ ان سب باتوں سے بے نیاز ، دونوں ہتھیلیوں کے پیالے میں ٹھوڑی ٹکائے سامنے دیوار کے اکھڑے چونے کو تکتے خیالات کے تانے بانے میں اُلجھے رہے!

" اماں ـــــ اماں ـــ آپ تو مجھے بہت چاہتی تھیں ـــــ دنیا میں سب سے زیادہ اپنے اکلوتے بیٹے سے محبت تھی آپ کو بابا ـــــ آپ کو بڑا ناز تھا اپنے بیٹے پر ـــــ کیسے کیسے خواب دیکھتے تھے ـــــ یہ بنے گا ـــــ وہ بنے گا ـــــ دنیا اسی کے لئے سورگ ہوگی ـــــ کامیابی کامرانی اور خوشی کی جنت !

" کہاں ہیں ـــــ کہاں ہیں آپ دونوں ؟ پھر کہیئے ـــــ کہیئے نا ـــــ کتنی پیاری لڑکی ہے ـــــ سیرت میں حور ، صورت میں پری اس کے ساتھ

ہمارے بیٹے کی زندگی بہت اچھی گزرے گی ــــــ"

"میرے لال بڑی اچھی لڑکی ہے ــــــ پھر اس کے باپ کے پاس دولت ہی نہیں رسوخ بھی ہے ــــــ تمہیں اچھی سے اچھی نوکری مل جائے گی۔ چاہو گے تو وہ لوگ ولایت بھی بھیج دیں گے" اوہ! کیسے کیسے لالچ دکھائے جاتے رہے۔

جنھوں نے مجھے جنم دیا ــــــ پالا پوسا ــــــ کبھی میری طبیعت اور مزاج کو نہ سمجھے۔ عہدہ، دولت، ولایت ــــــ ہوس ــــــ گویا میری زندگی کی بس یہی قیمت ہے ــــــ میری پسند خواہش کوئی چیز نہیں!

میں چپ رہا مگر زہرا کتنی بار ان سے اُلجھی! بحثی۔ لڑی۔ ہاں ــــــ بس وہ تھی جو میرے دل کی حالت سمجھتی تھی ــــــ کیوں نہ سمجھتی! ہم ایک ساتھ پیدا ہوئے ــــــ ایک ساتھ پلے بڑھے ــــــ ایک دوسرے کی پسند، طبیعت رجحان، خوشی، ناراضگی سبھی کو سمجھتے تھے ــــــ کبھی تو محسوس ہوتا وہ مجھ سے زیادہ ہی مجھے سمجھتی ہے ــــــ میں کم گو تھا ــــــ دبّو تھا ــــــ ہمّت ہار دیتا تھا ــــــ وہ میری طرف سے ہمیشہ سب سے لڑتی ــــــ اس وقت بھی وہ لڑ رہی تھی ـــ بے میرے کہے میری وکالت کر رہی تھی۔

"اماں رضوانہ بہت اچھی ہے۔ حسین، دولت مند، نیک سلیقہ شعار سب کچھ سہی ــــــ مگر ان کا اور بھیا کا مزاج مختلف ہے ــــــ طبیعت اور ہے ــــــ ان کا نباہ کیسے ہوگا ــــــ"

"ایک سے مزاج والوں کا نباہ زیادہ مشکل ہوتا ہے بیٹی ــــــ ایک نرم ایک گرم ہو تو اچھی زندگی گزرتی ہے۔"

عجیب منطق تھی وہ ساری دنیا کو اپنے اور بابا کے مزاج پر ید کھتی

تمہیں ۔

"یہ تو آپ عجیب بات کہہ رہی ہیں ـــــ اور پھر جب بھیا راضی ہی نہیں ـــ تو کیا آپ زبردستی ان کی شادی کر دیں گی ـــــ"

"کون کہتا ہے وہ راضی نہیں ـــــ تو ہی خواہ مخواہ بہکا تی ہے ـــ اس نے تو ایک لفظ بھی نہیں کہا ـــــ"

"کیا دنیا میں لفظ ہی سب کچھ ہے ـــــ آپ ان کی حالت نہیں دیکھتیں؟ کتنے فکرمند کتنے اداس ہیں ـــــ رات کو سوتے نہیں ـــــ آپ ایک بار اور ان سے پوچھ لیجئے نا ـــــ"

برابر کے کمرے میں ایک ایک بات سن رہا تھا ـــــ جی چاہتا اٹھ کر جاؤں اور صاف کہہ دوں کہ میں ابھی دس برس بیاہ نہیں کروں گا ـــــ مگر اماں کی خفگی، بابا کا غصہ! کیسے سہوں گا؟ تو پھر ایسی لڑکی سے بیاہ کر لوں گا جسے میں نے صرف دور سے دیکھا ہے؟ جس سے مجھے ذرا بھی لگاؤ نہیں ـــــ جس کے مزاج اور طبیعت سے ابھی سے ایک خوف دل میں بیٹھ گیا ہے؟

"نہیں نہیں ـــــ اب کی اماں پوچھیں گی تو میں صاف انکار کر دوں گا۔ شاید وہ ادھر آ رہی ہیں مجھ سے پوچھنے ـــــ اور پھر اچانک میرے کان میں اس کا نام پڑا ـــــ اوہ! یہ چڑیل کیسے اس قدر ہمت کر لیتی ہے ـــــ کیسے دوسروں کے دل کی بات سمجھ لیتی ہے۔

"بھلا اس سے اچھی بہو آپ کو کہیں مل سکتی ہے اماں؟ دل و جان سے محبت کرنے والی، اطاعت گزار، سلیقہ مند ـــــ اور پھر ـــــ اس کے اور بھیا کے مزاج میں طبیعت میں خیالات میں ـــــ"

"بس چپ ہو جا ـــــ اب ایسی بات منھ سے نکالیو ـــــ بے سوچے

سمجھنے لگتی ـــــ بھلا میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قسمت یوں کیسے پھوڑ دوں ؟ میرا کوئی ارمان نہ نکلے ـــــ "

"آپ کو ارمان نکالنے ہیں یا بھیا کی زندگی بنانی ہے ـــــ ؟"

میں نے کہہ دیا ـــــ اگر تو نہیں چاہتی کہ اس بیماری اور بے سہارا حالت میں زینب کو میں کہیں اور بھیجدوں تو آئندہ یہ نام نہ لیجیو ! لو ـــــ صاحب ـــــ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ محبت ، یہ اپنا پیت ، یہ دوستی ـــــ اسی لئے ہو رہی ہے ـــــ اس لئے خالہ کو بھانجے کی مامتا پھٹی پڑتی ہے ـــــ" اور اسے لگا کوئی چیز اندر سے چیخ کر دو ہو گئی ـــــ اماں ـــــ ، زور سے زہرا چیخی .

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ـــــ ان غریب کو تو اس کا خیال بھی نہیں ـــــ اور نہ بھیا کو خبر ہے ـــــ یہ تو میں نے اپنے دل کی بات کہی تھی ـــــ "

" تو کون ہوتی ہے ـــــ میرا بیٹا ہے بس جو چاہوں گی کروں گی "

' اماں ، رو کر زہرا نے کہا ـــــ "آپ ایک بار صرف ایک بار بھیا سے پھر پوچھ لیجئے ـــــ میں قسم کھاتی ہوں کہ ان سے کچھ نہیں کہوں گی "

اور پھر اس رات اماں نے مجھے کلیجے سے لگا کر رو رو کر کہا ـــــ "میرے بچے - کیا میں تیری دشمن ہوں ؟ مجھ سے اپنے دل کا حال کیوں نہیں کہتا ـــــ تو کیوں شادی کے خلاف ہے ـــــ رضوانہ میں کیا برائی ہے ـــــ ؟"

اور میں کچھ بھی نہ کہہ سکا ـــــ نہ رضوانہ کی کوئی خامی بتا سکا ـــــ نہ زہرا کی بات کی تائید کرنے کی ہمت ہوئی ـــــ بس اتنا کہا " ابھی آپ کو ایسی جلدی کیا ہے ـــــ میری عمر بیس ہی برس کی تو ہے ـــــ ابھی میری تعلیم بھی تو مکمل نہیں ہوئی ـــــ اس عمر کا مرد بہت بے وقوف ہوتا ہے اماں ـــــ مجھے ایم ـ اے ـ کرنا ہے ـ ڈاکٹریٹ کرنا ہے ـــــ چھ برس کے بعد جو آپ

کہیں گی وہ کروں گا ـــــ ابھی تو آپ زہرا کی شادی کی فکر کیجیے ـــــ اس عمر کی لڑکی بہت سمجھدار، بہت عقلمند ہو جاتی ہے ـــــ "

اماں کچھ بولی نہیں ـــــ تیوری پر بل ڈال کر چپ ہو گئیں ـــــ اور میں نے سمجھا بات ختم ہو گئی!

دو دن گھر میں سناٹا رہا ـــــ اور ـــــ

تیسرے دن ـــــ

خالہ امی کی طبیعت بگڑ گئی!

ہائے خالہ امی ـــــ دنیا نے آپ کو کیسے کیسے دکھ دیئے؟

آپ کے مزاج کی نرمی، محبت کی گرمی، سیوا کی لگن قربانی کا بے پناہ جذبہ، پریوں کی سی صورت اور فرشتوں کی سی سیرت، ایک بات کی بھی تو دنیا نے قدر نہ کی ـــــ مگر کبھی منہ سے شکایت کا ایک بول نہ سنا کسی نے آپ کے منہ سے شمع کی طرح، اندر اندر پگھلتی رہیں اور ایک دن چپ کے سے اس دنیا سے چلی گئیں!

کیا یہ دنیا سب بے زبان اور دکھ جھیلنے والوں کو یونہی ستاتی ہے؟ کیا یہ دنیا صرف چیخنے چلّانے والوں، مطالبہ کرنے والوں، خود غرضوں، خود پرستوں، بدمزاجوں کی دنیا ہے؟

کیا کبھی وہ صبح کو بھلا سکا میں؟

اس رات بار بار مجھے خیال آتا رہا کہ خالہ امی کی حالت اچھی نہیں ہے۔ حمران کے پاس اکیلی ہے ـــــ پہلے کی سی بات ہوتی تو رات کو بے دھڑک ان کے کمرے میں چلا جاتا ـــــ مگر زہرا کی ذرا سی بات اور اماں کے دو نشتر جیسے جملوں نے میرے پاؤں زنجیروں میں باندھ دیئے تھے ـــــ بے قصور،

خالہ امی پر کیسا سخت الزام لگایا تھا ——— اور کسی نے نہیں میری ماں نے ——— جس کی ہمدردی اور خدا ترسی پر فخر کرتا تھا ——— نازاں تھا جس کے اس بے لوث جذبہ پر!

فجر، کی آذان کی آواز پر میں ہڑبڑا کر اٹھا اور خالہ امی کے کمرے میں پہنچا۔ خالہ امی کا سر تکیے سے لڑھک گیا تھا، آنکھیں بند تھیں، ایک ہاتھ سینے پہ دھرا تھا، دوسرا پہلو میں رکھا۔ وہ بڑے سنگِ مرمر کا ایک شاہکار لگ رہی تھیں۔

اور پیٹھ اور ماتھے پر بکھرے بال، آنکھیں بند، دونوں ہاتھوں میں خالہ امی کے پاؤں پکڑ کر انہیں سینے سے لگائے پائنتی کو حمرا پڑی تھی۔

پیر جیسے زمین نے پکڑ لئے۔ آنکھیں پتھر کی ہو گئیں۔

کیا دردناک ——— مگر کیا حسین منظر!!

جانے میں کب تک وہاں کھڑا رہا ——— پھر میرے چاروں طرف شور و غل، رونے پیٹنے کی آوازیں بلند ہوئیں اور میں اس دنیا میں واپس آگیا۔

آہ! خالہ امی دوسری دنیا سدھار چکی تھیں اور حمرا بے ہوش پڑی تھی ——— سارا محلہ اکٹھا ہوا ——— عورتیں، ہر طبقے، ہر مذہب کی آتیں، اماں کو پرسا دیتیں اور خالہ امی کی تعریفیں کرتیں ان کی ہمدردی کی، محبت کی، خدمت کی۔ جو وہ سب سے چھپا کر لوگوں کی کرتی تھیں، مرد ان کے حوصلہ کی، صبر کی، شوہر پر جان قربان کرنے کی صفات کا ذکر کرتے مگر ان کو شرم نہ آتی کہ انھیں کے ایک بھائی نے ایسی دیوی کی زندگی تباہ کی تھی!

اور حمرا سب باتوں سے بے نیاز، بے خبری کی حالت میں تھی۔ ماں کی آخری صورت بھی تو نہ دیکھ سکی ——— اچھا ہوا ——— وہ اس کے تصور میں

ہمیشہ زندہ اور مسکراتی رہیں ——— میری طرح نہیں کر سالوں ——— مجھے صرف ان کی کفن میں لپٹی صورت ہی نظر آئی ——— وہ مسکراتی ہوئی : شفقت ومحبت کی مورتی مجھ سے کھوگئی جس سے چھ سات سال کی عمر سے میں نے اتنا بہ کچھ پایا تھا ——— اتنا کچھ۔

کتنے دن میں حمرا کے پاس نہ جا سکا ——— ماں کی جدائی میں اس پر کیا گزر رہی ہوگی ——— جس کا دنیا میں ان کے سوا کوئی نہ تھا ——— وہ بھی اُسے چھوڑ گئیں ——— یہ خیال ہی مجھے لرزا دیتا تھا ——— دوسری طرف زہرا تھی۔ جو مجھ سے کم خالہ امی کو نہ چاہتی تھی ——— اور حمرا تو اس کی جان تھی ——— مگر اس نے اپنے غم کو سینے میں چھپالیا، اور حمرا کا سایہ بن گئی ——— پل بھر کو اسے نہ چھوڑتی، راتوں کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر سوتی، دن بھر طرح طرح سے اُسے بہلاتی ——— قرآن پڑھتی، سیرتِ رسول پڑھ کر سناتی، مرثیے سناتی۔ خالہ امی کی باتیں ——— ایسے کرتی جیسے وہ ابھی ابھی اٹھ کر کہیں گئی ہیں۔

" وہ تو ہمارے پاس ہیں ——— ان کی روح ہمیں دیکھ رہی ہوگی ——— ہم روئیں گے، اپنے کو ہلاک کریں گے تو انھیں کتنا دکھ ہوگا ——— ان کو اب راحت ہی راحت ہے ——— سارے دُکھ درد ہو گئے ——— وہ تو اب جنت کی حور بن گئی ہوں گی ——— مگر ہمیں دکھی دیکھ کر ——— وہاں بھی انھیں چین نہ ملے گا میری بھنّو ——— "

میں دوسرے کمرے سے یہ سب سنتا ——— جھانک کر دیکھتا کہ حمرا بت بنی بیٹھی ہے جیسے یہ سب کسی اور سے کہا جا رہا ہو ——— کون جانے یہ سب باتیں دل کا بہلاوا ہیں یا حقیقت ——— مگر زہرا کو ان پر پورا ایمان سچا عقیدہ تھا۔

کئی بار اماں نے کہا " اصغر بیٹے ـــــ تجھے کیا ہوگیا ہے ؟ ـــــ کہاں تک روئے گا میرے بچے ـــــ اندر کیوں نہیں جاتا ـــــ حمرا کے پاس جا ـــــ اُسے گلے لگا ـــــ دیکھ اُسے کیا ہوگیا ہے ـــــ " اور وہ خود پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتیں ـــــ وہ حمرا کے پاس جانے کی ہمت کرتا ـــــ مگر آنسو اس شدّت سے ابلتے ، ہچکیاں یوں گلا دبا لیتیں ۔ ـــــ بھلا اس حال میں وہ حمرا کے پاس کیسے جائے ؟

وہ پڑھنے کی کوشش کرتا مگر پڑھ نہ سکتا ـــــ اس دن بھی کب سے وہ کتاب سامنے رکھے بیٹھا تھا مگر ہر صفحے پر خالہ امی کی وہ آخری تصویر جھانک رہی تھی ۔

اچانک حمرا کمرے میں آگئی ـــــ زرد چہرہ ، آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے ، بکھرے بال ، میلے کپڑے ۔

" علی بھیا " اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ـــــ " علی بھیا "

روکنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا ـــــ ہر بات میں سدا ناکام رہا ہوں ـــــ کئی چیخیں گلے سے نکل گئیں !

اور وہ میرے کندھے پر سر رکھے مجھے دلاسا دیتی رہی " واہ بھیا آپ مرد ہو کر روتے ہیں ـــــ دیکھئے ـــــ میں تو نہیں روتی ـــــ امی تو ہمارے پاس ہیں ـــــ ان کی تصویر تو میری آنکھوں میں رہتی ہے ۔ دل پر نقش ہے ـــــ سچ بھیا آنکھیں بند کرتی ہوں تو ان کے سانس کا لمس تک مجھے اپنے چہرے پر محسوس ہوتا ہے ـــــ " اس کی آنکھوں سے لاتعداد موتی گر رہے تھے ۔ مگر آواز کتنی ہموار تھی ۔ چہرہ کتنا پرسکون !

آہ ـــــ آج یہ چھوٹی سی بچی ـــــ میری ننھی سی بہن مجھے حوصلہ دے

رہی تھی ـــــ میری حمرا ـــــ میری اچھی بہن! تو بھی مجھ سے کھو گئی ... "

نصرو چچا نے روشنیاں جلا دی تھیں ـــــ پڑوس میں کسی نے ریڈیو آن کر دیا تھا، انگریزی کی خبریں نشر ہو رہی تھیں! باہر کتے بھونک رہے تھے ـــــ گیدڑوں کی "ہیاؤ ـــــ ہیاؤ" کی خوفناک آوازیں تیز ہو گئی تھیں ـــــ چمی پیروں کے پاس بیٹھی میٹھی نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی ـــــ جیسے ہی اس نے اپنے سُن پیروں کو ہلانے کی کوشش کی اس نے آواز نکالی ـــــ "میاؤں ـــــ میاؤں ـــــ" جیسے شکایت کر رہی ہو کہ اتنی دیر سے تم کس دنیا میں تھے۔

نصرو چاچا لپکے ہوئے آئے "اب تو کھانا کھا لو بھیا ـــــ دوبار آیا ـــــ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے ـــــ تم بولے ہی نا بھیا ـــــ جانے کیا سوچتے رہو ہیں میرے بھیا ـــــ"

وہ چونک کر ان کو دیکھنے لگا ـــــ ایک لمبی سانس سینے کو چیرتی ہوئی ہونٹوں سے باہر نکل آئی۔

اوہ نو بج گئے ـــــ وہ حیران حیران چاروں طرف دیکھنے لگے ـــــ کہاں گئے یہ ساڑھے تین گھنٹے؟

"کھانا لاؤں میاں ـــــ؟"

"ابھی رہنے دو ـــــ بچے آتے ہوں گے ان کے ساتھ ہی کھا لوں گا۔"
اور اس کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔

۵

خدا خدا کر کے چار گھنٹے کا یہ انتظار ختم ہوا۔ ان لوگوں نے تو مایوس ہی کر دیا تھا کہ ہوائی جہاز شاید آ ہی نہ سکے ـــــ مگر خیر ان کا قیاس غلط ثابت ہوا۔ غنیمت ہے۔

اگر جہاز آج نہ آیا تو؟ بچاری زہرا باجی دلی پر اس کی منتظر ہوں گی۔ جانے علی بھیا کیسے ہوں گے! پھر کون جانے مقصود ہی پلٹ جائیں ـــــ بے چینی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ بار بار ان کوائری پر جا کر پوچھا مگر وہی جواب!

"دو بجنے والے ہیں ـــــ اگر گھنٹہ بھر اور جہاز نہ آتا تو پھر ـــــ آنا نہ آنا بے کار ہے ـــــ"

"ایسی بے قراری کیا ہے ـــــ آج نہ سہی کل پرسوں کسی دن چلی جانا"

مقصود اسے چھوڑ کر دفتر چلا گیا تھا مگر جب فون پر معلوم ہوا کہ جہاز لیٹ ہے تو، ابھی واپس آیا تھا۔ اس کا لہجہ دھیما مگر تیور تیکھے تھے۔

"اگر آج نہ پہنچ سکی تو پھر زہرا باجی کا ساتھ نہ ہو سکے گا اور رات بھر کا تنہا سفر کرنا پڑے گا ـــــ" آہستہ سے اس نے کہا۔

"اور جی بھی تو بے قرار ہے کہ جلد سے جلد اپنے علی بھیا کے پاس

پہنچ جاؤں ــــــ"
مسکراہٹ کی تلخی، نظروں کا طنز کہیں سینے کے اندر اترتا چلا گیا۔ وہ جو ان تلخ و تند باتوں کو پندرہ سال سے شہد کے گھونٹوں کی طرح پی رہی تھی اسی وقت بپھر گئی!

"ہاں ہاں جی بھی بے قرار ہے ــــــ ان کی صحت اتنی خراب ہے ــــــ جانے کیا بیماری ہے ــــــ میں انھیں دیکھ سکوں گی کہ ــــــ"

گلے میں کوئی چیز پھنس گئی آواز ٹوٹ گئی۔

وہ جو بات بے بات جھگڑتا تھا، اس کی خاموشی کو بھی معنی پہنا کر ہزار باتیں سنا دیا کرتا تھا ــــــ اس وقت دم بخود رہ گیا!

"حمرا ــــــ" مقصود اس کی پشت پر کھڑا اسی کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا ــــــ

"فرمایئے ــــــ" اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ کئی منٹ بعد مقصود بول سکا۔

"حمرا جانتا ہوں تم اپنے علی بھیا کو بہت چاہتی ہو ــــــ" اس کی آواز خلاف عادت دھیمی اور بھرائی ہوئی تھی ــــــ "جانتا ہوں کہ ان کی شخصیت سے تم بہت متاثر ہو۔ ان کی سیرت، بلند اخلاق ــــــ ان کا نرم مزاج تمہارا آئیڈیل تھا ــــــ ہے ــــــ اور رہے گا ــــــ جانتا ہوں کہ تم کبھی پوری طرح میری نہیں بن سکیں ــــــ مگر ــــــ"

"جب آپ یہ سب جانتے ہیں تو پھر اگر مگر کی گنجائش ہی کیا رہ جاتی ہے ــــــ"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بول پڑی ــــــ پندرہ سال سے جو لاوا اندر رہی

اندر اس کے وجود کو پگھلا رہا تھا ـــــ اسے ڈر لگا کہ وہ ایک دم سے پھٹ نہ پڑے ـ

"تیس برس پہلے ـــــ گڑیاں کھیلتے ہوئے تم نے مجھے دھکا دیا تھا ـ اور روتی ہوئی جا کر علی بھیا سے لپٹ گئیں تھیں ـــــ اسی وقت مجھے جان لینا چاہیئے تھا ـــــ جب شادی کے بعد تم پہلی بار ان سے ملی تھیں اور مجھے نظر انداز کر کے، ان کا ہاتھ پکڑ کر آنسوؤں کے دریا بہا دیئے تھے ـــــ کم سے کم اس وقت سمجھ لینا چاہیئے تھا ـــــ مگر تم نے کہا اور میں نے یقین کر لیا کہ تم ان کے ماں اور باپ کی یادیں رو رہی ہو! ـــــ کاش اس وقت ہی میں نے یہ حقیقت جان لی ہوتی کہ علی اصغر علی اصغر ہیں اور مقصود مقصود ہے ـــــ اور وہی رہے گا ـــــ"

"دنیا میں ہر شخص وہی رہتا ہے جو ہوتا ہے ـــــ آپ علی بھیا کی جگہ نہیں لے سکتے ـــــ علی بھیا مقصود نہیں بن سکے ـــــ حرا پتھر کی بے حس چٹان بنی رہی مگر اپنے اندر کی حرا کو نہ مار سکی ـــــ وہ اپنے ان بھائی بہن کی محبت کا خون نہ کر سکی جن کو وہ اپنی جان سے زیادہ چاہتی تھی ـ چاہتی ہے ـــــ اور چاہتی رہے گی ـــــ آپ کو کچھ اور کہنا ہے ـ

یہ کون بول رہا ہے؟ یہ وہی حرا ہے جو کبھی پلٹ کر جواب نہ دیتی تھی ـ دو دو گھنٹے وہ بکتا رہتا اور وہ خاموشی سے سنا کرتی ـــــ دنیا بھر کے الزام لگاتا، چیختا، چلاتا، طنز و طعن کرتا اور وہ سر جھکائے سنتی اور آخر میں الٹی اس کی ناز برداری کرتی ـــــ "اچھا لو بس اب بے کار کا غصہ نہ کرو ـــــ طبیعت خراب ہو جائے گی ـــــ چلو کھانا کھا لو چل کر ـــــ" اور آج ـــــ آج!!!

مقصود کا سانولا چہرہ عنابی ہو گیا تھا ـ اور موٹا تازہ جسم بید کی طرح کانپ رہا تھا ـ

"ہاں ــــ بہت کچھ کہنا ہے حرا ــــ"

"جو کچھ پہلے کہہ چکے ہیں ــــ ہزار بار دہرا چکے ہیں ــــ اس کے علاوہ اگر کچھ اور کہنا ہے تو ضرور کہیئے ــــ وہ سب باتیں تو ہمیشہ کے لئے میرے دل پر نقش ہیں ــــ ان کو دہرانے کی اب ضرورت باقی نہیں رہی"

ہوائی جہاز کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ ہی اعلان شروع ہوا کہ دلی سے جہاز آگیا ہے اور آدھ گھنٹے کے بعد واپس روانہ ہو جائے گا۔

چند منٹ یا چند گھنٹے ــــ جانے کتنا سمے بیت گیا؟ ــــ ان دونوں کے درمیان خاموشی بول رہی تھی! ان کہی باتیں بڑی بے خوفی ــــ بے باکی سے کہی جا رہی تھیں۔

دوسرے اعلان پر حرا چونکی، اپنا بیگ اور پرس سنبھال کر کھڑی ہو گئی، دھوپ کی عینک نے اس کے چہرے کی کیفیت اور آنکھوں کی بے چینی کو بہت کچھ چھپا لیا تھا۔ مگر ایک دوسرے سے پیوستہ ہونٹ بہت کچھ کہہ رہے تھے۔

مقصود آخری حد تک اسی کے ساتھ ساتھ آیا ــــ پل بھر کو وہ ٹھٹکی۔ مڑی ــــ کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکی ــــ مقصود نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں زور سے پکڑ لیا۔

"ہاں حرا ــــ پندرہ سال تک جو کچھ کہتا رہا ــــ وہ سب جھوٹ تھا ــــ غلط تھا ــــ دل کی جلن کو ٹھنڈا کرنے کا بہانہ تھا ــــ حماقت تھی ــــ ظلم تھا ــــ مجھے تم سے وہ سب نہیں کہنا ــــ کچھ اور ہی کہنا ــــ"

اس نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا، ایک تیکھی مسکراہٹ گداز ہونٹوں پر ابھری۔

"کوئی حسرت رہ نہ جائے ـــــ وہ بھی کہہ ڈالئے ـــــ"

"بس ـــــ اتنا کہ ـــــ کہ ـــــ کہ ـــــ مقصود تمہیں چاہتا ہے ـــــ اور چاہتا رہے گا ـــــ اس گھر ـــــ اس دل میں ہمیشہ تمہاری جگہ رہے گی ـــــ"

اور جس بے درد نے اُسے پندرہ سال خون کے آنسو رلایا تھا اس وقت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

مسافروں کو رخصت کرنے والے عزیز اور دوست اس چاہنے والے شوہر کی محبت اور سخت دل بیوی کی بے حسی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"خدا حافظ" بہ مشکل وہ اتنا کہہ سکی۔ پھر اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ ہوائی جہاز کے دروازے پر کھڑے ہو کر پلٹ کر ہاتھ نہیں ہلایا، سیٹ کے پاس کی کھڑکی سے جھانکا نہیں ـــ جیسے ہر ناتا توڑ دیا ہوا۔

اوپر گہرے نیلے آسمان میں سورج ہیرے کی طرح جڑا ہوا دمک رہا تھا۔ نیچے سفید روئی کے گالوں جیسے بادل اوپر تلے ڈھیر کے ڈھیر پڑے تھے۔ جن پر سورج کی کرنیں پڑتیں تو دھنک کے ساتوں رنگ ان میں رنگ و نور کا ایک انوکھا حسن بھر دیتے تھے!

حمرا کی نظریں جہاز کی ننھی سی کھڑکی میں سے گزر کر ان انوکھے انداز کے بادلوں پر جمی ہوئی تھیں ـــــ بادل جو آسمان پر ہوتے ہیں اور آج اس کے قدموں تلے پڑے ہیں ـــــ زندگی میں بھی کیا ہی انقلابات نہیں آتے ہیں؟

اس کا ذہن ان بادلوں سے زیادہ، اس تیز ہوائی جہاز سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے پرواز کر رہا تھا ـــــ ماضی کی طرف دوڑ رہا تھا۔

زندگی بھر اس نے ایسے ہی رنگین و حسین خواب دیکھے تھے ـــــ بچپن میں ابا کی محبت بھری آغوش کے خواب ـــــ وہ اُسے کندھے پر چڑھائے چڑھائے گھوم رہے ہیں، میلے میں لے جا رہے ہیں، کھلونے اور مٹھائیاں دلا رہے ہیں ـــــ امی، ابا سے چھین کر اس کا منھ چومتی ہیں ـــــ ابا پھر امی سے چھین لیتے ہیں ـــــ "میری بیٹی ہے" "واہ میری ہے یہ تو"

لڑکپن میں امی کی تندرستی کے خواب ـــــ ایک دن آئے گا جب امی بالکل اچھی ہو جائیں گی ـــــ وہ خوب پڑھے گی نوکری کرے گی ـــــ ایک نرسری اسکول کھولے گی جس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے آیا کریں گے ـــــ اسکول کے پاس اس کا خوبصورت سا دو تین کمروں کا گھر ہوگا ـــــ بیٹھنے کا کمرہ خوب سجائے گی ـــــ سونے کے کمرے میں امی کی اور اس کی مسہریاں برابر برابر لگی ہوں گی ـــــ کتابوں کی الماریاں اور لکھنے کی ایک خوبصورت میز ـــــ اور ہاں ایک چھوٹا سا ریڈیو سیٹ جس پر وہ گانے اور خبریں سنے گی اور امی نعتیں، تلاوتِ کلام پاک اور قوالیاں سنا کریں گی ـــــ وہ امی کی ہر فرمائش پوری کرتی ہے ـــــ ان کے لئے عمدہ عمدہ کپڑے لاتی ہے، پھل لاتی ہے، کتابیں لاتی ہے ـــــ اسکول سے آتی ہے تو کھڑکی میں امی کا ہنستا ہوا چہرہ جھانکتا نظر آتا ہے ـــــ اندر آتی ہے تو کسی کونے سے نکل کر زہرا باجی اس سے لپٹ جاتی ہیں ـــــ اور علی بھیا امی کے پہلو میں بیٹھے ان کے گلے میں باہیں ڈالے اُسے چڑا رہے ہیں ـــــ "خالہ امی یہ حمرا مجھ سے بہت جلتی ہے ـــــ آپ مجھے اس سے زیادہ چاہتی ہیں نا"

آہ! بچپن اور لڑکپن کے یہ انہونے خواب! امی سدھار گئیں اور سارے سپنے بکھر گئے!

مگر جوانی کے خواب!!

وہ تو ضرور پورے ہوں گے!

وہ اعلیٰ تعلیم پائے گی......

چاہنے والا ، قدردان ، اعلیٰ سیرت اور اخلاق والا وجیہ حسین جیون ساتھی اس کے دل کے سارے دکھ دور کردے گا! ـــــ اس کا گھر ہوگا۔ جسے مل کر دونوں سورگ بنائیں گے! فرشتوں کے سے چہرے والے بچوں کی کلکاریاں اس گھر میں گونجیں گی!

آہ!

جب سپنے بکھرتے ہیں تو روح پر کیسا کرب گزرتا ہے!

کربِ مسلسل!

"کافی لیجئے ـــــ"

کم سن ، خوب رو ، ہنس مکھ ایرہوسٹس ٹرے کافی کی کاغذی پیالیاں لئے اپنی آفیشل مسکراہٹ بکھیرتی ہوئی اس کے قریب آئی ـــــ کافی سے گرم گرم بھاپ اور بھینی بھینی خوشبو اڑ رہی تھی۔

"تھینکس" ، ایک گلاس اس نے اٹھالیا ـــــ ایرہوسٹس برابر کی سیٹ کے ایک نوجوان کی طرف متوجہ ہوگئی ـــــ مسکراہٹ میں اور زیادہ شیرینی اور لہجہ میں اور گھلاوٹ پیدا ہوگئی۔

اس کے برابر ایک بوڑھی بی بی بیٹھی مالا جپ رہی تھیں۔ کافی بھی نہیں لی تھی "میرا تو برت ہے بیٹی ـــــ"

وہ دھیرے دھیرے کافی سپ کرتی رہی۔
علی بھیّا کو اس کے ہاتھ کی کافی کتنی پسند تھی ــــ جب بھی شہر جاتے کافی لے کر آتے ــــ "حمرا بنائے گی کافی ــــ زہرا بھئی ــــ تم رحم کرنا ــــ اس سے ہم لنڈورے ہی بھلے ــــ" عجیب عجیب محاورے وہ بے موقع ٹھونس دیتے مگر لگتا ــــ اس وقت کے لئے بنے ہیں!
زہرا باجی کا منھ پھول جاتا ــــ جب وہ کافی بنا کر لاتی تو علی بھیا اشارہ کرتے کہ زہرا کو دو ــــ وہ زہرا کے پاس جاتی "باجی کافی"
"مجھے نہیں چاہیئے تمہاری کافی ــــ" بگڑ کر وہ جواب دیتی۔
"ارے گرم گرم کافی پی۔ لے۔ غصّہ بھاگ جادے گا جل ککڑی"
"تم ہوگے جل ککڑ ــــ"
"دیکھ میں تو ہنس رہا ہوں ــــ تو ہی حمرا سے جلتی ہے ــــ"
"بکو مت ــــ"
"میں تو بکوں گا ــــ بکوں گا ــــ بکوں گا ــــ"
سب کھل کھلا کر ہنس پڑتے ــــ لڑائی ختم ہوجاتی! کبھی بھیا باجی کے سلیقے سے گندھے بالوں میں چپکے چپکے میٹھی کافی ٹپکانے لگتے ــــ باجی چیختیں ــــ بھیا ہنستے ــــ اور کافی کی پیالی اُس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتی!
آہ وہ مسرت بھری شوخیاں!
وہ چھیڑ چھاڑ۔
وہ روٹھنا اور منا......
وہ رونا اور ہنسنا ــــ ہنسنا اور رونا!

اس وقت رونے میں بھی تو کتنا مزا آتا تھا!

امی کے بعد خالہ اماں اور خالو ابا نے، علی بھیا اور زہرا باجی نے جس طرح اس کی دلداری کی، ہر وقت جس طرح اس کا غم بٹایا، اس کا کوئی سگا بھائی یا بہن ہوتا، سگی خالہ یا ماموں ہوتے تو اس سے زیادہ کیا کر سکتے تھے ——!

ان کی خاطر وہ آنسو پی جاتی —— مسکرانے لگتی!

علی بھیا چاہتے تھے وہ دونوں ایف۔ اے میں داخلہ لے لیں لڑکیوں کا کوئی کالج نہ تھا —— لڑکوں کے کالج میں برقعہ اوڑھ کر جانے کی اجازت کسی نہ کسی طرح علی بھیا نے ان دونوں کو دلوا دی تھی۔ خالہ اماں کی شرط یہ تھی کہ نصیبن بوا ساتھ جایا کریں گی!

علی بھیا الجھتے ہنھ اس کی کیا ضرورت ہے" اتنی بڑی بڑی لڑکیاں ان کو کیا کوئی کھا جائے گا وہاں —— "

"توبہ کا نہ کرو —— ان کے دشمنوں کو کوئی کھائے —— "

"دشمن تو میں ہی ہوں —— "

"اے! اللہ کی پناہ —— جو منھ میں آتا ہے بکتا چلا جاتا ہے"

اس نے سمجھایا "بھیا ٹھیک تو ہے —— خالہ اماں کی بات مان لو —— ورنہ پھر —— پڑھنا رہ جائے گا —— "

ابھی کالج نہ کھلا تھا —— خالو ابا ابھی راضی نہ تھے —— امید تھی کہ راضی ہو جائیں گے کہ ایک دن اچانک ....

اچانک پاپا وہاں پہنچ گئے!

جانے کس نے انھیں امی کے سدھارنے کی خبر دیدی تھی۔

امی کا چھوٹا سا کمرہ بند پڑا تھا ـــــــ وہ اب زہرا باجی کے ساتھ رہتی تھی مگر صبح کو سب کے اُٹھنے سے پہلے چپکے سے وہاں چلی جاتی تھی ۔ اس روز بھی وہ نماز پڑھ کر امی کا بستر جھاڑ کر بچھا رہی تھی ۔ تپائی پر دوا کی شیشیاں ویسے ہی رکھی تھیں ۔ چھوٹی سی دھلی پیالی ۔ گلاس اور چائے کا چمچہ ۔ چوکی پر جا نماز بچھی تھی ، اس کا ایک کونا الٹا ہوا تھا جس میں سے امی کی تسبیح کے کچھ دانے نظر آرہے تھے ـــــــ کھونٹی پر ان کا نماز کا سفید ڈوپٹہ ، سوئٹر اور پرانی صدری ٹنگی تھی ۔ کونے میں لوٹا رکھا تھا ۔ وہ روز اسی کمرے کی اپنے ہاتھ سے صفائی کرتی تھی ۔ خالہ اماں چاہتی تھیں وہ اس کمرے میں نہ جایا کرے ۔ امی کی چیزیں وہاں سے ہٹا کر اللہ نام کی دیدی جائیں ۔ مگر حمرا کی اس دیوانگی کا زہرا باجی اور علی بھیا کو بڑا پاس تھا ۔ وہ وہاں جا کر اُسے لگتا ابھی کسی طرف سے امی آجائیں گی اور پلنگ پر لیٹ کر آواز دیں گی ۔ "ہمّی ذرا یہ رضائی تو میرے پیروں پر ڈال دے" ۔ جب وہ انہیں دوا پلا کر ہٹنے لگے گی تو ان کا نیلا زرد بازو بڑھے گا "تیرا منھ کیوں اترا اترا ہو رہا ہے ہمّی ـــــــ جی تو اچھا ہے ـــــــ ؟ کسی سے لڑائی تو نہیں ہوئی؟" اور وہ ان کے سینے سے لگ کر زندگی کی سب سے بڑی راحت ...... سب سے بڑی مسرت سے ہم کنار ہو جائے گی ۔

دیوار پر سے اس نے اُس شخص کی تصویر نہیں ہٹائی تھی جسے امی اتنا چاہتی تھیں ـــــــ مگر اس کی صفائی نہیں کرتی تھی ـــــــ دو مہینے میں اسی پر کتنا گرد ، آس پاس کتنے جالے جمع ہو چکے تھے " ان کی یہی سزا ہے ـــــــ "

خواب اور بیداری ، ہوش اور بے ہوشی کی اس کیفیت میں وہ

آج بھی بیٹھی ماضی کو حال بنا رہی تھی کہ دھڑ سے دروازہ کھلا ــــ زہرا باجی بدحواس کھڑی تھیں "حمرا ــــ حمرا ــــ ہمّی ــــ میری جان ــــ دیکھ تو ــــ ارے دیکھ نا ــــ سُن تو زرا ــــ"

وہ تھر تھر کانپنے لگی ــــ جانے کیا ہو گیا ہے ــــ کوئی تازہ مصیبت! امی کے بعد زرا سا کھٹکا، زرا سا شور، اُسے لرزا دیتا تھا ــــ شاید کوئی اور چلا گیا ــــ اس نے گھبرا کر زہرا کو دیکھا!

"اری باؤلی ــــ چل دیکھ کون آیا ہے!!"

"کون ــــ آیا ــــ ہے؟" حیران ہو کر اس نے دہرایا۔ جواب دینے کی جگہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے لگیں۔

اور پھر اچانک اندھیرا سا ہو گیا ــــ کوئی اتنا لمبا تڑنگا آدمی دروازے میں کھڑا تھا کہ صبح کی دھندلی روشنی کمرے سے غائب ہو گئی۔

اور پھر گھر بھر اس چھوٹے سے کمرے میں گھس آیا۔ خالو ابا کے چہرے پر غصّہ تھا، خالہ اماں کی آنکھوں میں آنسو ــــ زہرا باجی جانے کیوں خوش تھیں ــــ اور علی بھیّا ــــ وہ کہاں ہیں؟ اس نے پھر دروازے کی طرف دیکھا ــــ ــــ دروازے سے زرا ہٹ کر ایک بے حد اسمارٹ آدمی، سرخ سفید رنگ، اعلےٰ درجہ کا سوٹ پہنے، عجیب نظروں سے اُسے تک رہا تھا ــــ "یہ انکل احسان تو نہیں ہیں ــــ پھر ــــ کون ہے یہ شاید ان کے بھائی ہوں ــــ"

"حمرا بیٹی ــــ تو نے پہچانا نہیں ــــ یہ تیرے ــــ تیرے ــــ باپ ہیں ــــ" خالو ابا نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھ دیا۔

وہ حضرت دو قدم اور آگے بڑھ آئے ــــ

"اسے بجلی کا سا جھٹکا لگا!

"باپ ــــ میرا باپ ــــ!!"، گھٹی چیخ اس کے منہ سے نکلی۔ حیران پریشان کبھی وہ اس تندرست، خوبصورت، رئیس شخص کو، کبھی دیوار پر ٹنگی دھندلی میلی تصویر کو دیکھ رہی تھی جس میں ایک دبلا پتلا نوجوان معمولی کرتا پاجامہ پہنے کھڑا مسکرا رہا تھا ــــ پھر وہ صاحب نظروں سے غائب ہو گئے، وہ تصویر غائب ہو گئی ــــ اس چھوٹے کھٹے میں بخار میں بھلستی، کھانستی امی کا زرد چہرہ، چمکتی آنکھیں جن سے آنسو لڑھک رہے تھے، تھمائی گئیں۔

"پھر وہ آگے بڑھیں اور اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

"امی ــــ میری بچی ــــ میری جان ــــ"

"حمرا ــــ حمرا ــــ حمرا ــــ"، کوئی اُسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"حمرا بیٹی ــــ حواس میں ــــ آ"، خالو ابا کی آواز کہیں دور سے آرہی تھی۔

"میری بچی ــــ کیا ہوا ہے تجھے ــــ"، خالہ امی رو رو کر کہہ رہی تھیں ــــ

"بیٹی ــــ میری بچی ــــ" لمبے آدمی کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی ــــ وہ اس کی طرف بڑھا ــــ وہ اچھل کر دور کونے میں پڑی امی کی جانماز کی چوکی پر جا گری۔

"میرا کوئی باپ نہیں ــــ میں کسی کی بیٹی نہیں ــــ کسی کی بچی نہیں۔ نہیں ــــ نہیں ــــ نہیں ــــ"، وہ جو کبھی اونچی آواز تک سے بولتی نہیں تھی، آج ہسٹریا کی بھیانک چیخیں اس کے منہ سے سن کر سب بلا حیران رہ گئے ــــ

جب وہ ہوش میں آئی تو کمرہ خالی تھا ـــــ بس کسی کے زانو پر اس کا سر تھا ـــــ اور دوسرا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا ـــــ
اس نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں ـــــ علی بھیا بڑی درد مند نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے ـــــ زہرا باجی اس کا سر اپنے زانو پر لئے بیٹھی تھیں ـــــ جیسے وہ ننھی سی بچی ہو!

کئی دن تک وہ باپ کے سامنے نہیں گئی ـــــ نہ پھر وہ خود اس کے پاس آئے ـــــ خالو ابا اور خالہ اماں نے طرح طرح سے اسے سمجھایا بجھایا۔ وہ چپ رہی ـــــ زہرا باجی نے پہلے سمجھایا پھر ڈانٹا ـــــ "آخر کو وہ تمہارے باپ ہیں ـــــ ہزاروں کوس سے، ہزاروں روپیہ خرچ کرکے وہ تم سے ملنے آئے ہیں ـــــ بری بات ہے حمرا ـــــ" اس دن زہرا باجی اُسے کتنی بری لگی تھیں ـــــ جی چاہا تھا وہ انھیں دھکا دے کر اپنے کمرے سے نکال دے ـــــ عمر بھر صورت نہ دیکھے ـــــ مگر ـــــ وہ چپ رہی ـــــ کمرہ بھی ان ہی کا تھا۔

وہ امی کے بستر پر ـــــ ان کے تکئے میں منہ چھپائے اوندھی پڑی تھی۔ آنسو بھی تو اب نہیں نکلتے تھے ـــــ دل پتھر سا ہوا جا رہا تھا ـــــ وہ کچھ نہ چاہتی تھی ـــــ کسی سے اسے گلہ نہ تھا ـــــ تھا تو اس سے جس نے امی کو بلا لیا تھا ـــــ اور اُسے اس ویران، بے درد دُنیا میں تنہا چھوڑ دیا۔

اس نے سر اٹھایا تو علی بھیا کو اڑ کے سہارے کھڑے ـــــ اپنی اُور غور سے تکتے پایا۔ آنکھوں میں آنسو چہرہ زرد!

"علی بھیا ـــــ کیسا جی ہے آپ کا ـــــ" وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

"حمرا ———" لہجہ میں کتنی دلسوزی تھی!

"ہاں بھائی جان ———" اُسے خود اپنی آواز اجنبی لگ رہی تھی۔

"تجھے کیا ہوا ہے؟ کیا جان دینے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں بھائی جان ——— بدنصیبوں کو موت کہاں آتی ہے ———"

"حمرا میں تجھے ایسا نہیں سمجھتا تھا ——— تو تو ایک مضبوط طبیعت کی لڑکی ہے ——— دکھوں میں مسکرانے والی ——— غم اور فکر تجھے زیر نہیں کر سکتے۔ تیرا تو دنیا سے خم ٹھونک کر مقابلہ کرنے کا عزم رہا ہے بھنّو ——— تو اپنے بھیا کی طرح نہیں ہے نا ——— پھر اب ——— تجھے کیا ہوا ہے ——— وہ حمرا کہاں گئی؟ یہ بے وقوف جذباتی، ضدی لڑکی کون ہے؟ زہرا ایسا کرتی، میں کرتا ——— مگر تجھ سے تو مجھے یہ امید نہ تھی!"

موٹے موٹے قطرے ان کی آنکھوں سے گالوں پر لڑھک رہے تھے۔

یہ کیا ہو گیا ———؟ بھیا اس سے خفا ہو گئے؟ اس نے انھیں مایوس کر دیا؟ رنجیدہ کر دیا!! اس کی یہ حرکتیں، یہ ضد، یہ ہسٹریا ——— ہائے میرے اللہ ——— علی بھیا کو اس سے اتنا دکھ ہوا؟ خود بخود اس کا سر ان کے کندھے سے جا لگا اور بے آواز سسکیوں سے جانے وہ کب تک روتی رہی ——— جب بول سکی تو بس اتنا "بھیا ——— وہ ——— وہ ——— ابا کہاں ہیں ———؟ مجھے ان کے پاس لے چلئے ———"

علی بھیا نے حیرانی سے اسے دیکھا اور جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"میری پیاری حمرا ———"

ان کی خاطر وہ کیا نہیں کر سکتی ——— اسی لئے تو وہ ان حضرت کے پاس جانے کو تیار ہو گئی تھی جن کے خیال سے دل میں آگ کے شعلے سے بھڑکنے

لگتے تھے ـــــ جی چاہتا تھا اپنے کپڑے اور بال نوچ ڈالے، سب گھر والوں کے سر دیوار سے پھوڑ دے اور پھر کہیں ایسی جگہ چلی جائے جہاں نہ وہ کسی کو دیکھے نہ کوئی اسے ڈھونڈ سکے!

مگر علی بھیا ـــــ؟ ان کی بات وہ کیسے ٹال سکتی ہے!

خالہ اماں کے چوکوں کے تخت پر ڈھیلے ڈھالے کرتے پاجامہ میں ملبوس آنسو بھری آنکھوں والے اس شخص نے جو اس کا باپ کہا جا رہا تھا، پہلے ایک منٹ چپ چاپ اُسے دیکھا اور پھر اپنے سینے سے لگا لیا....

نفرت، غصّہ، صدمے کی بھڑکتی آگ جانے کہاں غائب ہو گئی، بے قرار دل کو قرار سا آ گیا، دل ایک ان جانے سرور سے معمور ہو گیا ـــــ ایسی راحت تو کبھی امّی کے سینے سے لگ کر بھی نہ پائی تھی ـــــ وہاں تو ہمیشہ امی کے دکھوں کے کانٹے کھٹکتے رہتے تھے۔

ایک ہفتے کے اندر اندر وہ پاپا سے اتنی مانوس ہو گئی کہ اگر وہ چند گھنٹے کو باہر چلے جاتے تو بے چین ہو جاتی ـــــ جانے کیسے اتنی جلدی انسان کسی سے پیار کرنے لگتا ہے؟

ایک دن پاپا نے کہا ـــــ "بیٹی چاہتا ہوں تم میرے ساتھ چلو ـــــ مگر ـــــ کس منھ سے یہ بات کہوں! پھر بھی ـــــ مجھے خیال ہے کہ تم اپنے چھوٹے بھائی بہنوں میں بہل جاؤ گی!

تمہیں اعلیٰ تعلیم پانے کا شوق ہے ـــــ تم بہت ذہین بھی ہو ـــــ یہاں ـــــ اس کا موقع ـــــ مشکل سے ملے گا ـــــ"

وہ کچھ بول نہیں سکی ـــــ ساری بیتی باتیں پھر سے دماغ میں گھومنے لگی تھیں ـــــ

"کیا تم کبھی اپنے باپ کو معاف کر سکوگی ——؟ اس کے پاس رہ سکوگی ——؟ اس کو موقع دوگی کہ وہ اپنے گناہوں کا تھوڑا بہت کفارہ ادا کرے ——؟"

وہ رات اسے بیٹھے ہی کٹ گئی —— خالو پاپا اور خالہ اماں کی جدائی وہ کیسے سہار سکے گی ——؟ انھوں نے تو اُسے ماں باپ سے بڑھ کر چاہا ہے —— علی بھیا اور زہرا باجی کی دوری!! اف ان کے بغیر تو زندگی کا تصور ہی محال ہے۔

مگر.....

مگر —— پھر سپنوں کے جال نے اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا —— وہ سارے یورپ کی سیر کر رہی ہے —— اکسفورڈ یا کیمرج میں تعلیم پا رہی ہے —— اس کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت بہن بھائی اُسے چاروں طرف سے گھیرے ہیں —— پاپا کی محبت کی برکھا ہر وقت برستی رہتی ہے۔ جب وہ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کرکے ہندوستان واپس آتی ہے تو ایئرپورٹ پر علی بھیا اور زہرا باجی اُسے پھولوں میں لاد دیتے ہیں اور خالہ اماں اور خالو ابا —— صبح وہ اٹھی تو اسے یاد نہ تھا کہ یہ سب خواب تھے یا تصوّرات!!

علی بھیا نے تو بس اتنا کہا —— "تم نے ٹھیک ہی فیصلہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم پانے کا ایسا موقع نہیں چھوڑنا چاہیئے!" زہرا باجی کہاں تو پاپا کی طرف دار تھیں کہاں ان سے بے حد خفا ہو گئیں —— "یہ کون ہوتے ہیں ہماری حمرا کو لے جانے والے —— واہ —— آج بڑے باپ بن کر آ گئے ——" اور وہ بے تحاشا رونے لگتیں! خالہ اماں نے کہا۔

"ٹھیک تو ہے —— اتنے برسوں بعد اسے باپ ملا ہے ——

ماں کے بعد باپ کی الفت سے بڑھ کر ——" اور وہ ان کا منھ دیکھنے لگی تھی - یہ بات وہ دل سے کہہ رہی ہیں یا کوئی مصلحت ہے اس میں! اور خالو ابا چپ رہے تھے ——!

آہ!

وہ پہلی جدائی!

خالو ابا ، علی بھیا اور زہرا باجی اسے بمبئی تک رخصت کرنے آئے تھے ...... خالہ اماں نے چلتے وقت اُسے بہت سے کپڑے ، کئی زیور ، بہت سی اور چیزیں دی تھیں - امام ضامن کے روپے باندھے تھے اور اُسے گلے لگا لگا کر دیر تک روتی رہی تھیں " بیٹی تو جہاں رہے خوش رہے خدا کرے تجھے پردیس کی آب و ہوا راس آئے —— تیرا باپ سولہ برس کا کفارہ ادا کرے —— سچ مچ تجھے خوشی دے —— تیری سوتیلی ماں —— ہو سکتا ہے اچھی عورت ہو —— نہیں میری بچی —— ولایت کی عورتیں ہمارے ہاں جیسی نہیں ہوتیں —— تو نے مجھے بہت سکھ دیا ہے —— بہت خدمت کی ہے —— خدا تجھے سکھ دے گا" اُسے لگ رہا تھا وہ دوبارہ امی سے بچھڑ رہی ہے!

جب بمبئی کی بندرگاہ میں کھڑے دیو ہیکل جہاز کی پہلی سیڑھی پر اس نے قدم رکھا تو پلٹ کر بیسویں بار پھر زہرا کے گلے سے لپٹ گئی —— علی بھیا کے ہاتھ کو آنکھوں سے لگایا اور مسکراتے ہوئے کہا —— "نہیں بھائی جان —— آپ کی حمرا روئے گی نہیں —— وہ تو عزم اور حوصلہ والی ہے نا ——؟" تو ان کی چھلکتی آنکھیں برس پڑیں مگر کانپتے لب مسکرائے " ہاں میری حمرا ایسی ہی ہے ——"

جہاز گھنٹوں بعد چلا ---- اوپر ریلنگ پر وہ اور پاپا اور نیچے زہرا باجی اور علی بھیّا کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اشاروں سے باتیں کرتے رہے ---- تین چار سال جدائی کا تصور -- اس وقت کتنا ناقابل برداشت تھا!

اور اب!

اب --- ؟ آج ؟

"چھ سال بعد میں انھیں دیکھوں گی -- کس حال میں ؟ خدایا کس حال میں ؟" اعلان کی تیز آواز کان میں گونجی۔

"اٹنشن ---- اٹنشن پلیز چند منٹ میں ہمارا جہاز پالم ایر پورٹ پر لینڈ کر رہا ہے -- مہربانی کرکے اپنی اپنی پٹیاں باندھ لیجیے۔ تھینک یو ---- "

افق پر سورج کی گول تھالی دھیرے دھیرے منزل کی طرف بڑھ رہی تھی ---- اس کے ہر طرف شفق کے گلابی اور سنہرے رنگ بکھرے ہوئے تھے ---- نیچے دلی کا عظیم الشان شہر کسی ماہر مصور کی بڑی سی تصویر کی طرح پھیلا نظر آ رہا تھا، حسین رنگین تصویر!

جہاز کی تیز گڑگڑاہٹ کے باوجود اسے اپنے دل کی دھڑ دھڑ سنائی دے رہی تھی۔

"توبہ —— بارش ہے کہ طوفان —— بجلی مسلسل کڑکے جا رہی ہے، بادلوں کی گرج کلیجہ دہلائے دیتی ہے —— توبہ توبہ کرکے کہتی ہوں ان اللہ میاں کی باتیں کبھی سمجھ میں نہیں آتیں —— بھلا یہ کون سا بارش طوفان کا موسم ہے —— اور اس منحوس گھر کی چھتیں اور دیواریں تو اتنی پرانی ہو چکی ہیں —— جانے کب کس کے سر پر چھت آ رہے —— مگر ہماری فکر ہی کس کو ہے —— نیند بھی کمبخت آج غارت ہوگئی —— بچے تو سو گئے دونوں —— میرا بچہ کتنا اداس تھا —— گھنٹوں گلے میں باہیں ڈالے مجھے چپ کراتا رہا —— وہ بھی کیا کرے —— باپ کی سنی نہ کہے تو ان کا بھی تو غصہ خفگی سہارنا پڑتا ہے —— مگر سیدھی بات کبھی نہیں کہتے —— گھما پھرا کر، دوسری باتوں پر رکھ کر بچے کو ڈانٹا جاتا ہے —— اور نگو —— میری بچاری بچی —— اب تک منہ آنسوؤں سے بھیگا ہے —— وہ تو مجھے بہت چاہتی ہے۔ باپ کی باتیں اسے بری بھی لگتی ہیں مگر نیک شریف بچی ہے۔ ان کے منہ نہیں آتی —— ہا —— کبھی بچو، کو سکھ کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا۔ اُدھر باوا کا مزاج، اِدھر میرا دکھ۔ یہ نہ ہوتا تو میرا لال کیوں مجھے چھوڑ کر چلا جاتا۔ ان ہی کے دماغ اور مزاج کی وجہ سے اس نے پردیس بسایا۔

اُسے تو فرحت بہت پسند تھی ـــــ بھائی میاں کا شروع سے اسی کے لئے خیال تھا۔ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ عرفان کو ولایت بھیج کر تعلیم دلائیں گے ـــــ مگر ان کی اکڑ بھلا سالے کا احسان کیوں اٹھاتی؟ "میں خود بھیج سکوں گا تو بھیجوں اور پھر اب کون سی ڈگری ہے جو ہندوستان میں نہیں ملتی" ـــــ کچھ خود ہندوستانی ڈگریوں سے فائدہ اٹھا لیا ہوگا ـــــ کیسے کیسے لوگ ڈپٹی وزیر بن گئے۔ گورنر بنتے ہیں، بڑے بڑے افسر بنتے ہیں۔ یہ تو اسمبلی کے ممبر بھی نہ بن سکے۔ چچا میاں نے کتنا کہا تم الکشن میں کھڑے ہو جاؤ۔ خرچ میں اٹھا لوں گا۔ پھر بہت سے دروازے کھل جائیں گے ـــــ وہ تو انہیں کے چچا ہیں ـــــ مگر وہی اوندھی کھوپڑی! بیٹا بھی اس دماغ کا اٹھا۔ یوں روز باپ بیٹے میں جھڑپ ہوتی! اُسے باپ کی روک ٹوک ناپسند تھی اور انھیں تو اس کی کوئی بات بھی نہ بھاتی تھی ـــــ اس کی جوانی کی عمر، کھیلنے کھانے کے دن، بھلا ان کی طرح گھر گھسنا کیسے بن جاتا ـــــ کبھی رات کو دوستوں میں رہ بھی جاتا تھا تو کیا غضب تھا۔ مگر وہاں تو بدگمانیاں تھیں، غصہ تھا۔ دوست لفنگے ہیں ـــــ پیتے پلاتے ہیں ـــــ ڈانس کرتے ہیں۔ یہ بھی اس رنگ میں رنگتا جا رہا ہے۔

کون لڑکے آج کل ماں باپ کے کولھے سے لگے رہتے ہیں

بھائی میاں کے لڑکے کتنے دنوں گھر نہ آئیں تو ماں باپ کی ہمت یہ پوچھنے کی نہیں ہوتی کہ کہاں گئے تھے ـــــ سینکڑوں روپے اڑا دیتے ہیں۔ ناچتے بھی ہیں سیر تفریح بھی کرتے ہیں۔ لڑکیاں بھی ان کی دوست ہیں۔ مگر باپ کو ان میں عیب ہی عیب نظر آتے ہیں ـــــ مگر میں تو ماں ہو لیا

مجھ سے تو یہ نا انصافیاں نہیں سہی جاتی ہیں یہ کبھی بر لگتا ہے - کہا جاتا ہے کرشمہ دیتی ہوں بچوں کو!

ولایت چلا جاتا تو واپس آکر فرحت کو بیا لاتا میرے پاس رہتا --- مگر بیٹے صاحب بھی تو اس معاملے میں باپ کے ہم زبان بن گئے کہ انکل کے پیسے سے ولایت نہیں جاؤں گا..... آخر پاپا نے اتنا روپیہ چھوڑا تھا، کون حساب کتاب ہوا تھا --- ہاتھ اٹھائے جو چاہا انھوں نے مجھے دیا --- نواسہ ان کے پیسے سے ولایت ہو آتا تو کیا ہرج ہوتا؟ مگر بیٹے کو باپ کی خاطر عزیز تھی ورنہ وہ کیوں انکار کرتا؟ --- آخر پاکستان جانے کے بعد میری ہی چچازاد بہن نے تو اُسے وظیفہ دلا کر لندن بھیج دیا - اس میں باپ بیٹے کی شان نہ گئی؟؟

ہنہہ --- شان --- آن! خواہ مخواہ کا غرور اور اکڑ --- کسی رئیس کے بیٹے ہوتے --- یا خود دولت کمائی ہوتی --- جائیداد بنائی تو یہ شان اور غرور کھپتا بھی --- جو تھوڑا بہت کمایا وہ بھی لٹا دیا --- بچوں کی الگ عادتیں خراب کیں --- کتنا جھینکتی رہی کہ چادر دیکھ کر پیر پھیلاؤ، بھائی میاں اور چچا جان کی اولاد کی اور ہمارے بچوں کی کوئی ریس نہیں --- ایک وزیر ہیں، دوسرے کسی کمپنی کے اتنے بڑے افسر! مگر ایسی شاہ خرچیاں تو وہ بھی نہیں کرتے - مگر صاحب وہاں تو یہ منطق تھی کہ میرے بچے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں! اور آج ہاتھ زمین کو لگ گئے تو کچھ نہیں! تجارت میں گھاٹا --- پارٹنر کی بے ایمانی! اُنہہ --- کون جانے اس میں کتنا سچ ہے - کون جانے یہ سب لٹا دیا یا گنوا دیا؟

ان کو کیا --- مصیبت تو میری ہے --- جس کے پاس کنوارپتے میں

بھی دو دو نوکر تھے ـــــ شادی کے بعد بھی تین نوکر سے کم گھر میں نہ رہتے تھے ـــــ اب یہ سٹھیایا بڈھا اور وہ حواس سے بے حواس بڑھیا! ایک کو ہنسنے کے سوا کچھ نہیں آتا دوسری قسمت کو روتی رہتی ہے ـــــ توبہ اللہ توبہ ہے میری! مصیبت ماری ہے۔ میں تو ان کے گھر اور بچوں کے لئے مرتی کھپتی رہوں اور کبھی تعریف کے دو بول نہ کہے! ہنھ تعریف ـــــ یہ تو میری قسمت میں کہاں تھی - اپنے لئے ایسے حسّاس، اتنے نازک مزاج ـــــ اپنی بہنوں کے لئے ذرا سی بات نہ سن سکیں اور میرے لئے پتھّر!

جب سے بہن کے آنے کی خبر ملی ہے سارے گھر میں ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ ایسی تیاریاں کبھی میری بھائی یا بھابی یا بہن کے لئے نہ کیں ـــــ یہی تو کہا تھا زہرا باجی کوئی نئی تو نہیں آ رہی ہیں، برسوں یہاں رہ چکی ہیں، اس قدر گھبرا کیوں رہے ہو! اے ہے ـــــ منھ پھول گیا ـــــ کھانا نہیں کھایا ـــــ بچّوں پر جھلاتے، نصرو چاچا پر بگڑتے رہے۔

اِن کی بہن کی وجہ سے سدا میں نے دُکھ اٹھائے ـــــ دو سال تک وہ ہمارے ہاں رہیں ـــــ دو سال نہ سہی دو چار مہینے کم سہی ـــــ ہر وقت ان کی خاطر داری کی، مگر نہ ان کے بھانویں ـــــ آیا نہ بھائی خوش ہوئے انھوں نے نوکری کرلی تو اس میں میرا کیا قصور؟ بجائے اس کے کہ وہ میرا احسان مانتیں کہ اپنے بچّوں کا حق مار کر ان کے اور ان کے بچوں کے لئے اتنا کچھ کر رہی ہوں ـــــ اُلٹا انھوں نے بھائی کا دل مجھ سے پھیر دیا۔

بھلا میں کیسے ان کی بد دماغ کلوٹی بیٹی کا بیاہ اپنے چاند جیسے بیٹے سے کر لیتی! مجھے کیا خبر تھی کہ یہ خاطر داریاں، یہ بہن بھانجی پر ہر وقت واری نثار رہنا یہ رنگ لائے گا ـــــ کھانے پر اپنے بچوں کی پروا نہیں - ہما

اور زہرا کی خاطرداری ہو رہی ہے، جو چیز لائیں گے پہلے ان دونوں کی دی جائے گی ـــــــ ان کو کوئی بات بُری نہ لگ جائے ـــــــ بھائی ہیں تو فدا، بھتیجے بھتیجی ہیں تو ہر وقت منھ دیکھتے رہتے ـــــــ بچاری پھپھو کا دل ٹوٹا ہوا ہے ـــــــ پچا پھوپی، خالہ ماموں جو رشتے دار آتے زہرا ـــــــ زہرا ـــــــ زہرا ـــــــ جیسے ان سے پہلے کبھی کوئی عورت رانڈ ہی نہیں ہوئی ـــــــ رنڈاپے میں ایسے چاؤ چونچلے ہم نے نہیں دیکھے ـــــــ ایسی محبت اتنی راحت ملے تو کبھئی سہاگ سے رنڈاپا ہی اچھا ـــــــ توبہ ـــــــ توبہ اللہ یہ میں کیا کہہ رہی ہوں ـــــــ مگر زہرا کو تو لوگوں کو اپنانے اور پرچانے کا فن آتا ہے ـــــــ وہی ماں کا انداز بیٹی کا ہے ـــــــ جانے اس کلوٹی میں کون سی کشش ہے ـــــــ میری نگوڑے تو پیروں کے برابر بھی نہیں ـــــــ مگر وہ آجائے تو نگو بچاری کو کون پوچھتا ہے۔

اور مجھے کیا، عرفان ہی کو وہ کب پسند تھی ـــــــ عمر میں لگ بھگ برابر، صورت ایسی! مزاج ایسا! ـــــــ کون مرد تیکھے مزاج والی کو پسند کرتا ہے ارے میں نے سدا اتنا سہا پھر بھی جب زرا کبھی کچھ کہہ دیتی ہوں تو میاں دنوں سیدھے منھ بات نہیں کرتے۔

ہائے یہ کبھی جانا ہی نہیں کہ محبت کسے کہتے ہیں۔

بابا ذرا اماں جانی کتنے تعریفیں کرتے تھے داماد کی اور وہ بڑی بی اللہ انھیں بخشے ـــــــ کانٹے ہوگئیں میرے لئے تو ـــــــ پوچھو جب تمہارے بیٹے کی مرضی نہیں تھی تو گلہ ہے کہ دھوکا دیا میرے ماں باپ کو؟ انھوں نے ضرور چاؤ چونچلے کئے، صدقے قربان رہیں، ناز برداریاں کیں، مگر عورت کو مرد سا سا کا عشق تو نہیں چاہیئے۔

خالو جان کے ہارٹ فیل ہونے کی خبر سن کر ہم لوگ وہاں پہنچے تو خالہ جان مُردوں سے بدتر ہو رہی تھیں ــــــ یہ کونوں میں چھپ چھپ کر روتے ــــ اور جب زہرا باجی سسرال سے آئیں تو ــــ ہے ہے ــــ ان کی تو حالت دیکھی نہیں جاتی تھی ــــ باپ انھیں چاہتے بھی تو بہت تھے ــــ سوا مہینے تک میں اور ممی وہاں رہے ــــ گھر میں تو کسی کو ہوش ہی نہ تھا ــــ میں نے اور ممی نے اپنی ماماؤں کے ساتھ گھر کو سنبھالا..... دن رات لوگ آتے رہتے تھے ــــ توبہ سینکڑوں ہی تو عزیز اور دوست آئے ہوں گے ــــ اور جو ہے خالو جان کی تعریفیں کر رہا ہے اور خالہ جان اور زہرا سے بے حد ہمدردی اور ان بچارے کو نصیحت ۔ ماں اور بہن کو اب تم سنبھالو ــــ وہی تو غریب عمر بھر کرتے رہے ....

اور جانے یہ کیا قصہ تھا! یوں تو کسی کو ہوش نہ تھا ۔ مگر فاتحہ کا کھانا دونوں ماں بیٹی اپنے آپ پکاتیں ، فاتحہ دیتیں اور غریبوں کو بانٹتیں ۔ امی نے کہا بھی کہ لئیے رشتے میں بھی بھیجا جاتا ہے مگر ان لوگوں کی تو ہر بات نرالی تھی ــــ نہیں ــــ ہم تو بس غریبوں کو کھلائیں گے ــــ کھلاؤ بھئی ہمیں کیا! جانے اس وقت دل میں کہاں سے طاقت آ جاتی تھی دونوں کے ۔ اِن بچارے سے فاتحہ دلوائی جاتی ــــ اے ہے انا کی صورت مجھ سے دیکھی نہ جاتی تھی ــــ ان کی ذرا سی تکلیف ذرا سا دکھ مجھ سے کبھی نہ سہا را گیا ــــ آج بھی ان کی بیماری مجھے پاگل بنا دیتی ہے ــــ مگر ــــ ہائے اللہ ــــ میں بھی ان کی لاڈلی بہنوں جیسی کیوں نہ ہوئی ــــ اس طرح مجھے بھی باتیں بنانی آتیں ، محبت کا اظہار کرتی ، شرم حیا بالائے طاق رکھ کر میاں کے چونچلے کرتی تو شاید یہ

جانتے کہ مجھے ان سے محبت ہے۔

لوگ کہتے ہیں ممی اور ڈیڈی کو معلوم تھا کہ یہ شادی سے انکار کر رہے ہیں۔ اچھا اگر مرضی نہ تھی تو راضی کیسے ہو گئے؟ خالو جان کے چہلم کے بعد ہی خالہ جان نے ممی سے کہا تھا کہ عدت پوری ہوتے ہی وہ ان کا بیاہ کرنا چاہتی ہوں تاکہ بہو آکر گھر سنبھالے۔

مگر ان کی ضد تھی کہ ایم۔ اے کرنے اور نوکری ملنے کے بعد ہی بیاہ ہو گا ——— گھر میں رہا ہی کیا تھا ——— جائیداد کی تھوڑی بہت آمدنی رہ گئی تھی ——— خالو ابا بھی اللہ بخشے ایسے ہی شاہ خرچ تھے جیسے بیٹے صاحب ہیں۔ بیٹی کے بیاہ میں یوں دل کھول کر دیا جیسے بڑے رئیس ہوں کہیں کے ——— مجھے اس گھر میں ملا ہی کیا؟ باپ کے گھر سے اتنا نہ لاتی تو خالی ڈھنڈار گھر ملتا۔

خیر کچھ نہ ہوتا ——— ان کی چاہت تو ملتی مگر انھوں نے کبھی اپنا جانا ہی نہیں۔ سب کہتے ہیں اتنا خیال کرتا ہے ——— کوئی میرے اندر والے کو دیکھنے والا نہیں ——— اے خالہ جان اللہ تمہیں سمجھے کر جانتے بوجھتے میرے ساتھ یہ کیا ——— مگر ——— مگر ——— شروع میں تو ان کا رویہ ایسا نہ تھا۔ ہنستے بولتے بھی تھے ہاں میرے میکے بہت کم آئے! اور میں ان کے گھر بہت کم رہتی تھی ——— خالہ جان بچاری اس اجاڑ گھر میں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ نوکری کی تلاش میں تھے۔ بھلا میں کہاں رہتی ان کے پاس جاکر ——— یہ خبر نہ تھی کہ مجھے آخر میں اس اجڑی بستی میں لا کر رکھا جائے گا ——— اس وقت بھی بڑی آپا تھیں جو میرا دکھ سمجھتی تھیں مگر وہ بھی پاکستان جا بسیں ——— یا میری ممی پیاری ہائے کتنا چاہتی

تھیں ـــــ کتنی میری دلداری کرتی تھیں "
اور اپنی غم گسار ماں کی یاد میں پھر سے آنکھیں برسنے لگیں۔
" بھائی میاں تو ٹھہرے مرد ـــــ بھابی جان تو خیر ـــــ سبھی جانتے ہیں کتنی دنیادار ہیں، چھوٹے بھیا بھی پاکستان جا بسے ـــــ اس عمر میں تو اپنا میاں اور بچے" ہی غم گسار ہوتے ہیں۔ بیٹا بھی ان بھائی بہن کے کارن مجھ سے چھوٹ گیا۔ اچھا ہوا بڑی آپا نے اپنی نواسی سے اس کی منگنی کر دی ـــــ یہ بھی وہاں چلے جاتے تو آج لاکھوں کی جائیداد کے مالک ہوتے۔ بڑی سی نوکری ملتی، عیش سے رہتے ـــــ سبھی نے اصرار کیا۔ مگر وہاں تو ایک نہیں جو منھ سے نکل گئی تو پھر ہاں نہ بنی ...
ہنہہ ـــــ بڑی محبت ہے اپنے وطن سے آخر وہ ہمارے مسلمانوں کا ملک ہے ـــــ پھر ہر طرح کی آسانیاں ہیں ـــــ یہاں جان الگ خطرے میں رہتی ہے ـــــ پھر روکھا سوکھا کھانے کو ـــــ مگر صاحب ان بھائی بہن اور گھرانے کی وطن کی محبت دنیا سے نرالی ہے۔ پوچھو وہ لوگ جو گئے ہیں کیا انھیں محبت نہ تھی۔ مگر اپنا بھلا سب دیکھتے ہیں! کھائی میاں نہیں گئے تو ٹھیک رہے ـــــ وہ وزیر ہیں ـــــ ان کے لڑکوں کو بڑے بڑے عہدے ملے ہیں ڈیڈی کی اتنی بڑی جائیداد ان کے پاس ہے ـــــ پوچھو تم کیوں یہاں دکھ جھیل رہے ہو؟ کچھ نہیں وہی بہن بھانجی اور اس منھ بولی بھتیجی بہن کی محبت ہے بھلا دیکھو تو کیا قسمت کھلی ہے اس لونڈیا کی ـــــ ساری عمر ہمارے ٹکڑوں پر پلی۔ مگر ماں کے مرتے ہی سارے دلدّر دور ہو گئے۔ باپ ولایت لے گئے خوب تعلیم دلائی ـــــ مقصود بھائی جیسا ہیرا میاں ملا۔ دو ہزار

روپے تو تنخواہ ہے ان کی ——— بیوی پرواری نثار ——— بچہ نہیں ہے تو کیا ہوا ——— ہوئے تو تھے مر گئے ——— سبھی راحتیں تو اللہ میاں ایک کو نہیں دے دیتا ——— دیور اور نندوں کی کوڑیوں اولاد بھری پڑی ہے ——— اللہ بخشے ہماری ساس کتنی واری نثار تھیں۔ بیماری میں سدا اسے یاد کیا کرتیں " ہائے ہمی میری کیسی خدمت کرے تھی —" پوچھو ہمی ہی سے کیوں نہ بیٹے کا بیاہ رچایا ——— مگر کون گھر کی پلی چھوکریوں سے بیٹوں کا بیاہ کرتا ہے ——— ہو گی دور پرے کی رشتے داری ——— ہماری اماں نے تو کبھی منھ نہیں لگایا ——— مگر ان بھائی بہن کو تو آج بھی جو حمرا ہے وہ کوئی نہیں ——— جانے کیا لال لگے ہیں ——— مقصود بھائی بھی اس پر یوں عاشق ہیں ——— اک ذرا آنکھیں خوبصورت ہیں ——— مگر روئی صورت کبھی ہم نے تو ہنستے نہ دیکھا ——— ہما بالکل اسی خالہ پر گئی ہے ——— وہی صورت، وہی مزاج ——— وہی انداز ——— توبہ میں اپنے بچے کی قسمت پھوڑتی!

اب تڑپ رہے ہیں بیٹے کی محبت میں۔ منھ سے نہ کہیں پر کیا میں جانتی نہیں۔ جب سے خیر سے وہ گیا ہے، کبھی ان کے منھ پر سنجی ہنسی نہیں دیکھی ——— اندر ہی اندر گھل رہے ہیں۔ مگر ایسے گھنٹے ہیں کہ کیا مجال، جو اللہ رکھے اس کو کبھی نام تک لیں ——— ارے میرے لال ——— تجھے ماں کا بھی خیال نہیں آتا ———"

انھوں نے پھر ہچکوں ہچکوں رونا شروع کر دیا!

چاندنی کی کرنیں دالان کے مغربی در میں سے ہو کر رضوانہ کے بستر پر گر رہی تھیں ——— سامنے میاں کے کمرے کا ایک کونہ بھی

چاندنی سے روشن تھا ــــ "انھیں بھی نیند آرہی ــــ کروٹیں بدل رہے ہیں ــــ لاڈلی بہنوں کی فکر میں صحت تک کی پرواہ نہیں کی ــــ شام عمران نے تار لاکر دیا تو جیسے دنیا کی دولت مل گئی ــــ "رضوانہ ایک اور پلنگ زہرا کے کمرے میں بچھوا دینا ــــ حمرا بھی زہرا کے ساتھ ہی آرہی ہے ــــ جیسے اس کے لیے تڑپ ہی تو رہی تھی میں ــــ یہاں آخر مہینہ ایک ایک پیسہ کی تنگی اور ــــ اور وہاں نصرو کو نادری حکم مل رہا ہے "دیکھو نصرو چاچا پھل لے آنا اور اکھٹے انڈے بھی ــــ مکھن کی بڑی ٹکیہ اور ڈبل روٹی ــــ "

"مہینہ کا آخر ہے ــــ" میں نے آہستہ سے کہا "بس دو چار ہی روپے پڑے ہیں مرے پاس ۔"

کہتی کیسے نا ــــ کیا میں نے ٹکسال کھول رکھی ہے ؟ وہ تو بھائی میاں پچھلے مہینے آئے تھے ۔ دو سو روپے چلتے وقت مجھے دے گئے یہ جانتے تو ہیں ــــ مگر ظاہر نہیں کرتے ــــ ایک بار اتنی سی بات کہدی تھی کر بیاہ کے بعد فرض باپ بھائی کا نہیں میاں کا ہوتا ہے ۔ اے ہے باپ تو باپ بیٹی بیٹا بھی بگڑ گئے کہ ایسی بات آپ نے کہی کیسے ! سچی بات تو کڑوی لگتی ہی ہے ــــ مگر میں کسی سے دبتی نہیں ــــ حق بات کہتی ہوں ــــ برا لگے تو لگے ۔

اس وقت روپیہ کا نام سنتے ہی منھ سرخ ہو گیا ــــ الماری سے سو کا نوٹ نکال کر نصرو کو دیدیا ۔" جب تک زہرا حمرا رہیں گی اس میں سے خرچ ہوگا ــــ" اب آگ لگے یا نہ لگے ــــ نوکروں کے سامنے ذلیل کیا کہ نہیں ؟ ــــ مگر میرا تو گلا سبھی گھونٹنے کو تیار رہتے

ہیں ــــــ بیٹی بیٹا ــــــ جان کو آ گئے ــــــ اور انھوں نے ــــــ منھ سے کچھ نہ کہا ــــــ مگر تیور اور انداز ــــــ کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے۔

عمران سے بولے "صبح اسٹیشن جانا ہے ــــــ کافی دور پیدل چلنا ہوگا ــــــ گاڑی سات بجے آجاتی ہے۔"

رات بھر کھانستے رہیں ــــــ بیٹ میں سانس نہ سمائے مگر میل بھر پیدل چل کر لاڈلیوں کو لینے جانا ضروری۔

"نہیں۔ میں جاؤں گا" میں نے اتنا کہا۔ "نگو اور عمران چلے جائینگے تمہارا جی اچھا نہیں"

"ہاں اتنی دیر قرار کہاں آئے گا۔"

"ہاں ہاں نہیں آئے گا قرار ــــــ بہنیں میری آرہی ہیں بے قراری مجھے نہیں تو اور کس کو ہوگی؟" اور پیر پٹختے ہوئے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔

وہ سب کے سامنے میری ذلّت کریں ــــــ اور صاحب ہم جب روئیں تو ہسٹریا ہے، بدمزاج ہیں، بددماغ اور بدزبان ہیں ــــــ"

نگین نے سر اٹھایا۔ ایک منٹ تک جیسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا قصہ ہے۔ پھر ماں کے پلنگ پر آگئی۔

"ممی خدا کے واسطے اب تو چپ ہو جائیے ــــــ پاپا کے ایک جملے کا اتنا اثر لے رہی ہیں ــــــ آپ نے بھی تو بہت کچھ کہہ لیا رات بھر سوئی نہیں ــــــ صبح کو پھپھو اور حمرا پھوپی آجائیں گی وہ سمجھیں گی کہ ان کا آنا بُرا لگا ہے ــــــ"

"میری بلا سے جو جس کا جی چاہے سمجھے ــــــ میں تو آگرے جا رہی ہوں"

"نہیں ممی ایسی بات نہ کیجیے ۔۔۔ دیکھئے نا ممی ـــــ بلال بھائی کے بعد پھپھو پہلی بار یہاں آرہی ہیں اور آپ تو اسی حادثہ کے بعد اب تک ان سے مل بھی نہ سکیں ـــــ اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ آئیں اور آپ گھر سے چلی جائیں ـــــ"

"ہنہہ ـــــ کون وہ ان کا سگا بیٹا تھا ـــــ" کہنے کو تو یہ بات کہہ دی مگر پھر خود ہی پشیمان سی ہو گئیں ۔۔

"ہائے ممی ـــــ ایسی بات تو نہ کہیئے ـــــ کوئی سگے بیٹے کو کیا چاہے گا جتنا پھپھو ان کو چاہتی تھیں ـــــ آپ نے تو دیکھا نہیں۔ میں تو بابا کے ساتھ گئی تھی ـــــ صدمے سے ان کا کیا حال تھا۔ اس لئے تو بابا کو فکر ہے ـــــ آپ سمجھی نہیں ـــــ"

"ہاں میری تو سمجھ موٹی ہے ـــــ بے وقوف ہوں ـــــ ظالم ہوں ـــــ کسی سے محبت نہیں کرتی ـــــ"

"یہ کون کہتا ہے ممی آپ تو سب سے محبت کرتی ہیں ۔۔۔ مگر ـــــ"

"ارے میری محبت کا کس کو احساس ہے ـــــ زہرا باجی کو سدا میں نے سگی بہن سمجھا ـــــ ان کے بچوں پر جان دی ـــــ اور وہ جان ہار تو اتنا پیارا تھا ـــــ اتنی محبت کرتا تھا مجھ سے، اس کے مرنے کی خبر سن کر تین دن تک تو میں پلنگ سے اٹھنے کے قابل نہیں رہی، دل کا دورہ پڑ گیا ـــــ اسی لئے تو ان کے پاس نہیں جا سکی تھی۔ مگر میری زبان سب سنتے ہیں، دل کوئی نہیں دیکھتا ـــــ میرے خلوص اور محبت کو کبھی کس نے سمجھا ہی نہیں ـــــ"

"کون کس کا دل دیکھتا ہے ـــــ آپ ہی کب بابا کے دل

کا حال سمجھتی ہیں۔ شام آپ نے سینکڑوں انھیں سنا دیں۔ اگر وہ بھی پلٹ کر جواب دیدیتے تو ـــــ؟"

"یہی ـــــ یہی تو ہے ـــــ اس گھنے پن نے میرے دل کو جلا کر رکھ دیا ہے میں یک جھک لیتی ہوں مگر دل صاف ہو جاتا ہے۔ مگر ان کا گھنے پن کے ساتھ مجھ سے جو سلوک ہے وہ کسی اور کا کیا ذکر میری اولاد ہی نہیں سمجھتی ـــــ انہیں کی طرف داری کرتی ہے ـــــ" وہ پھر رونے لگیں۔

"اچھا اچھا ممی ـــــ اب آپ سو جایئے ـــــ آدھی رات گزر چکی۔ طبیعت خراب ہو جائے گی ـــــ صبح آپ بھی ہمارے ساتھ پھپھو کو لینے چلیئے گا ـــــ ہیں نا ممی ـــــ چلیں گی نا؟"

رضوانہ سسکتی رہیں ـــــ بیٹی آہستہ آہستہ ماں کا سر سہلاتی رہی یہاں تک کہ ان کی سوجی آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہو گئیں اور ہلکے ہلکے خراٹے سنائی دینے لگے۔

نگین نے جھک کر ماں کے گال کا بوسہ لیا۔ اس کے لبوں پر آنسوؤں کا نمک محسوس ہوا ـــــ پھر باپ کے کمرے کی طرف دیکھا

"پاپا جاگ رہے ہیں ـــــ شاید ممی کی باتیں سن لی ہوں ـــــ ہائے اللہ کیا کروں، وہ تو کسی اپنے دل کا درد کہتے بھی نہیں۔ بھائی جان ہوتے تو شاید پاپا کا یہ حال نہ ہوتا۔ مگر دنیا کتنی خود غرض ہے۔ انھیں اپنا عیش آرام، اپنی اونچی تعلیم، اپنے عہدے کی فکر ہوئی پاپا کی نہیں، اماں کی بھی نہیں ـــــ بہن بھائی تو بھلا کس گنتی میں ہیں۔

ممی تو اپنے کو کہتی ہیں مگر مجھی سے پاپا کب خوش ہیں۔ ویسے پچھلے

مہینے بخار آیا تو تین دن تین رات وہ میرے پاس بیٹھے رہے ـــــ اپنے ہاتھ سے دوا پلانا، کھانا کھلانا، سوتے تک نہیں تھے۔ کتنے پریشان تھے ـــــ ممی سے بھی زیادہ ـــــ پھر آخر کیا بات ہے خفا خفا کیوں رہتے ہیں ؟ میں بھی تو ان کے پاس نہیں جاتی ـــــ جیسے ڈر سا لگتا رہتا ہے۔ ممی کو کچھ کہہ نہ دیں ـــــ مجھے نہ ڈانٹ دیں ـــــ مگر ڈانٹ دیں گے تو کیا ہوا ؟؟ میرے باپ ہیں ـــــ ڈانٹنے کا حق ہے انھیں مگر ان کے اس موڈ سے بڑا ڈر لگتا ہے جب تک ہنستے بولتے مذاق کرتے ہیں۔ لگتا ہے۔ مگر اب تو چپ چاپ الگ الگ رہتے ہیں ـــــ ساری رات جاگیں گے مگر کیا مجال کہ مجھے یا ممی یا کسی کو پکار لیں ـــــ جاؤں ؟ جاکر پاپا سے اس وقت خوب باتیں کروں ـــــ کہوں آپ ممی کی باتوں کا ذرا بھی خیال نہ کیجئے ـــــ وہ تو بچاری ہسٹریا کی مریض ہیں ـــــ بے سوچے سمجھے الٹی سلٹی باتیں کہہ دیتی ہیں مگر ان کو آپ سے بہت محبت ہے، پھپھو کو بھی بہت چاہتی ہیں ـــــ مگر ـــــ مگر پاپا نے جواب نہ دیا ؟ یا یہ کہہ دیا کہ بس اپنی ماں کی طرف داری نہ کرو ـــــ تو ؟ پرسوں رات میں پانی پینے اٹھی تو سر پکڑے بیٹھے تھے ـــــ میں نے پاس جاکر کہا پاپا کیا بات ہے۔ کیسی طبیعت ہے ؟ سانس پھول رہا تھا۔ کھانسی اٹھ رہی تھی مگر جواب کیا ملا ـــــ "ٹھیک ہے ـــــ جاؤ تم جاکر سو جاؤ ـــــ میں ٹھیک ہوں ـــــ کیسا کھرا سا لہجہ تھا ـــــ بھلا ایسی بھی کیا ر کھائی ؟ اسی سے ممی جلتی ہیں ـــــ آج تو پاپا نے کھانا بھی نہیں کھایا ـــــ ممی نے خواہ مخواہ ہی اتنی بک بک کی ـــــ بھلا ایسی باتیں کوئی عورت اپنے میاں کو کہتی ہے ؟ جب سے پاپا کا کاروبار ٹھپ ہوا ہے ـــــ

نمی کا مزاج بہت خراب ہو گیا ہے ـــــ نکھٹو اور کاہل اور جانے کیا کہتی رہتی ہیں ـــــ مگر جب وہ بلک بلک کر روتی ہیں تو ـــــ تو ـــــ ہمدردی ان سے ہوتی ہے یا با سے نہیں ! ـــــ ہو بھی کیسے۔ جو آدمی کسی سے دل کا حال نہ کہے اس سے کون ہمدردی کرے ؟

ہائے میرے اللہ کیا کروں ـــــ کیا ساری زندگی یونہی گزرے گی ؟"
وہ انہیں خیالوں میں کھوئی ہوئی نیند کی آغوش میں سو گئی ـــــ سر لڑھک کر ماں کی چھاتی پر آ گیا۔

صبح چھ بجے علی میاں بیٹے کو اٹھانے گئے تو دیکھا دونوں بچے اور ماں ایک ہی پلنگ پر گڈ مڈ بے خبر سو رہے ہیں ـــــ ایک تلخ مسکراہٹ ہونٹوں پر ابھری، ایک گھٹی ہوئی لمبی سانس سینے سے نکلی اور وہ دالان سے باہر نکل آئے۔ نفرو چاچا چھوٹی چندھی آنکھیں مچمچاتے چائے کی پیالی لئے کھڑے تھے ۔ "میرے میاں چائے پی لو ـــــ"
انھوں نے چائے کی پیالی لی اور دوا کے کڑوے گھونٹ کی طرح حلق میں انڈیل لی ۔

رضوانہ، عمران اور نگین سو کر اٹھے تو دن چڑھ آیا تھا۔
"ارے اتنی دیر ہو گئی ـــــ بابا نے اٹھایا ہی نہیں "
عمران گھبرا کر کھڑا ہو گیا ـــــ باپ کا پلنگ خالی تھا ۔" نفرو چاچا "
"کیا ہے بیٹے ـــــ ؟"
" بابا کہاں ہیں ـــــ ؟"

"چلے گئے ____" حسب عادت بے وجہ ہنستے ہوئے انھوں نے کہا۔

"ہنس کیوں رہے ہو ____؟ کہاں گئے بابا ____" نگین چیخ کر بولی۔

"اسٹیشن گئے ہیں ____ اپنی زہرا بیٹا آ رہی ہے نا ____" انھوں اپنے حسابوں بالکل نئی خبر سنائی ____ دونوں بھائی بہن دانت پیس کر رہ گئے ____ نگین سوچ رہی تھی بابا اکیلے چلے گئے ____ ہم سوتے رہے ____ اب وہ یہی سمجھیں گے کہ کسی کو پھپھو کی پرواہی نہیں ____"

"امی ____ تانگہ منگاؤں ____"

"اے نہیں ____ بہت دیر ہو گئی اب تو ____"

عمران نے جلدی جلدی پینٹ اور قمیض پہنی اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

۷

فرسٹ کلاس لیڈیز ویٹنگ روم میں سامان رکھوایا، آیا کے ہاتھ پر ایک روپیہ رکھا اور باہر نکل آئی۔ آیا ہر آنے والی سے ٹیڑھی نظریں کرکے کہتی تھی "پہلے ٹکٹ تو دکھاؤ، فرسٹ کا ہے بھی یا یونہی منھ اٹھائے گھسی چلی آرہی ہو۔" مگر اس سے کچھ نہ بولی۔ پہلے ہی وہ اس کی قیمتی ساڑھی، چمکتے نگوں کی انگوٹھی، لاکٹ، بڑھیا پرس اور پھر بدیسی سوٹ کیسوں سے مرعوب ہوچکی تھی ——— پھر یہ ایک روپے کا کرکراتا نوٹ! بھلا سیکنڈ یا تھرڈ کے مسافر کی یہ شان ہوسکتی ہے!

"دو آنے بھی ——— ارے دس نئے پیسے بھی ان عورتوں کا دیتے دم نکلتا ہے ———"

"نیم صاحب سامان کی فکر نہ کرنا ——— میں تو ہوں ہی ———"

آیا کے لہجے میں بڑی مٹھاس تھی۔

حمرا ہنسی! "بچاری آیا"

زہرا کی گاڑی لیٹ تھی۔ سوچا ٹکٹ ہی خرید لے۔ مگر جانے وہ فرسٹ میں جائیں گی بھی یا نہیں ——— وہ ٹکٹ خرید ہی لے۔ کیا وہ وہ اپنی حمرا کی اتنی سی بات نہ مانیں گی؟ لیکن اگر انھیں ناگوار ہوا تو؟ وہ تو

اب اور بھی زیادہ حساس ہوگئی ہوں گی ——— ٹھیک بھی تو ہے ——— حالات بھی تو کیسے پلٹ گئے ہیں ——— وہ جو کل ان کی دست نگر تھی، ان کے گھر میں پلی بڑھی، وہ آج ہزاروں میں کھیل رہی ہے ——— اور زہرا باجی اور علی بھیا اتنی سخت مالی پریشانیوں میں گرفتار ہیں ——— خالہ اماں اور خالو ابا نے کبھی اسے یہ محسوس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس گھرانے کا ایک فرد نہیں ——— مگر آج زہرا باجی گزر بسر کے لئے ایک پرائمری اسکول میں ٹیچر ہیں، علی بھیا شہر کی سکونت چھوڑ کر مرادپور میں جا بسے ہیں اور وہ خود کار میں گھومتی ہے، کوٹھی میں رہتی ہے۔ سینکڑوں کی ساڑھیاں اور ہزاروں کے زیور پہنتی ہے، بنک میں روپیہ جمع ہے، اس وقت بھی پرس میں ہزار سے زیادہ روپے پڑے ہیں ——— "نہیں میں زہرا باجی کا ٹکٹ نہ لوں گی۔ جب وہ آجائیں گی تو جیسا وہ کہیں گی ویسا کیا جائے گا۔"

ویٹنگ روم کے باہر کھڑے کھڑے وہ یہ سب سوچتی رہی۔ پیٹ میں آگ سی جل رہی تھی ——— صبح سے کچھ کھایا ہی نہ تھا۔ ناشتہ پر مقصود کے خوف سے نام کو بیٹھ گئی تھی۔ یا جہاز میں وہ ایک کافی کا گلاس پیا تھا۔ مگر تنہا جا کر کھانا کچھ اچھا نہ لگا ——— کافی کے اسٹال پر سے ایک کپ کافی کا اور کچھ بسکٹ لے کر پیٹ کی آگ بجھائی ——— ہر طرف ہجوم اور گہما گہمی! بھاگ دوڑ ——— تو بہ لگتا ہے سارا شہر اسٹیشن پر ڈھل آیا ہے۔ ٹرینیں ہیں تو کھچا کھچ بھری ہوئی، پلیٹ فارم پر کھوے سے کھوا چھل رہا ہے ——— یا اللہ یہ اتنے لوگ ——— اتنی ہل چل۔ اتنا ہجوم ——— اور وہ ——— وہ خود کتنی تنہا ہے وہ! جب سے زہرا اور علی بھیا سے چھوٹی ——— یہ ویرانی ——— یہ تنہائی ——— اس کا مقدر بن گئی!

دو تین عورتیں باتیں کرتی تیزی سے اس کو دھکا دیتی گزر گئیں، ساڑھی کا پلّو زمین پر جا گرا پرس ہاتھ سے چھوٹ گیا ـــــ ـ اس نے غصّے سے انھیں گھورا ساڑھی درست کی، پرس اٹھایا، کافی کے کاونٹر پر پیسے رکھے اور ویٹنگ روم میں آگئی۔ آیا نے اسے دیکھتے ہی ایک آرام کرسی کو جھاڑن سے صاف کیا۔" میم صاحب تھکی ہوئی لگ رہی ہو، لیٹ جاؤ ـــــ"۔ بچاری غریب عورت! ایک روپے کے لئے کتنی شکر گذار ہے ـــــ اس نے کرسی پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں ـــــ یہ دو گھنٹے کیسے کٹیں گے؟ جسم شل تھا مگر نیند آنکھوں سے دور تھی؟ پپوٹے بند تھے مگر ذہن میں پھر ماضی کے دریچے کھلتے جا رہے تھے ـــــ وہ کیوں چلی گئی تھی پاپا کے ساتھ؟ اس نے کیوں نہ یہ سوچا کہ جس باپ نے سولہ برس تک اسے بھلائے رکھا، بیس برس اس کی ماں کو روحانی کرب میں مبتلا رکھا ـــــ اسے وہ گہری، سچی محبت جو ایک بیٹی کا حق، جو باپ کی فطرت ہے ـــــ کیسے دے سکے گا ـــــ؟ بیٹی کبھی اسے وہ راحت، وہ پیار ـــــ وہ اپنایت کیسے محسوس کرا سکے گی جو باپ کو ملنی چاہیئے! مگر سولہ برس کی نا تجربہ کار عمر میں یہ سب باتیں کون سوچ سکتا ہے ـــــ پھر علی بھیا، خالہ اماں اور خالو ابا سب کی یہی مرضی تھی کہ وہ باپ کے ساتھ چلی جائے۔ صرف زہرا باجی کہتی رہیں کہ حمرا کا جی وہاں نہیں لگے گا، یہ ان لوگوں میں نہیں کھپ سکے گی ـــــ حمرا کو یہیں رہنے دو ـــــ مگر ان کی بات کو سہیلی کی محبت سمجھ کر ہنسی میں اڑا دیا گیا ـــــ یہ کون جانتا تھا کہ انھیں کی بات ٹھیک تھی۔ وہ کبھی اپنے باپ کے گھر کا ایک فرد نہ بن سکی ـــــ مانا کہ وہ بیٹی کا بہت خیال رکھتے تھے ـــــ اس کو دنیا بھر کی چیزیں لاکر دیتے، سارے

یورپ کی سیر کرائی، اکسفورڈ میں تعلیم دلائی ——— ماما نے بھی کوئی برا سلوک نہیں کیا۔ اور تینوں بھائی بہن تو بچے ہی تھے ——— بڑی جلدی وہ اپنی ہندوستانی بہن سے مانوس ہو گئے! وہ بھی ان لوگوں کی محبت میں اپنے کو کھونے کی کوشش کرتی رہی ——— شروع شروع میں تو لگتا تھا اسے سب کچھ مل گیا۔ نئی جگہ، نئی نئی چیزیں، نئی زندگی، راحت اور آسائش! مگر پھر سال اندر ہی ہر چیز سے جی اوب گیا ——— پاپا کی باتیں ادپری ادپری لگتیں، امی کی محبت کا کیا ذکر ——— خالو ابا کی محبت اور خلوص کی بھی جھلک نہ ملتی اس میں ——— ماما کی زندگی اور مصروفیتیں، کتنی عجیب لگتی تھیں اسے! ان کی مردوں سے بے تکلف دوستیاں پاپا پر ان کی ڈانٹ پھٹکار ——— ایسا لگتا پاپا اطاعت گزار بیوی ہیں اور وہ جابر شوہر۔ شاید قدرت نے امی کا بدلہ ان سے اس طرح لے رہی تھی کہ وہ ہر وقت اپنی فرنگن بیوی کی زبانی جوتیاں کھایا کرتے اور بند بیڈ روم میں تو جانے اور کیا کیا ہوتا تھا ——— کتنے تکلیف دہ حالات تھے ——— وہ جب چھٹیوں میں گھر آتی سخت کوفت ہوتی ——— ہر بات کے باوجود وہ اس کے باپ تھے ——— اسے ان پر بہت رحم آتا تھا۔

کیسے اس نے یہ چار سال گزارے یہ اس کا دل ہی جانتا ہے۔ وہ طے کئے ہوئے تھی ڈگری لینے کے بعد وہ فوراً ہندوستان چلی جائے گی اور سکون سے وہاں رہے گی۔

سکون ——— اس کی زندگی کو سکون سے کیا واسطہ! اسی زمانے میں ملک کا بٹوارہ ہونا تھا؟ اسی زمانے میں خون کی ندیاں بہنی تھیں؟ حیوانیت اور شیطانیت کے وہ خوفناک مظاہرے! پردیس میں غیروں

کے سامنے سر اٹھاتے شرم آتی ——— انگریز طالب علم اور استاد کھلم کھلا ہنستے اسی لیئے تو برطانیہ آزادی نہیں دینا چاہتا تھا ——— اور پھر اپنے پیاروں کی جان کی فکر ہر وقت سوہانِ روح رہتی ——— اس نے تار دیئے ——— خط لکھے ——— کسی کا جواب نہیں ——— دو مہینے بعد مقصود سے پتہ چلا تھا کہ وہ سب لوگ زندہ سلامت ہیں تو جان میں جان آئی! چھٹیوں میں گھر آئی تو ایک نیا معرکہ چھڑا ہوا تھا۔ پاپا نے پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ماما نہ خود وہاں جانے پر تیار تھیں نہ بچوں کو بھیجنے پر ——— وہ ایسے وحشی ملک میں نہیں جائیں گی جہاں لوگ یوں ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہیں۔ وہ اپنے حاکمانہ غرور میں یہ بھول گئی تھیں کہ سو برس ان کی قوم نے اس سے زیادہ وحشیانہ سلوک ہندوستانیوں سے کیا تھا، انھیں جلیانوالہ باغ کبھی یاد نہ تھا۔ انھیں وہ باتیں وہ سلوک کبھی یاد نہ آتے جو ان کی ہم قوم دوسری نوآبادیوں پر توڑتے رہتے تھے اور اب بھی توڑ رہے تھے ——— ہاں ہندوستان اور پاکستان کی ذلیل اور ظالمانہ حرکتیں انھیں اس سے نفرت کرنا سکھا رہی تھیں۔ ساتھ ہی وہ سخت خوف زدہ بھی تھیں ——— مگر پاپا! ——— انھوں نے عہد کیا تھا کہ وہ غلام ہندوستان میں واپس نہ جائیں گے ——— آج جب ان کا ملک آزاد ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کو "سلطنت خداداد پاکستان" مل گئی ہے تو وہ اس کی خدمت کرنا چاہتے ہیں ——— وہیں رہنا، وہیں مرنا چاہتے ہیں۔

وہ خود سخت کشمکش میں تھی ——— انگلستان میں تو رہنے کا سوال ہی نہ تھا ——— یہ دھند سے ڈھکا، سرد، برفیلا ملک، یہاں

کے لوگ ——— یہاں کی زندگی کچھ بھی تو اس کے مزاج، صحت اور طبیعت سے میل نہ کھاتا تھا۔ یہاں رہنے کے تو تصور ہی سے خون رگوں میں جمنے لگتا ——— اور پاکستان؟ وہاں وہ کیوں جائے؟ وہ اس کا دیس نہیں۔ اس کا وہاں ہے بھی کون؟ جانے یہ پاپا کو یکایک پاکستان سے عشق کیسے ہو گیا تھا؟ یہ بھی پتہ نہ تھا کہ خالہ اماں وغیرہ سب کہاں ہیں۔ زہرا باجی کی شادی، خالو ابا کی وفات اور علی بھیا کی منگنی کی خبر اسے ایک ساتھ ملی تھی ——— مگر توں وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ اس کے دل کا کیا حال ہے! خالو ابا کی صورت آنکھوں میں پھرتی، ان کی بھاری پر محبت آواز کانوں میں گونجتی ہائے خالہ اماں کا کیا حال ہو گا؟ اور زہرا باجی؟ انھیں تو اپنے ابا سے عشق تھا ——— وہ تو نیم جان ہو گئی ہوں گی ——— علی بھیا بچارے خود اتنے کچے دل کے ہیں! کیسے ماں بہن کو سنبھالا ہو گا ——— اور ان کی منگنی؟ وہ بھی رضوانہ باجی سے؟ یہ کیا قصہ ہے خدایا؟

مقصود کسی طرف سے پاپا کے رشتے دار تھے ——— پاپا ان پر شروع ہی سے حد سے زیادہ مہربان ہو گئے تھے ——— اور وہ بھی پاپا سے بہت متاثر تھے ——— جانے اس چاہت میں کون سی غرض پوشیدہ تھی ——— بے غرض تو وہ کوئی کام کرنے والے تھے نہیں ——— جب دیکھو پاپا انھیں روپے دیا کرتے ——— فیس ادا کرتے، کپڑے بنواتے آخر پاپا سے یہ حضرت روپیہ کیوں لیتے ہیں؟ اپنے وظیفے میں پورا کیوں نہیں کرتے؟ طالب علموں کی سی سادہ زندگی بسر نہیں کی جاتی ——— انگلینڈ کی سوسائٹی میں گھلنے ملنے اور فیشن ایبل جنٹل مین بننے کا خبط کیوں ہے؟ مگر وہ یہ سب منھ سے نہ کہہ سکتی ——— وہ پاپا کے بھتیجے تھے اور

بڑے لاڈلے ـــــ اور وہ خود ـــــ ایک ایسی بیٹی جو سولہ برس تک ان کی صورت سے ناآشنا رہی تھی اور اب خواہ مخواہ ان کے سر پڑ گئی تھی پاپا نے محبت اور خیال میں کوئی کمی نہ کی ـــــ مگر اُسے ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ وہ سر پڑے کا سودا ہے!

"بی بی جی ـــــ دیر ہو گئی ـــــ تمہاری گاڑی نہ نکل جائے"

اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں ـــــ آیا پاس کھڑی تھی - بہت سی اور عورتیں ویٹنگ روم میں آ گئی تھیں ـــــ گھڑی پر نظر ڈالی ـــــ

اوہ ـــــ زہرا باجی کی گاڑی تو آنے والی ہی ہو گی - "شکریہ مائی جی" کہہ کر اس نے اپنی حنائی شال کندھے پر ڈالی ، بالوں کو آئینے کے سامنے جا کر ہاتھ سے درست کیا اور تیزی سے پلیٹ فارم نمبر ۹ کی طرف بڑھی۔ ذرا دیر میں گاڑی دھڑ دھڑاتی پلیٹ فارم پر داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ پیر اتنے بھاری ہو گئے کہ حرکت نہ کر سکی اور آنکھوں میں اتنا پانی آ گیا کہ کوئی صورت صاف دکھائی نہ دے رہی تھی -

---

لیڈیز سیکنڈ کلاس میں ایک برتھ قلی نے کسی طرح دلوا دی تھی - حمرا نے اصرار کر کے زہرا کو لٹا دیا اور خود بستر بند اور سوٹ کیس پر کمبل بچھا کر نیم دراز تھی ـــــ زہرا نے لاکھ چاہا کہ حمرا لیٹ جائے مگر وہ مانی نہیں اب وہ پھر بائیس تئیس برس پہلے کی بے تکلف جھگڑالو سہیلیاں تھیں جس میں جیت ہمیشہ کی طرح حمرا کی ہوئی تھی -

دیر تک رسمی سی ، اتھلی اتھلی باتیں ہوتی رہیں - فلاں کیسا ہے ؟

فلاں کیا کر رہا ہے —— ملک کی کیا خبریں ہیں، پاکستان میں کیا ہو رہا ہے؟ حمرا کے سسرال والوں کا کیا حال ہے —— وغیرہ وغیرہ —— اور پھر ایک دم خاموشی —— دونوں ہی کو یہ احساس تھا کہ یہ سب کھوکھلی باتیں ہیں —— دونوں کے دل میں ایک ہی خیال، ایک ہی جذبہ تھا ایک دوسرے کا دُکھ درد سننے اور کہنے کا —— زہرا کا دکھ حمرا جانتی تھی —— ایسا چاہنے والا رفیقِ حیات بچھڑ گیا اور پھر کڑیل جوان بیٹا بھی ساتھ چھوڑ گیا —— کیا کہے —— کیسے کہے —— اس حادثہ کے بعد وہ کیسے زندہ ہے؟ کس طرح زندگی گزر رہی ہے؟ دوسرے دن سے اس نے بہت کچھ سنا تھا —— ہما اُسے خط لکھا کرتی تھی —— مگر زہرا باجی کے منھ سے دونوں کے بارے میں ایک لفظ تک نہ سن سکی تھی۔

اُدھر زہرا سوچ رہی تھی —— اس کا چہرہ اتنا اترا ہوا کیوں ہے —— ؟ خوشی اور راحت کا کوئی نشان نہیں —— دولت ہے عیش ہے —— چاہنے والا شوہر ہے —— مگر لگتا ہے کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ مقصود کا مزاج تیز ضرور ہے —— بدمزاجی ضرور کرتا ہوگا —— مگر یہ اس کا ہی نہیں —— ہندوستان کی بیشتر عورتوں کا مقدر ہے —— نہیں اتنی بات نہیں ہو سکتی —— مگر اتنی نجی بات —— کیسے پوچھے۔

مگر یہ خاموشی تو اور زیادہ گراں تھی —— دونوں سونے کی کوشش، سونے کا بہانہ کر رہی تھیں —— مگر نیند روٹھی ہوئی تھی۔ زہرا کو گھبراہٹ ہونے لگی —— سارا جسم پسینے سے تر تھا —— اُٹھ کر اس نے کھڑکی کھول دی!

"کیا بات ہے باجی ——" حمرا اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"عجیب گھٹن ہے اس درجہ میں - - بڑا جی گھبرا رہا ہے ......" زہرا نے پھولے سانس کے ساتھ کہا۔ اور صراحی سے انڈیل کر ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیا۔ زرا دیر بعد حمرا نے تھرماس میں سے گرم چائے انڈیلی

" باجی چائے پی لیجئے --- آپ نے کھانا بھی برائے نام کھایا ہے"

دونوں نے چائے ختم کی --- پھر سونے کے لئے لیٹیں

چند منٹ بعد حمرا پھر اُٹھ کر بیٹھ گئی "بے کار ہے"

" کیا --- "

" یہ سونے کی کوشش "

" نیند کیسے آسکتی ہے ہمّی بیس برس کی بچھڑی بہنیں آج ملی ہیں - - وہ دو دو دن کا رسمی ملنا - - - نہیں ہیں اُسے ملنا سمجھتی ہی نہیں --- " اب دونوں ایک ہی برتھ پر ایک ہی رضائی کے اندر ٹانگیں ڈالے تکیوں کے سہارے نیم دراز تھیں۔

" حمرا - - "

" باجی - - - "

" مقصود بھائی کا کیا حال ہے ؟"

" وہی رفتار بے ڈھنگی " زرا سا حمرا مسکرائی۔

" ہاں باجی --- "

یعنی وہی بچپن والا مزاج - ؟ جلنا کڑھنا، لڑنا جھگڑنا - ؟ اعلیٰ تعلیم، سیاحت، عہدے، اور دولت نے دماغ ٹھیک نہیں کیا - ؟"

بے اختیار --- حمرا ہنس پڑی --- تلخ ہنسی!

" باجی --- کیا یہ چیزیں انسان کی فطرت بدل سکتی ہیں ؟

ممکن ہے اور کسی اور کی بدل دیتی ہوں مگر آپ کے مقصود بھائی کی صفات جوں کی توں ہیں ——— خیر سے جیسے پہلے تھے ویسے ہی اب ہیں!" ہم کھو سی گئی۔

" حمرا ——— برسوں سے ایک بات دل میں کھٹک رہی ہے ......
سوچتی ہوں پوچھنا مناسب ہے یا نہیں ———"

" باجی کیا کوئی ایسی بات بھی ہو سکتی ہے جو آپ کی حمرا ——— آپ سے چھپائے ؟"

" اتنی مدت الگ رہنے کے بعد ——————————— کچھ جھجک پیدا ہو جاتی ہے نا ؟"

" آپ کی بات تو آپ جانیں ——— حمرا کے دل میں اس بائیس برس میں کوئی ——— کوئی ایک شخص بھی آپ لوگوں کی جگہ نہیں لے سکا۔"
اس کی آواز ٹوٹ گئی ——— زہرا نے اُسے اپنی چھاتی سے لگا لیا۔
ریل کی گڑگڑاہٹ، پہیوں کی گردش سے مسلسل آواز بلند ہو رہی تھی!

" حمرا زہرا ——— حمرا ——— زہرا ——— حمرا ——— زہرا"
کافی دیر بعد زہرا بولی۔

" میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا کہ تم نے مقصود سے شادی کیسے کر لی ؟" اُسے برسوں سے یہ حیرت تھی کہ دونوں کے مزاج میں بُعدِ مشرقین تھا۔ بچپن سے کبھی دونوں کی بنی نہیں۔ ہمیشہ مقصود چلی کٹی کرتا اور حمرا اس کے پاس پل بھر رہنا گوارا نہ کرتی تھی ——— تو پھر ——— یہ زندگی بھر کے ساتھ ؟! شاید جوانی

میں ختم ہو گیا ہو —— افسانوں ناولوں اور فلموں میں اکثر نفرت محبت سے بدل جاتی ہے نا شاید یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہو۔ حمرا کی آنکھیں اور گہری ہو گئیں!
"یہی سوال سولہ سال سے میں خود اپنے سے کر رہی ہوں باجی؟ وہ لڑکی جو پانچ سال انگلینڈ رہی ہو، آکسفورڈ کی گریجویٹ ہو، آزاد، بے پردہ، خود مختار —— اگر یہ کہے کہ اپنے باپ کی مرضی کے آگے میں لاچار ہو گئی یا مقصود کے مسلسل اصرار نے اسے مجبور کر دیا تو کون اس بات کو ملنے گا؟ کسی کا کیا ذکر خود میں ہی نہیں مان سکی ——"
"کیا انکل، مقصود کو بہت چاہتے تھے —— بہت اصرار تھا ان کا اس شادی پر؟" اسے ہمیشہ سے یہ شبہ تھا کہ یہ انھیں حضرت کا کیا دھرا ہے پہلے خالہ امی کی زندگی خراب کی اب بیٹی کی قسمت پھوڑ دی؟
"ہاں وہ انھیں بہت چاہتے تھے —— انھیں ان کے شاندار مستقبل کا یقین تھا —— دلی آرزو تھی کہ وہ ان کا داماد بن جائے —— اسی لیے مقصود کی مالی مدد کرتے رہے —— شاید اسی طرح نانا ابا کا قرضہ اتار رہے تھے —— وہ برابر مجھ سے تعریفیں کرتے اور اس طرح مجھے تیار کرتے رہتے —— مگر ——"
"مگر تم ——؟"
"میں چپ تھی —— کہ مجھے یہ بیاہ نہیں کرنا ہے —— میری تعلیم جیسے ہی ختم ہو گی میں واپس ہندوستان اپنے پیاروں کے پاس چلی جاؤں گی —— پھر کیا پاپا کر لیں گے اور کیا مقصود کر سکتے ہیں۔"
"مقصود بہت چاہتا تھا تم سے بیاہ کرنا؟"
"بہت —— پاپا سے اظہار خصوصیت اور سعادت مندی سب

اسی لئے تھا —— مجھ سے وہ خلوص، وہ اپنایت —— وہ محبت۔ جو بس ان ہی کا حصّہ ہے —— باجی —— خود غرضی کو خلوص اور محبت کیسے بنایا جا سکتا ہے یہ اگر کوئی سیکھنا چاہے تو مقصود سے بہتر استاد نہ ملے گا —— وہاں ایک سے ایک حسین لڑکی تھی —— خود بخود پکّے پھل کی طرح گود میں آگرنے کو تیار —— اور کون کہہ سکتا ہے کہ کتنے پھل ان کی گود میں گرے پھر بھی جانے کیوں یہ حضرت میری جان کو آ گئے تھے —— اور پاپا خوشی سے پھولے نہ سماتے —— ان کی لڑکی کو ایسا چاہنے والا، ایسا ہونہار ساتھی ملے گا —— اور چاہیئے بھی کیا —— ؟"

"ہاں بہن بعض وقت آدمی مجبور ہو جاتا ہے، بزرگوں کے سامنے"

"زہرا باجی اگر پاکستان نہ بنا ہوتا تو مجھے دنیا کی کوئی طاقت مجبور نہ کر سکتی ——"

"پاکستان بننے سے اس کا کیا تعلق ؟"

"یا پھر —— یا پھر ——" اور حمرا ایک دم چپ ہو گئی!

زہرا نے اپنا گال اس کے منہ پر رکھ دیا —— "مجھ سے بھی دل کی بات چھپاؤ گی —— ؟"

حمرا کی آنکھیں بھر آئیں مگر پلکوں پر لرزنے کی جگہ نمکین قطرے حلق میں اتر گئے!

"آپ کو معلوم نہیں زہرا باجی پاپا کی زندگی بڑی تلخ تھی —— شاید اسی لئے انھوں نے پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا تھا —— ماما نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ پاپا چاہتے تھے کہ چاہے شادی بعد میں

ہو یا پہلے، میں اور مقصود اُن کے ساتھ پاکستان جائیں۔ مگر میں اس کے لئے تیار نہ تھی ـــــ مجھے اپنا وطن پیارا تھا۔ یہاں کے ایک ایک ذرّہ سے پیار تھا۔ ایک ایک شے میں میری جان بستی تھی ـــــ اس کی اچھائیاں میری ہیں ـــــ اس کی خامیاں میری خامیاں ہیں ـــــ میں کیسے اسے چھوڑ دیتی! جیسا میں نے کہا، میں طے کر چکی تھی کہ مجھے ہندوستان آنا ہے۔ پاپا خفا ہوں یا خوش مجھے پروا نہیں ـــــ انھوں نے میرے یا میری ماں کے لئے اپنی زندگی کی خوشیاں قربان نہ کیں تو میں کیوں اپنی بلیدان دوں؟"

"مگر پھر ہوا کیا ـــــ؟"

"میری قسمت کا لکھا! میں نے مقصود سے کہہ دیا تھا کہ مجھے پاکستان جانا ہی نہیں، مگر یہ حربہ بھی کارگر نہ ہوا ـــــ کہنے لگا تو میرا وہاں کون بیٹھا ہے ـــــ سارا خاندان ہی ہندوستان میں ہے ـــــ میں تو انکل کی اور تمہاری وجہ سے جانے کو تیار تھا۔ میں نے کہا میں ابھی کئی برس تک بیاہ نہیں کروں گی ـــــ اس پر بھی وہ تیار ہو گیا ـــــ نہ کرو ـــــ میں انتظار کروں گا ـــــ اُف خدایا!" وہ چپ ہو گئی!

"میں نے ایم۔اے میں داخلہ لے لیا اور مقصود وہاں کچھ اوور ٹریننگ لینے لگے ....."

"انکل بچارے کو تمہارے ساتھ نہ جانے اور بیوی بچوں سے چھٹنے کا بڑا صدمہ ہوا ہو گا۔"

"زہرا باجی آپ کے انکل کسی بات کا صدمہ کرنے والے لوگوں میں نہیں ـــــ ماما نے تو ان سے پاکستان جاتے وقت طلاق لے ہی لی تھی۔

وہاں جاکر ان کو ایک بڑا عہدہ اور بہت سی زمین مل گئی ۔۔۔۔ اور ــــــ "

"سنا ہے انکل نے وہاں کسی کم عمر لڑکی سے بیاہ کر لیا تھا ـــــ "

"ہاں سال اندر ہی کر لیا تھا ـــــ جانتی ہیں آپ میری تیسری ماں عمر میں مجھ سے سال دو سال چھوٹی ہے ۔۔۔۔ دولت ہو تو پھر کیا نہیں انسان خرید سکتا؟ ان کے دو بچے بھی ہو گئے ہیں ـــــ اب تو خاصے بڑے ہوں گے ـــــ اپنی شادی کے بعد ایک بار میں اپنے ماں باپ سے ملنے گئی تھی ـــــ "

کتنی تلخی تھی اس کے لہجے میں ۔ بڑی دیر بعد پھر بولی ۔

"میرے سب خواب چکنا چور ہو گئے ـــــ میں ہندوستان کس کے پاس جاؤں گی ـــــ ؟ وہاں میرا کون ہے ـــــ ؟ یہ سوال بار بار پاپا مجھ سے کرتے تھے ـــــ اور خود میں بھی اپنے سے کرتی تھی ـــــ ؟"

"مگر حمرا ـــــ ہم تو یہاں تھے ـــــ " حیرت اور صدمے سے زہرا نے پوچھا ۔

"تمہاری شادی ہو چکی تھی ـــــ خالہ اماں اور خالو ابا اس دنیا سے سدھار گئے تھے ـــــ میں کس کے سہارے ہندوستان آتی ؟"

"مگر بہن ـــــ تمہاری زہرا باجی اور علی بھائی ہمیشہ تمہیں سر آنکھوں پر رکھتے ـــــ تمہیں یہ خیال کیوں سمجھا کہ یہاں تمہارا کوئی نہیں ـــــ "

"باجی وہ گھر میرا ، تمہارا بھیا کا سب کا تھا ، ـــــ مگر تمہارا یہ گھر ، علی بھیا کا گھر ، منصور بھائی کا ، رضوانہ بھابی کا گھر تھا ـــــ یہ میرا گھر کیسے بن سکتا تھا ـــــ تم تو جانتی ہو میں کتنی بد دماغ ہوں "

زہرا چپ رہی ، اب وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی ۔

"پاپا کا اصرار تھا کہ یا تو میں ان کے ساتھ پاکستان جاؤں یا پھر مقصود سے شادی کر لوں ـــــ کنواری لڑکی کو وہ نہ اکیلے ہندوستان بھیج سکتے تھے نہ انگلستان میں چھوڑ سکتے تھے ـــــ وہ اپنے لئے کتنے ہی آزاد خیال ہوں اپنی ہندوستانی بیٹی پر اعتماد نہ تھا ـــــ ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر مقصود مجھے پسند نہیں تو میں پاکستان چلوں ـــــ ان کے خیال میں وہاں ایک اچھا لڑکا اعلےٰ سے اعلےٰ عہدہ دار، میرے انتظار میں دھونی رمائے بیٹھا ملے گا ـــــ مگر وہاں میں جا نہ سکتی تھی ـــــ میں نے ـــــ میں نے ان جانے نرک میں گرنے کی جگہ جانے بوجھے جہنم میں چھلانگ لگا دی ـــــ اف ـــــ!"

زہرا دم بخود اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"ہاں باجی ـــــ روز میرے جسم کی کھال اس جہنم کے شعلوں سے پک کر جل جاتی ہے، روز ایک نئی کھال نکل آتی ہے تاکہ اگلے دن پھر اس کھال کو جھلسا جا سکے ـــــ اس رُوح کو کچلا، مسلا، مسخ کیا جا سکے۔ سولہ سال ـــــ سولہ صدیاں ـــــ سولہ قرن ـــــ جانے کب سے میں آگ کے ان شعلوں میں نہا رہی ہوں ـــــ اور کب تک نہاتی رہوں گی۔"

اس کا جسم شدّتِ گریہ کو ضبط کرنے کی کوشش میں پتّے کی طرح کانپ رہا تھا اور باہیں زہرا کے گلے میں پڑی تھیں!

زہرا اسے کلیجے سے لگائے چپ چاپ بیٹھی رہی ـــــ حرا کے آنسو بہنے شروع ہو گئے ـــــ جانے کب سے یہ آنسو اس کا کلیجہ جلا رہے ہیں ـــــ اچھا ہے بہہ جائیں ـــــ آج دل کی بات کہہ کر آنسو بہا کر شاید اس کو ذرا سا سکون مل جائے۔

کچھ دیر یونہی گزر گئی، زہرا نے دیکھا اس کی سسکیاں دھیمی ہونے لگی ہیں ——— سر لڑھک کر اس کے زانو پر آ گیا ہے ——— اب وہ پرسکون تھی!

دو دن دو رات مسلسل جاگتے رہنے اور تھکنے کے بعد اب وہ میٹھی نیند سو رہی تھی۔ سیاہ دراز پلکوں پر قطرے اب بھی کانپ رہے تھے گالوں پر آنسوؤں کی دھاریں اب بھی نظر آ رہی تھیں بال چہرے اور پیٹھ پر بکھر گئے تھے۔ مگر ہونٹوں پر ایک میٹھی مسکان تھی ——— زہرا کو وہ ایک ایسی ننھی سی بچی لگی جیسے مدت بعد ماں کی گود کی نعمت ملی ہو۔

صبح تک زہرا یونہی بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ کہیں حمرا کی نیند نہ کھل جائے ——— اور بند کھڑکی کے شیشے میں سے جانے کتنی پرچھائیاں کتنے مرقع اس کے سامنے سے گزرتے گئے!

چھپر کھٹ پر اس کا سترہ برس کا رفیق لیٹا ہے ——— سفید بے داغ پاکیزہ لباس میں! صرف چہرہ کھلا ہے ——— خشخشی کھچڑی داڑھی، بکھرے بکھرے تھوڑے سے کھچڑی بال! مگر آہ! چہرے پر وہ نرمی و ذہانت کی دلکشی نہیں! مسکراتی ذہین آنکھیں جو ہر دم اس کے چہرے کا طواف کرتی رہی تھیں نیم باز ہیں مگر یہ پتھرائی نظریں اس کی طرف نہیں دیکھ رہیں۔ وہ سب جو اسے دیکھ کر بے اختیار مسکرا اٹھتے تھے ایک دوسرے سے پیوست ہیں ——— اور چہرے کے گرد یہ کیسا نورانی ہالہ؟ ——— یہ کون ہے ——— کون ہے یہ ——— یہ امی کا اپنا منصور نہیں ——— وہ تو کل خلاؤں میں کہیں گم ہو گیا ——— یہ کس کا جسم ہے؟ کس کی لاش ہے ———؟

منصور ——— منصور ——— تم کہاں ہو ———؟

خیالات کا طوفان دماغ میں برپا ہے مگر آنکھیں ویران ہیں، لب خاموش ہیں!

ایک دم گھر میں گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوتی ہیں ــــــ کوئی بھاگتا آتا ہے ــــــ لمبا تڑنگا خوبصورت جوان اس کی چھاتی پر منہ رکھ کر بے قراری سے رونے لگتا ہے۔

وہ چونک اٹھتی ہے ــــــ وہی قد و قامت، وہی ذہین و حسین آنکھیں، وہی آواز۔

"بہن اپنے بیٹے کی طرف دیکھو ــــــ اب وہ تمہارا سرپرست ہے، سر بڑے کہا سر ــــــ"

وہ زور سے اُسے کلیجے سے لپٹا لیتی ہے "منصور ــــــ منصور منصور ــــــ بلال آیا ہے ــــــ"

بلال اُسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیتا ہے "امی ــــــ میری امی ــــــ میری جان امی ــــــ" اسے لگتا ہے گہرے سمندر میں ڈوبتے ڈوبتے کوئی تختہ اس کے ہاتھ میں آگیا۔

اور پھر دونوں ہی منصور کے قدموں سے لپٹ جاتے ہیں!

اس نے زور سے سر کو جھٹکا ــــــ کاش کسی وقت تو یہ تصورات یہ جیتے جاگتے مرقعے ــــــ اس کا پیچھا چھوڑتے ــــــ مگر نہیں ــــــ ان ہی کے سہارے تو وہ زندہ ہے۔ ــــــ تصور میں اپنے پیاروں سے مل کر، انھیں دیکھ کر! زندگی میں اب یہی تو حسرت رہ گئی ہے!

اس کی دونوں ٹانگیں سن ہو چکی تھیں!

حمرا ابھی تک بے خبر سو رہی تھی۔

شیشے میں سے علی بھیا غور سے کبھی اس کو کبھی حمرا کو دیکھ رہے ہیں۔
نو عمر، تندرست وجیہہ علی بھیا۔ آنکھوں میں وہی محبت کی نرمی اور گرمی، لبوں پر وہی شوخ مسکراہٹ، چہرے پر وہی معصومیت کا نکھار جوان کی شخصیت کا بڑا دلکش جزو ہے!

"حمرا——حمرا——تو کیوں رو رہی ہے ضرور زبیرا تجھ سے لڑی ہو گی۔"

"اُنھ جب دیکھو حمرا——حمرا——یہی مجھ سے لڑتی ہے۔ مگر آپ کی تو حمرا لاڈلی ہے——میں تو کچھ ہوں ہی نہیں——" وہ روٹھ جاتی ہے۔

بھیا زور سے اس کی چھوٹی سی ستواں ناک پکڑ کر مروڑ دیتے ہیں۔
"تو تو تو چڑیل ہے——میری سب سے پیاری چڑیل——" اور تینوں کھل کھلا کر ہنس پڑتے ہیں!

ہنستا ہوا چہرہ، یہ شوخ لہجہ کہاں گیا؟ جانے اسٹیشن پر آ سکیں گے یا نہیں؟ خدا جانے تار بھی پہنچا ہو گا؟ ہما اکیلی گھر میں پریشان ہو رہی ہو گی! اُسے ساتھ کیوں نہ لے آئی۔ مگر وہ انٹرویو کا چکر جو تھا——پھر وہ وہاں جاکر کتنی اداس ہو جاتی ہے——تین سال گزرنے پر بھی وہ ان باتوں کو نہ بھلا سکی——کون بھلا سکتا ہے اور وہ تو بڑی حساس اور خود دار لڑکی ہے——میں ہی بھیا کی محبت میں سب کچھ بھلا کر وہاں پہنچتی ہوں اور پتھر بنی سب کچھ دیکھا کرتی ہوں۔ یہ مزاجوں ہی کا فرق تو ہے جو کبھی بھیا اور بھابی خوش نہ رہے! مگر کتنے بھولے سیدھے ہیں بھیا——بس خود ہما کو چاہتے ہیں تو سوچا کیوں نہ

اپنے بیٹے سے اس کا بیاہ کرلیں۔ نہ لڑکے کا مزاج دیکھا نہ ماں کی خواہش
نہ بھانجی کی طبیعت کا اندازہ کیا —— مگر انھوں نے مجھ سے تو پوچھا ہوتا
خواہ مخواہ مجھ پر یہ الزام رکھا گیا کہ نہ میں اپنی لڑکی کو اس کے سر تھوپنا چاہتی
نہ ان کا لڑکا دیس سے بدیس جاتا —— اے خدایا —— اس دنیا میں
لوگ اتنی بدگمانیاں کیوں کرتے ہیں ؟ کیوں دوسروں کا دل دکھاتے ہیں ——
زندگی بھر لوگوں نے اس کے خلوص، محبت، خدمت کو غلط نام دیئے۔
نہ سہی سب نے —— مگر کتنے ایسے بے درد تھے —— جنھوں نے اس
کو نہ پہچانا —— اس نے سر دیوار سے ٹکا دیا —— نیند سے آنکھیں
جھکی جا رہی تھیں مگر حمرا کی نیند خراب نہ ہو جائے۔

تیئس ۲۳ یا چوبیس ۲۴ تاریخ کا نیلا زرد ہلال افق کے اُس کنارے الٹا لٹکا
ہوا ایک انوکھا حسن بکھیر رہا تھا۔

پھر مشرق کی خفیف روشنی کی چھوٹ مغرب کی سمت پڑنی شروع ہوئی۔
ہلال کا چہرہ فق ہو گیا۔

صبح مُسکرا اٹھی!

اس کی زندگی میں اب کوئی روشن صبح نہ آئے گی!

ایک کراہ بے اختیار منہ سے نکلی، اور جسم ہل گیا —— حمرا ہڑبڑا کر
اٹھ بیٹھی —— چند لمحے وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی —— زہرا کو سرخ آنکھوں
حیران نظروں سے دیکھتی رہی۔

" ہائے میرے اللہ! باجی —— آپ ساری رات مجھے گود میں لیے
رہیں اور میں کمبخت سوتی رہی —— " بالکل بچپن کے سے انداز سے اس
نے کہا۔

"خدا نہ کرے ــــــ" زہرا نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔
"وہ تو خدا کر چکا ــــــ مگر ــــــ ہائے باجی ــــــ آپ ساری
رات جاگتی رہیں ــــــ ٹانگیں شل ہو گئی ہوں گی ــــــ مجھے آج ہو کیا گیا تھا۔
میں تو برسوں سے ایسی گہری نیند نہیں سوئی ــــــ نیند کی گولیاں بھی اب
تو اثر نہیں کرتیں ــــــ ایسے میٹھے سپنے جیسے آج دیکھے ــــــ کبھی نہیں
دیکھتی ــــــ آج رات تو میں اپنی خالہ اماں اور خالو ابا کے پاس تھی ــــــ
آپ تھیں، علی بھیا تھے، اپنا مراد پور تھا، اپنا اسکول تھا ــــــ
فرسٹ آنے کا جشن تھا ــــــ ہائے آپ کا تو سارا جسم سن ہو گیا ہو گا ــــــ
توبہ ــــــ چہرہ کتنا اترا ہوا ہے ــــــ" اسے عجیب بے قراری تھی!
زہرا مسکرا پڑی "باولی ہے تو تو ــــــ اتنی پر سکوں راحت
بھری رات ــــــ سال بھر سے میری زندگی میں بھی نہیں آئی تھی میری
بہن ــــــ" اور دونوں کی آنکھوں سے ایک ساتھ آنسو ٹپک پڑے۔
سوتے سے اٹھتی عورتوں کے ساتھ چڑھتے سورج نے بھی ان پر ہمدردی
کی نظر ڈالی ــــــ گرم نرم کرنوں نے ان کے تھکے چہروں پر اپنی محبت بھری
انگلیاں پھیریں ــــــ زہرا نے انگڑائی لی اور تولیہ لے کر باتھ روم چلی گئی۔
واپس آئی تو مراد پور اسٹیشن کے آثار شروع ہو چکے تھے۔
"زہرا باجی ــــــ مراد پور آ گیا ــــــ" چہک کر حمرا نے کہا۔
جلدی جلدی دونوں نے بستر باندھا، دوسری چیزیں سمیٹیں، حمرا
نے اپنی ساڑھی کے بل درست کئے کنگھا نکال کر بکھرے الجھے بالوں
کو کچھ درست کیا ــــــ زہرا نے اپنی سفید ساڑھی پر کالی شال
اوڑھ لی۔

مراد پور کا لمبا پتلا پلیٹ فارم شروع ہو چکا تھا۔ وہی پرانا لوہے کا جنگلہ، وہی پتھر کی بنچیں، وہی لال اینٹوں کا فرش اور وہی میلے کپڑوں والے قلی، مکھیاں بھنکتے خونچے ــــ اتنے سالوں میں گاؤں قصبہ بن چکا تھا مگر اسٹیشن جوں کا توں تھا۔

"کوئی بھی تو فرق نہیں ہوا اتنے برسوں میں" حمرا نے افسردگی سے کہا۔

"بجلی لگ گئی ہے ــــ اور وہ دیکھو سامنے کتنی نئی عمارتیں نظر آ رہی ہیں ــــ پکی سڑکیں بھی بن گئی ہیں ــــ"

کھڑکی کی لوہے کی سلاخوں سے چہرے اڑائے دونوں نہیں باہر دیکھ رہی تھیں۔

"جانے کون آئے گا اسٹیشن پر ــــ؟" زہرا کو عجیب سی بے قراری تھی ــــ

عین اسی وقت اسے علی میاں نظر آ گئے ــــ "حمرا ــــ بھیا آ گئے ــــ" بیچ کر امی نے کہا دونوں دروازے کی طرف بھاگیں ــــ حمرا گاڑی رکنے سے پہلے ہی کود پڑی ــــ زہرا میں اب اتنی ہمت کہاں رہی تھی ــــ مگر دروازے سے اتنا جھک گئی کہ پیچھے کھڑی ایک عورت نے بازو پکڑ کر گھسیٹ لیا ــــ کچھ باؤلی ہو ــــ گر پڑتیں گی علی میاں نے زہرا کو جھکتے دیکھ لیا تھا اور اب آہستہ آہستہ پیٹھ پر ہاتھ باندھے ادھر آ رہے تھے ــــ قلی کو سامان دکھا کر زہرا درجے سے اتری اور مجمع کو چیرتی پھاڑتی بھیا کی طرف دوڑی اور لپٹ گئی۔ جانے کب تک دونوں، مسرت کے، محبت کے، غم کے خاموش آنسو بہاتے رہتے کہ برابر سے آواز آئی "ہم نہیں بولتے" علی میاں نے چونک کر

سر اٹھایا ــــــ حمرا برابر کھڑی تھی ــــ اتنے سالوں میں لہجہ، انداز کچھ بھی تو نہ بدلا تھا ــــ آنکھوں میں جھلملاتے آنسو اور ہونٹوں پر اداس مسکراہٹ کے ساتھ روٹھنے کی وہی دلکش ادا "ہم نہیں بولتے"، علی میاں چند لمحے اُسے دیکھتے رہے اور پھر ہاتھ بڑھا کر اُسے لپٹا لیا۔

عمران بھاگتا ہوا پلیٹ فارم میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ٹرین جا رہی تھی اور بابا، پھپھو اور حمرا پھوپی ایک دوسرے سے لپٹے ایک ساتھ ہنس اور رو رہے ہیں۔

"کتنا چاہتے ہیں بابا اپنی بہنوں کو"، اس نے سوچا "کیا میں بھی نگین باجی، ہما اپی اور فرحت آپا کو اتنا ہی چاہتا ہوں؟ اتنا چاہ سکتا ہوں؟"

"میرا بچہ ــــ میرا لال ــــ"، پھپھو نے اسے دیکھا تو بابا کو چھوڑ کر زور سے اُسے کلیجے سے لپٹا لیا۔ ... جانے کیوں بے اختیار ــــ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے ــــ "بچاری پھپھو"، بلال بھائی جان سے اس کی بھی تو بہت دوستی تھی۔

ــــــــ ❊ ــــــــ

مراد پور آنے کے بعد ایک دن بھی اطمینان سے بیٹھ کر بھیا سے باتیں کرنے کا موقع نہ ملا۔ برابر عورتوں کا تانتا بندھا ہوا تھا ــــــ وہ کئی سال بعد یہاں آئی تھی بسہاگن سے بیوہ ہوکر، بیٹے کو کھوکر۔ اب خاندان، برادری اور قصبے بھر کی جاننے والی عورتوں کا یہ فرض ٹھیرا کہ بٹیا کو گلے سے لگاکر وہ دو چار ہمدردی کے بول کہیں دو چار آنسو بہائیں۔ عزیز رشتے دار تو بس دور پرے کے چار چھ یہاں رہ گئے تھے باقی یا پاکستان چلے گئے یا خود ہندوستان کے شہروں میں بکھر گئے تھے مگر اماں کی سہیلیاں، بابا کے دوستوں کی بیویاں بیٹیاں، خود اس کے بچپن کی سہیلیاں۔ کچھ چپ چاپ آنسو بھرے کھڑی رہتیں۔ مگر زیادہ تر اُسے گلے لگاکر کے سرپر بین کرتیں اور ان روح فرسا حادثوں کی تفصیل پوچھتیں جن کے بارے میں ایک جملہ منھ سے نکالنا اس کے لئے جاں کاہ تھا۔

علی میاں سمجھ رہے تھے یہ یہ سب اس کے لئے سخت تکلیف دہ ہے لیکن دیہات کی ریت کیسے توڑتے۔ ہاں زیادہ دیر ہو جاتی تو آواز دے کر بلا لیتے تھے۔ حمرا الگ پریشان تھی۔ بہت کوشش کرتی ان عورتوں سے وہ بات چیت کرے۔

زہرا کو بہانے بناکر اٹھا لے جاتی ــــــ مگر زہرا پھر اُن کے پاس

آ بیٹھتی — بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے خلوص اور ہمدردی کا ایمان کرے؟ اس غم گساری سے چاہے اس کے دل کے زخموں سے لہو رسنے لگا تھا مگر اس میں وہ اپنایت، وہ خلوص، وہ دردمندی تھی جو بہت، کم آ... کلچرڈ، تعلیم یافتہ، روشن خیال شہری دوستوں سے ملی تھی۔

نگین اور عمران پھپھو کے گرد گھومتے رہتے — جب وہ سامنے نہ ہوتیں تو وہ ممی کے ہم رائے ہو جاتے تھے — مگر جب وہ آجاتیں۔ تو۔ تو وہ اتنی محبت کرتیں کہ وہ کس طرح وہ ان کو بُرا نہ سمجھ سکتے!

رضوانہ بھی زہرا کی کم دلداری نہ کر رہی تھی۔ پہلے دن جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئی رضوانہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی — "ارے میری زہرا باجی — ہائے یہ کیا ہوا!" روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔

زہرا چپ چاپ کھاوج سے لپٹی کھڑی رہی!

علی میاں اُلجھ رہے تھے — بجائے اس کے زہرا کو سنبھالا جاتا خود رو رو کر برا حال کیا جا رہا ہے — وہ عورتوں کی اس ریت ہی نہیں جذبہ سے بھی واقف نہ تھے کہ کسی صدمے کے بعد جب بھی دو عورتیں پہلی بار ملتی ہیں — خواہ کتنے ہی عرصے بعد ملیں — تو ان کا غم تازہ ہو جاتا ہے — وہ ایک دوسرے کو پرسہ دیتی ہیں صرف رسماً نہیں۔ دل سے!

حمرا خاموش صحن میں کھڑی تھی۔ نگاہ چاروں طرف گھوم رہی تھی۔ بچپن کے کتنے سال اس نے اس گھر میں بتائے تھے۔ اُس کونے میں خالہ اماں کا تخت تھا — ادھر خالو ابا کی لمبی سی آرام کرسی پڑی رہتی تھی۔ پاس پیچوان دھرا ہوتا تھا — وہاں چوکے پر سب مل کر کھانا کھاتے تھے — ان پیڑھیوں پر گاؤں کی عورتیں بیٹھا کرتی تھیں۔ صحن

میں ان کے بچے ادھم مچاتے تھے۔

اب تو خالو ابا کا کھلا دیوان خانہ کمرہ بن چکا ہے۔ ایک دروازہ باہر ہے۔۔۔ ایک اندر ۔۔۔ شاید علی بھیا اس میں رہتے ہیں ۔۔۔ اور وہ چھوٹی ڈھنڈھی ۔۔۔ جس میں وہ اور امی رہتی تھیں ۔۔۔ اور اس کے آگے بڑا دالان جس میں گڑیوں کے بیاہ رچتے، مہمان مہمان کھیلا جاتا ۔۔۔ رات کو علی کا میدان اور آنکھ مچولی اور گرم گرم بھئی کون گرا اور میری- امی- میری امی....

چند گرم گرم قطرے پلکوں سے لڑھک کر زمین میں جذب ہو گئے!

"ارے ہمّی تم وہاں کیوں کھڑی ہو" علی بھیا کی آواز پر وہ چونک پڑی!

بھابی نے آنسو پونچھے، پانی پیا، اس کی طرف دیکھا اور ملنے کو آگے بڑھیں ۔۔۔ وہ ان کے سامنے جھک گئی ۔۔۔ انھوں نے گلے لگایا مگر اس میں کوئی گرم جوشی نہ تھی ۔۔۔ اور کسی نے محسوس کیا ہو یا نہیں مگر علی میاں ایک دم پلٹ کر اپنے کمرے میں چلے!

یہ لوگ ناشتے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ عورتیں آنے لگیں خدا بھلا کرے رحیمن خالہ کا جنھوں نے زہرا کے آنے کی خبر سارے قصبے میں نشر کر دی تھی!

حمرا اور زہرا زیادہ تر ان عورتوں کے پاس بیٹھی رہتیں۔ وہ جب رو دھو چکتیں تو حمرا کی طرف متوجہ ہوتیں "ارے یہ اپنی مریم بی بی کی بیٹا ہے نا ۔۔۔ ارے وہی جن کے میاں نے ولایت میں میم کر لی تھی ۔۔۔"

نگین ان سب سے بہت الجھتی تھی۔ کھانے ناشتہ کے وقت ان سب سے کہتی "اب تم لوگ پھر آنا ــــ دیکھو نا پھپھو کتنا تھک گئی ہیں۔"

زہرا اس رکھائی کی تلافی کرتی ــــ "چاچی" "ماسی" "مامی" یا "بھنو" یا "بھوجی" سے پھر آنے کو کہتی ــــ وہ ان کے بچوں کی گنتی پوچھتی، ان کے شادی بیاہ کے بارے میں دریافت کرتی۔ ماں باپ دادی نانی زندہ ہیں کہ نہیں ــــ حمرا اور نگین اُلجھتیں ــــ رنو انہ بڑبڑاتی ــــ "ان کی یہی جو باتیں ہیں ــــ سب سے اچھا بننے کے یہی گر تو آتے ہیں ــــ کچھ حال ہو جائے مگر ملیں گی سب سے ــــ"

"زہرا میرے لئے تو آئی نہ آئی برابر ہے ــــ ابھی تک اپنی گوئیوں اور ہمسائیوں کا پہلو گرم کر رہی ہے ــــ" بھیا نے کہا تو زہرا مسکرا دی

"کیا کروں بھیا ــــ صبح سے شام تک یہ لوگ آتی ہی رہتی ہیں۔"

"رحیمن خالہ اب یہ سلسلہ ختم ہو جائے تو ہم پر بڑا کرم ہو ــــ اب تو شاید مراد پور میں کوئی عورت باقی نہ رہی ہوگی ــــ" ہنس کر انھوں نے کہا۔ رحیمن لوا گرم گرم پھلکے لا رہی تھیں۔ انھوں نے چٹ چٹ بھائی بہن دونوں کی بلائیں لیں ــــ "اے صدقے جاؤں میاں ــــ ابھی تو بہت سی ..گائیاں بی بی سے ملنے کو تڑپ رہی ہیں ــــ"

"بس اب انھیں تڑپنے ہی دو رحیمن خالہ ــــ" عمران نے ہنس کر کہا۔

"ہاں خالہ اب یہ سلسلہ بند ہونا چاہیئے!" علی بھیا بولے ــــ "نہیں تو مر جائے گی یہ!"

"اس کے دشمن ــــ اللہ کی پناہ ــــ میں نہ مر جاؤں تم سب بلا کے ــــ" رحیمو برا مان گئیں!

اور سب ہنسنے لگے۔

"زہرا باجی، چھوٹے بھائی صاحب، چھوٹی آپا کی بہو، لڑکا اور لڑکی سب پاکستان سے آئے ہوئے ہیں۔ کل بھائی میاں کا نوکر آیا تھا ــــ وہ سب تم سے ملنے یہاں آنے والے ہیں ــــ"

زہرا نے سوچا "مجھ سے ملنے؟ سال بھر میں کسی نے ایک خط تعزیت کا نہ لکھا آنا تو بڑی بات ہے ــــ اب وہ مجھ سے ملنے آ رہے ہیں؟" اس نے دیکھا بھیا کا چہرہ سفید پڑ گیا ہے، ماتھے پر تیل بل ابھر آئے ہیں ــــ انہوں نے ایک نظر بیوی پر ڈالی ایک ہنس پڑا اور اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے ــــ زہرا چاہتی تھی بھاوج کی توجہ بٹ لے ــــ بڑی مشکل سے ضبط کر کے اس نے کہا۔

"یہ تو بڑی اچھی خبر ہے بھابی ــــ میں چھوٹے بھائی صاحب سے تو برسوں سے نہیں ملی اور بھائی میاں ، بھابی جان کو بھی بہت دن سے نہیں دیکھا ــــ"

"یہی تو انھوں نے لکھا ہے" رضوانہ نے میٹھے لہجے میں کہا۔

"کب آ رہے ہیں یہ سب لوگ؟"

"کل آئیں گے ــــ خیر سے بھرا کنبہ ہے دو کاریں بھر کر آئیں گی۔ نوکر بس سے آئیں گے ــــ اللہ آج سے کل تک کا وقت کیسے کٹے گا!"

وہ بے چین ہوئی جا رہی تھیں۔

"نگین، عمران، نصرت ــــ تم سب آخر کہاں ہو ــــ بھئی

مجھے یہ سب صفائی وغیرہ کرانی ہے، انتظام کرنا ہے مہمانوں کے لئے اور گھر میں کسی کو پرواہی نہیں ۔۔۔۔۔" وہ بگڑتی ہوئی باورچی خانہ کی طرف چلی گئیں۔
کمرے میں حمرا چپ چاپ بیٹھی تھی۔ آنکھیں سرخ تھیں! زہرا دیر تک اسے دیکھتی رہی۔

"کیا ہوا ہمی۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"کچھ خفا ہو۔۔۔۔؟" زہرا نے اسی کے پاس بیٹھ کر جھک کر اس کا منھ دیکھا۔۔۔۔

"نہیں باجی۔۔۔۔ مجھے کسی سے خفا ہونے کا کیا حق ہے۔"

"ارے میری بھنّو تو سچ مچ روٹھ گئی۔۔۔۔" زہرا نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔۔۔ حمرا کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے اور زہرا نے اس کی ٹھوڑی اٹھا کر آنکھیں چوم لیں۔

"جانتی ہوں حمرا۔۔۔۔ تم یہاں بہت پریشان ہو۔۔۔۔ بھابی اور بچے تم سے الگ الگ رہتے ہیں، بھیا تو اب۔۔۔۔ تم دیکھتی ہی ہو۔۔۔۔ کتنے بدل گئے ہیں۔۔۔۔"

"یہ بات نہیں باجی۔۔۔۔ بس بے کاری ہے۔"

"میری طرف دیکھو۔۔۔۔ دیکھو میری طرف۔۔۔۔" حمرا نے آنکھیں بند کرلیں۔

"نہیں دیکھتی۔۔۔۔"

"دیکھنا پڑے گا۔۔۔۔"

"نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ کوئی زبردستی ہے۔۔۔۔"

نہیں دیکھتے ____"

"کیسے نہیں دیکھتی ____" زہرا نے اس کو گدگدانا شروع کیا پٹ سے حمرا کی آنکھیں کھل گئیں دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں یا دل چھٹ گئے یا سورج نکل آیا۔

ہنسی کی آواز سن کر نگین اور عمران کمرے میں داخل ہوئے! ایک ہفتے سے بچے سہمے سہمے تھے کہ ہنسی نہ آجائے، ابو نہ خفا ہوں۔ پھپھو کو برا نہ لگے ____ اس وقت حمرا اور زہرا کی ہنسی کی جھنکار نے ان کو ادھر کھینچ لیا ____ زہرا کے ہونٹوں پر گمبھیر سی مسکراہٹ تھی۔ حمرا کے موتی سے دانت نیم وا ہونٹوں میں سے دمک رہے تھے ____ دونوں بچے بے اختیار ہنسنے لگے۔

"ماشاء اللہ ____ پھپھو اور حمرا پھوپی ____ بچوں کی طرح لڑتی اور ہنستی ہیں"

علی میاں نے ہنسی کی آواز سنی تو وہ بھی کمرے میں آ گئے اور سب کو ہنستے دیکھ کر خود بھی ہنسنے لگے!

"کیا پڑا پایا تم سب نے ؟"

"بہت کچھ بھیا" زہرا نے لاڈ سے کہا۔

"نو بج گئے اور ناشتے کی فکر نہیں۔ آنٹیں قل ہو اللہ کا ورد کر رہی ہیں ____"

"اور ممی کا موڈ بگڑنے ہی والا ہے عنقریب ____" عمران نے ہنس کر کہا۔

"خوامخواہ ____ ممی بیچاری تو بیٹھی سب کے لئے ٹکیاں پکا رہی ہیں۔

بڑی بی آج بھی دیر سے آئی ہیں ـــــ" نگین کا موڈ بگڑ گیا۔

"آج پکا کیا ہے نگین بی بی" زہرا نے بات سنبھالی

"ممی نے ماش کی کھچڑی پکائی ہے۔"

"ہائے ـــ میں تو ضرور کھاؤں گی ـــــ برسوں سے نہیں کھائی ۔"

حمرا نے خوش ہو کر بولی۔

"بہت خوب ـــــ کسی طرح رضوانہ کا جی تو پگھلا ـــــ" بھیا کو ماش کی کھچڑی ہمیشہ سے پسند تھی مگر اب ان کی صحت کی خرابی کی وجہ سے گھر میں پکتی ہی نہیں تھی۔

"ارے بھئی تم سب کہاں ہو ـــــ آؤ نا کھچڑی ٹھنڈی ہو کر ناس ہو جائے گی ـــــ"

بڑے دالان میں میز کرسیاں بھی تھیں مگر صبح کو ناشتہ باورچی خانہ کی صحنچی میں ہوتا تھا ـــــ چوکی پر سب کی پلیٹوں میں بھاپ اڑتی کھچڑی، کٹوری میں گرم گرم اصلی گھی، شلجم کا میٹھا اچار، چٹنی اور دہی!

"واہ بھئی واہ ـــــ آج تو مزا آگیا" بچوں نے آواز لگائی اور سب عملی داد دینے لگے۔

"تم دہی نہ لینا ـــــ" رضوانہ نے میاں سے کہا۔

"کیوں دہی نے کیا قصور کیا ہے؟" انھوں نے چمچہ بھر کر کھچڑی میں ڈالا۔

"بھیا نقصان کرے گا ـــــ" زہرا نے پیالہ سامنے سے ہٹا لیا

"اور گھی کی جگہ پاپا ـــــ مکھن لے لیجیے ـــــ" نگین نے کہا۔

"حمرا تم کہو کہ شلجم کا اچار نہ کھاؤ، عمران صاحب آپ مشورہ

دیکھئے کر کھچڑی چھوڑ دو ــــــ" انھوں نے تلخی کو خوش مزاجی میں سمو کر کہا تو سب ہنس پڑے۔

ناشتہ کر کے سب اُٹھ گئے ــــــ زہرا بھاوج کے پاس بیٹھی رہی۔

"بھابی، بھائی میاں وغیرہ کے لئے کمرے کی ضرورت ہو گی۔ بلکہ دو کمرے چاہئیں گے ــــــ سوچتی ہوں دو تین دن کے لئے میں بھیا کے کمرے میں منتقل ہو جاؤں ــــــ رات کو میں اور نگین بھیا کے کمرے میں سو جایا کریں گے ــــــ حمرا نگین کے پلنگ پر ــــــ وہ کمرہ بھابیوں اور لڑکیوں کے لئے خالی ہو جائے گا ــــــ اور باہر کا دیوان خانہ ــــــ بھائی میاں وغیرہ کے لئے ــــــ"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی ــــــ اپنا دالان بھی خالی کر دوں گی میں ادھر کی صحنچی میں چلی جاؤں گی ــــــ"

حمرا نے اندر آتے ہوئے کہا ــــــ "بھابی اس میں میں نے اپنا سامان رکھوا لیا ہے ــــــ جو بچہ چاہے وہ ادھر آ سکتا ہے ــــــ" اور وہ تیزی سے چلی گئی۔

"انھیں کیا ہوا زہرا باجی؟ مزاج ہی نہیں لئے پڑتے ــــــ ہر وقت اکھڑی اکھڑی رہتی ہیں ــــــ یا کمرے میں بیٹھی کتاب پڑھتی رہتی ہیں یا ادھر جا کر دریا کا نظارہ ہوتا ہے ــــــ بھئی ہم غریب لوگ ہیں ان کی خاطر داری نہیں کر سکتے۔ ہمارا گھر پرانا ہے کوٹھی بنگلہ کہاں سے لائیں۔ موٹر نہیں ہے ہمارے ہاں، بڑھیا کھانے نہیں پکتے ــــــ مگر غریبوں کے ہاں ایسے لوگ آئیں ہی کیوں؟" رضوانہ کے لہجے میں تلخی تھی، غصہ تھا، درد تھا۔

"آپ سمجھی نہیں ــــ"

"خوب سمجھتی ہوں بہن! زمانے کے انقلاب میں ہی نہ سمجھوں گی؟ اللہ کی شان ہے آج ہم اس حال میں ہیں ـــــ اور لوگوں کی یہ شان ہے ــــ"

"آپ کو غلط فہمی ہے ـــــ وہ صحنچی خالہ امی اور حمرا ہی کی تو تھی۔ وہ تو روز اسی لیے وہاں جاتی ہے ــــ اُس کو ماں یاد آتی ہیں ــــ"

رضوانہ نے منھ بنایا ــــ "بس رہنے دو یہ صفائیاں ــــ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ اب میرے میکے والوں کے سامنے یہ انداز رہا تو وہ لوگ کیا کہیں گے ــــ اور اگر کسی نے ان کو دو چار باتیں سنا دیں تو معاف کرنا زہرا باجی تمہیں بھی برا لگے گا اور تمھارے بھیا کو بھی۔ اُن کی تو نازک مزاجیاں اتنی بڑھ گئیں ہیں کہ خدا کی پناہ! میرا ہی دل ہے کہ سب سہار رہی ہوں ــــ برا تو تمہیں لگے گا مگر جلے دل سے کہاں تک دھواں نہ نکلے۔

ان کا "دھواں" تو منھ سے نکل رہا تھا مگر زہرا کو سچ مچ محسوس ہوا کہ سینے کے اندر بہت دھواں گھٹ رہا ہے۔ دو منٹ تک وہ اپنے کو سنبھالنے کی کوشش کرتی۔ وہ مہمان آئی ہے۔ لڑنے نہیں اس کی کسی بات سے گھر کی فضا اور خراب نہ ہو، بھیا کو اور دکھ نہ ہو، حمرا کی انسلٹ نہ ہو۔

اور جب بولی تو لہجہ ہموار تھا۔

"نہیں بھابی حمرا کے بارے میں آپ کا خیال غلط ہے۔ اسے پیسے عہدے کا غرور نہیں ــــ وہ ہمیشہ سے کم گو اور کم آمیز ہے ــــ"

درد بھرے لہجے میں زہرا نے کہا اور جب وہاں سے اٹھ کر دریا کی طرف والے دالان میں گئی تو چہرہ بھیگا ہوا تھا ــــ سب کی جائے پناہ

یہی کھنڈر نما دالان تھا۔

دن بھر بھابی کے ساتھ اس نے اور حمرا نے گھر کی صفائی کرائی، کمرہ اور دالان درست کیا ــــــ بھابی کے عزیز، اس کے بھائی کے ہاں مہمان آ رہے ہیں۔ اس کا بھی تو فرض ہے کام کرانا ــــــ پلنگوں پر نئے پلنگ پوش ڈالے گئے، میزوں پر خوبصورت کڑھے ہوئے میز پوش، صاف پردے لگائے گئے ــــــ چائے کا نیا سٹ نکلا ــــــ علی میاں اِدھر اُدھر گھومتے اور یہ تیاریاں دیکھتے رہے۔ کبھی تیوری پر بل آ جاتے کبھی بہنوں سے بات چیت کرنے لگتے۔ کوئی مزے دار قصہ یا لطیفہ سنا کر ہنسا دیتے ــــــ کبھی کسی سوچ میں گم ہو جاتے ــــــ سال بھر بعد وہ بہن کو نارمل دیکھ کر اس قدر خوش ہو رہے تھے کہ اپنی فکریں اور بیماری تک بھلا بیٹھے تھے!

مگر جب زہرا کا سامان اٹھتے دیکھا تو چونک پڑے۔

"یہ تمہارا سامان کہاں جا رہا ہے۔"

"تمہارے کمرے میں ــــــ"

"کیوں ــــــ"

"جب سے آئی ہوں ذرا دیر تم سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا رات کو جاگنے کا مرض ہم دونوں ہی کو ٹھیرا ــــــ اب اس کا مقابلہ آپس میں گپ شپ کر کے کریں گے ــــــ" اس نے مسکرا کر کہا مگر بھیا کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی۔

"اور حمرا! ــــــ کہاں رہے گی!"

"وہ بھی وہیں رہے گی ــــ ہم دونوں ایک پلنگ پر سو جایا کریں گے۔ اتنا بڑا چھپر کھٹ کا چھپر کھٹ ہے یہ پلنگ تو ــــ" اس نے بات بنائی ــــ وہ جانتی تھی کہ بھیا کو یہ معلوم ہوا کہ حمرا خالہ امی والی صحنچی میں جا کر رہے گی تو ہرگز نہ مانیں گے اور پھر گھر میں کوئی ہنگامہ کھڑا ہوگیا تو کیا ہوگا ؟

"اور تم جب رات بھر بک بک کروگی تو یہ غریب کیا کرے گی" حمرا کی طرف دیکھ کر بھیا مسکرائے۔

"سنے گی ــــ بلکہ بے خبر سوئے گی ــــ یاد نہیں یہ ہمیشہ سے سونے کی مریض ہے ــــ کتاب سامنے ہے ــــ روشنی جل رہی ہے ــــ قلم ہاتھ میں ہے اور خاتون بے خبر سو رہی ہیں ــــ"

"خواہ مخواہ بدنام کرتی ہیں آپ مجھے" حمرا نے مسکرا کر کہا۔

"بھیا خدا کے واسطے یہ تم کہاں گرد میں آکر کھڑے ہو گئے۔ جاؤ یہاں سے گرد تمہاری کھانسی کے لئے زہر ہے۔" اس نے بھیا کو باہر دھکیلا۔

"بہت سے زہر دن بھر پینے پڑتے ہیں ــــ ایک اور سہی ــــ" زہرا کا بشاش چہرا روشن چراغ کی طرح ایک دم سے بجھ گیا ــــ سر بھیا کے سینے سے جا لگا۔

حمرا پاس کھڑی یہ سب سن رہی تھی ــــ دیکھ رہی تھی ــــ مگر اب کیوں وہ ــــ بیس بائیس برس پہلے کی طرح زہرا باجی کی طرح بھیا کے سینے سے لپٹ کر نہیں رو سکتی ؟

وہ آنسو جن کو پیتے پیتے وہ تھک گئی تھی اس کا سینہ پھونکے دے رہے تھے۔

۱۰

انھوں نے اپنی آرام کرسی پر سر ٹیک دیا
مہمان جا چکے تھے ہفتے بھر کے ہنگامے کے بعد آج گھر میں مکمل خاموشی اور سکون تھا۔ رضوانہ اور بچے بھی ساتھ گئے تھے اور حمرا کو بھی سب لڑکیاں اصرار کر کے گئی تھیں۔ اس نے کبھی تاج محل نہ دیکھا تھا اس لئے زہرا اور علی میاں نے بھی مجبور کیا کہ وہ دو چار دن کے لئے چلی جائے۔ علی میاں تو زہرا کو بھی بھیجنا چاہتے تھے مگر وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئی —— بھلا وہ بھیا کو چھوڑ کر کیسے چلی جاتی —— اور پھر وہ ان لوگوں کے گھر زندگی میں صرف ایک بار گئی تھی اور یہ عہد کر کے آئی تھی کہ اب کبھی نہ جائے گی۔ اور خدا تے آج تک اس کا یہ عہد نبھایا تھا۔

انھوں نے جھک کر دیکھا —— زہرا ابھی تک تلاوت کر رہی تھی بچاری کو اس ہفتے بھر میں عبادت کا موقع بھی مشکل سے ملا ہوگا۔
"مگر اچھے گزر گئے یہ چند دن! خوب چہل پہل ہنگامہ رہا۔ اگر بھائی میاں اور بھائی صاحب نہ آئے ہوتے تو شروع کے دو تین دن جو سخت کوفت رہی وہ بھی نہ ہوتی۔ انھیں کبھی مراد پور پسند نہ آیا۔ جب بچپن

چھبیس برس پہلے آئے تھے تب بھی ناک بھوں چڑھاتے تھے مگر پھر بھی۔
" FORACHANGE " گوارا کرلیا تھا۔ مگر بہن کی شادی کے بعد سے تو
اس میں ہزار خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ظاہر ہے ان لوگوں کو اس
قصبے سے کیسے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے۔ نہ کلب، نہ ریس، نہ تھیٹر، نہ
انگریزی فلم، نہ سیاسی معرکے وہ تو آئے ہی اپنی بہن سے ملنے اور اس سے ہمدردی
کرنے کے لئے تھے ہر جملہ تکلیف دہ تھا۔ کبھی بہن سے کہتے۔ " تمہاری صحت بہت
گر گئی ہے۔ کتنی کمزور ہو گئی ہے غریب "
" کسی ڈاکٹر کو دکھایا یا یونہی جان دینے کا ارادہ ہے "
" افوہ کتنا کام کرنا پڑتا ہے اسے۔ یہ بڑھیا کیا خاک مدد کرتی ہو گی۔
اور نصرو تو ہمیشہ کا دیوانہ ہے ——" اور خود اس سے کچھ انداز کی باتیں
" بجلی تم نے لگوالی۔ یہ بہت اچھا کیا۔ مگر یہ ہینڈ پمپ؟ کیا اب تک اس
گاؤں میں نل نہیں آیا" چھوٹے بھائی صاحب نے ہمیشہ مرادپور کو گاؤں ہی
کہا " بغیر فلش کے کیسے رہتے ہو تم لوگ؟" اور یہ سن سن کر ماں تو
ماں بچوں تک کے رنگ بے رنگ ہوئے جا رہے تھے۔
" خدایا یہ بھی ہونا تھا —— یہ بھی ہونا تھا خدایا!" ایک گھٹی
ہوئی لمبی سانس جو بہت دیر سے سینے میں پھڑپھڑا رہی تھی، ہونٹوں
سے باہر نکل آئی۔
" کیا زندگی بھر اسی لئے جدوجہد کی تھی، اسی لئے بیوی اور بچوں
کے لئے ہر راحت اور آسائش فراہم کی تھی —— مستقبل کا خیال
کئے بغیر ان کے ہر خواہش اور خوشی پوری کی تھی۔ کہ آخری وقت یہ سہارنا
اور سننا پڑے؟ زندگی میں نرم و گرم آتا ہی رہتا ہے۔ اب بھی فلتے

تو نہیں پڑ رہے۔ قناعت سے، سلیقے اور کفایت سے خرچ کیا جائے تو بہت ہے۔ زہرا تو اپنا اور ہما کا خرچ خود نوکری کر کے ڈیڑھ دو سو روپے ہی میں چلا رہی ہے ــــ مجھ تک سے کبھی پیسے کی طالب نہیں ہوئی اصرار کر کے کسی بہانے دے دوں تو میری خاطر لے لیتی ہے ــــ رضوانہ کے بھائی تو اُسے چپکے چپکے سیکڑوں روپے دیتے ہیں! تحفے تحائف آتے جاتے ہیں۔ پھر گھر کا اناج ہے، اپنا گھر ہے، بچوں کی تعلیم، کھانے پینے کی بات کی تکلیف ہے ان لوگوں کو؟

"مگر کب تک؟ کب تک یہ بچے کھچے روپے ساتھ دیں گے؟

"خدایا ــــ ان نام نہاد دوستوں، ان مارِ آستیں رفیقوں کو میں نے کیوں نہ پہچانا؟ دو بار انھوں نے بزنس میں مجھے دھوکا دیا ــــ ان کے گھر بھر گئے اور میں تہی دست رہ گیا ــــ آدمی ایک بار دھوکا کھاتا ہے ــــ دوسری بار میں کیوں ان کی باتوں میں آ گیا؟ کیوں نہ سمجھا کہ آستین کے سانپ ہیں ــــ برادرانِ یوسف ہیں!

مگر رضوانہ کا روز بروز یہ انداز ہوتا جاتا ہے جیسے میں اس کے بھائیوں کی روٹیاں کھاتا ہوں ــــ انھیں کے پورا کئے گھر کا خرچ چلتا ہے ــــ اس دن، رات کو بیٹی سے کہا جا رہا تھا میرے بھائی کب تک بھرنا بھریں گے ــــ میں کہاں تک یہ دکھ اٹھاؤں گی؟ میرا بچہ خیر سے ولایت سے پاکستان آ جائے تو میں اس کے پاس چلی جاؤں گی ــــ پھر وہاں میرے چھوٹے بھائی ہیں وہ لالوں کے لال بنا کر رکھیں گے۔

گھٹیا دیسی نائی لون کی یہ چند ساڑھیاں، ایلومینیم کے چند برتن

اور دو چار جھوٹے زیور دے کر وہ ہی نہیں یہ بھی یہ سمجھتی ہیں کہ ہزاروں کی چیزیں لائے ہیں ——— میں نے ——— میں نے برسوں ان سب لوگوں کو قیمتی سے قیمتی تحفے دیئے شادیوں میں، سالگرہ پر، ویسے ہی آنے جانے میں ——— اور کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ یہ باتیں کہنے یا سوچنے کی ہوتی ہیں ——— حمرا اور زہرا، چچا جان اور احسان بھائی صاحب ——— میرے اپنے ہیں ——— دوں یا نہ دوں مگر یہاں رضوانہ کی عزت کا معاملہ تھا ——— اس کا سر میکے میں نیچا نہ ہو ——— وہ لوگ میرے بچوں اور بیوی کو اپنے سے کمتر نہ سمجھیں!!

"اب بھی جی نہیں مانا کہ بچوں کو خالی ہاتھ جانے دوں۔ لڑکوں کو وہ لیٹسٹ شرٹس کے کپڑے کتنے پسند آئے ——— اور لڑکیاں تو ان معمولی سی دیہاتی چیزوں پر جو میں بازار سے ڈھونڈ کر لے آیا تھا، جان دیئے دے رہی تھیں ——— ہائے انکل ڈیر ——— ڈارلنگ انکل ——— کتنے اچھے ہیں آپ ——— ہائے کتنی گڈو چیزیں ہیں ——— کتنی اسٹائلش کوٹی ——— کوٹی پاکستان میں کہاں ملتی ہیں یہ ——— عجیب عجیب الفاظ یہ لڑکیاں ایجاد کرتی رہتی ہیں ——— فرحت تو خیر سدا کی دماغ دار ہے مگر راحت تو میرے گلے سے لپٹ گئی۔

ارے پاکستان کیا، ہندوستان میں بھی کہاں ملتی ہیں ——— یہ تو ہمارے انکل کا چوائس (انتخاب) ہے!

"باؤلی لڑکیاں ——— موٹے موٹے چاندی کے بھدّے کڑے اور گلے کے وہ ڈھولن جیسے زیور ——— اب تو گاؤں کی عورتیں بھی یہ چیزیں نہیں پہنتی ہیں، وہ ان پر جان دیئے دے رہی تھیں۔ اور تو اور

نگین باؤلی رنکھی ہوگئی کہ بابا میرے لئے کیوں نہیں لائے ـــــ اسی وقت عمران کو دوڑا کر اس کے لئے بھی وہ چیز منگائی ـــــ جس کا نام شاید ڈھولنا ہے ـــــ بڑی محبت کی بچیاں ہیں!

"بڑی چھوٹی بھابی کو زہرا سنبھالتی رہی۔ بڑی بھابی سے سنجیدہ باتیں کرتی ـــــ سیاست کی، وزارتیں ٹوٹنے اور بننے کی، ان کی لیڈری کی اور سوشل سروس میں دلچسپی لینے کی جس سے وہ بہت خوش ہوتی تھیں۔ اور چھوٹی بھابی کی شیخی بازیاں کس صبر سے سنتی تھی۔ وہ بچاری غریب گھر کی ہیں وہاں ان کے میاں کو بہت سی زمینیں اور اعلےٰ عہدہ مل گیا ہے کئی ہزار تنخواہ ہے، بہت بڑی کوٹھی ہے، موٹر ہے! بچاری کا ظرف ابل گیا ہے زرا ـــــ اور ہیں حضرت معمولی بی۔ کام مگر قسمت کے تو سکندر ہیں!

مگر لڑکیاں تو بڑی سوئیٹ ہیں ـــــ زہرا کہتی ہے تمہاری تو کمزوری ہیں لڑکیاں۔ سبھی تمہیں پیاری لگتی ہیں! لوتی تو بہت گڈو ہے ـــــ بالکل الھڑ ـــــ ہر وقت انکل ـــــ انکل کرتی رہتی ہے ـــــ کبھی انگریزی دھنیں گا رہی ہے، کبھی ڈانس کر رہی ہے ریڈیو پر فلمی گانے پورے زور شور سے بجتے رہتے اور لڑکے لڑکیاں ادھم مچاتے رہتے ـــــ نگین اور عمران بھی اس رنگ میں رنگ گئے تھے ـــــ رضوانہ تو خیر بہت خوش تھی۔ دن بھر طرح طرح کی چیزیں پکواتی اور پکاتی ـــــ مگر زہرا کو شاید یہ باتیں پسند نہ تھیں ـــــ ہنہ وہ تو سدا کی ایسی ہی ہے ـــــ اور اب تو اور بھی "بوڑھی روح" بن گئی ہے ـــــ مگر یہ حمرا کو کیا ہوا ہے؟ جانے کس سوچ میں کھوئی رہتی ہے ـــــ ہاں وہ اپنی زندگی سے مطمئن نہیں۔

مگر مقصود تو اس کو بہت چاہتا ہے ــــــ بچہ نہیں ہے اس کا قلق ہوگا۔ یا شاید یا شاید....

"انکل بھی تو پاکستان میں لبس گئے ــــــ بچاری کا یہاں کون ہے؟ ہم بھی تو اب برسوں نہیں ملتے ــــــ خط و کتابت تک نہیں ہوتی ــــــ ہم سمجھتے ہیں وہ خوش و خرم ہے، خوشی بلکہ عیش کی زندگی گزار رہی ہے ــــــ مگر صرف پیسے ہی سے تو مسرت حاصل نہیں ہوتی!! انسان کو عزیزوں کی بھی تو ضرورت ہوتی ہے ــــــ کاش اس کے ایک بچہ ہوتا ــــــ ہوا تو تھا مگر زندہ نہیں رہا۔

"اتنے دن آئے ہو گئے کبھی کھل کر اس نے بات ہی نہیں کی۔ میں بھی تو اب اس سے پہلے کی سی بے تکلفی نہیں برتتا ــــــ جانے کیا بات ہے!

"یہ بیس سال ہم دونوں کے بیچ میں عجیب انداز سے حائل ہو گئے ہیں! پھر ــــــ پھر رضوانہ ــــــ رضوانہ کو تو ہمیشہ سے یہ بدگمانی رہی ہے کہ میں حمرا اور زہرا کو زیادہ چاہتا ہوں ــــــ زہرا کی بات تو خیر الگ ہے مگر حمرا سے اگر وہ ــــــ اگر وہ بدگمان ــــــ نہیں تو یہ!

ہم دونوں کی قسمت میں جو تھا وہ ہوا ــــــ وہ اب صرف میری بہن ہے ــــــ بڑی پیاری بہن!

"بچاری اتنے برس بعد آئی ہے ــــــ سوچا ہوگا وہی اپنے علی بھیا ہوں گے ــــــ مگر ــــــ یہاں آکر ایک بیمار، اکل کھرا، چڑ چڑا شخص دیکھا ــــــ جس میں علی بھیا کا سایہ شاید وہ ڈھونڈتی ہو۔"

آنکھوں میں پھر وہی عجیب سی درد و غم کی زخمی کیفیت ابھر آئی۔

" بھیا ___ معاف کرنا ___ میں ہما کو خط لکھنے بیٹھ گئی ___ اور تم یہاں اکیلے بھوکے بیٹھے ہو ___ "

انھوں نے جلدی سے چہرے پر دوسرا خول چڑھا لیا۔

" بھوک مجھ سے زیادہ تو تجھے ستایا کرتی تھی ___ چل کیا یاد کرے گی ___ آج رحیمن خالہ سے بیسنی ٹکیاں پکوائی ہیں "

دونوں بھائی بہن ہاتھ میں ہاتھ دیئے بچوں کی طرح ایک دوسرے کو چھیڑتے ستاتے باورچی خانہ میں گھسے اور پیڑھیوں پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے۔

" ہائے اللہ بھیا ___ بالکل اماں اور بابا کے زمانے کا مزا آرہا ہے اس وقت ___ " بات ہنس کر شروع کی تھی مگر آواز بھرا گئی

" رحیمن خالہ ___ کون سی لڑکی تمہیں سب سے زیادہ اچھی لگی " بھیا نے جلدی سے بات بدلی۔

" صدقے جاؤں اللن میاں، مجھے تو اپنی نگو بیٹی ہی پسند ہے۔ بھولی بھالی ___ ان کے تو منھ پر ٹھیکرے پھوٹے ہیں ___ "

" ہائیں بوا ___ تم خواہ مخواہ ان بچاری بچیوں سے خفا ہو " بھیا بولے۔

" ووئی کھا مکھا ؟ لڑکیاں کیا ہڑدنگیاں ہیں ___ شریف لڑکیوں کی تریلوں نہ رہویں ___ "

" ارے رحیمن خالہ ___ ان بچاریوں نے کیا رذالت کی ؟ " ہنس کر زہرا نے کہا۔

" اے تو ___ توبہ ___ توبہ ___ رجیل تو میں نہ کہوں ___

میری بیگم کی بھتیجیاں ہیں — پر برانہ مانیو — ان کی باتیں ہمیں نا بھائیں! بھلا یہ بھی کوئی پہناوے میں پہناوا تھا — بالست بھر کے کرتیاں! آستینیں ندارد گلے تنگے — بال کٹے، دوپٹہ غائب اور وہ موئے اگالدان جیسے پجامے — جیسے اس موئے سرکس کے مسکھرے ہوں ہیں —،،

زہرا اور علی میاں کھلکھلا کر ہنس پڑے — "واہ خوب نام رکھا!"

"لو! یہ تو آج کل کا فیشن ہے!" کبھیاّ نے کہا۔

"خاک پڑے ایسی فیسن پہ — کھربوزے کو دیکھ کے کھربوزا رنگ پکڑے ہے — اب تو بڑے صاحب کی لڑکیاں بھی اس رنگ میں رنگ گئیں فرحت بی بی تو پرکٹی ہیں گدی تک کے بال مونڈ ڈالے۔ اور وہ راحت بی بی — جانے سر پے کیا ہنڈیا سی بناوے ہے۔ اور وہ لونڈیاں بھی کٹے بالوں یں یہی کریں تھیں — پہلے اچھی خاصی سیدھی کنگھی کی اور الٹے سُلٹے ہاتھ چلا سارے بال با ولوں کی ترئوں متھ پر بکھیر دیئے — اچھے بھلے بالوں کا ستیا ناس مار دیا — ارے توبہ — روٹی جل گئی بھاڑ میں جائے ایسا فیسن!"

نصرو چاچا کیوں کسی سے پیچھے رہتے۔ "ہنہ ہنہ" ہنستے ہوئے بولے "میاں سارے گاؤں میں لوگ باتیں بنا رہے ہیں — کھیتوں میں جا کر لونڈے لونڈیوں نے وہ ادھم مچائی اور مل کر سارے کھیت اجاڑ ڈالے — اور تو اور ندی پہ جا کر سب دھم دھم دریا میں کود نہانے لگے — اے توبہ نہ سرم نہ حیا — لوگ کہیں تھے

یہ کہاں سے آرے ہیں۔"

"آج کل یہ سب ہوتا ہے نصرو چاچا" بھیّا نے بیسنی روٹی کا نوالہ رات کے قورمہ میں ڈبوتے ہوئے کہا۔

"یہ پاکستانی تہذیب ہے جیسے وہ اسلامی تہذیب بھی فرماتے ہیں ---- " زہرا نے تلخی سے کہا۔

"یہ تو تم خواہ مخواہ کی بات کہہ رہی ہو۔ یہی سب ہندوستان میں ہو رہا ہے اور بھئی فیشن ہر زمانے میں بدلتے ہیں -- تم دونوں بڑھیوں کے روکے تو زمانہ رک نہیں سکتا "

"کھاک پڑے ایسے جمانے پہ سرم نہ ہیا " رضوانہ کی غیر موجودگی میں رحیمن بوا کی زبان زرا زیادہ ہی چل رہی تھی۔ گودوں کے کھلائے "بچوں" سے کیا ڈرنا

"مجھے بھی ان لڑکیوں کی باتیں بہت بری لگیں بھیا ہمارے ہاں کے غسل خانے پاخانوں پر اتنی ناک بھوں چڑھائی ---- ایسی ایسی باتیں کہیں جیسے ہم نے تو فلش دیکھے ہی نہیں " زہرا نے کہا

نصرو چاچا پھر ٹپکے۔ " اے ہاں بھیا وہ چھوٹی والی نک چڑھی کیا نام تھا ٹوٹو ٹوٹو واہ نام بھی کیا رکھیں ہیں ---

ارے بھیا دو دن تک وہ پاکھانے نہیں گئی ---- ہم ان جلیل یا جانے کھبیست، کون سا لفظ کہوے تھی بھوم ---- بتھوم میں نہ جادیں ہیں " اور وہ کھکھلا کر ہنس پڑے۔

" دو تین دفا بچاری بہو آکر پاخانہ دھووے تھی پھر وہ لونڈیاں ایسی ناک چڑھاویں تھیں -- اے ہے کیا یہ گھر

کے کمروں میں پاخانہ بھریں ہیں بی بی؟" رحیمن بوا نے اپنی بے رونق بڑی بڑی آنکھیں پوری طرح پھیلا دیں۔ زہرا اور علی میاں کا ہنسی سے برا حال تھا۔

"رحیمن خالہ ——— ان کے ہاں ——— اور شہروں میں سبھی کے ہاں ——— انگریزی قسم کے غسل خانے ہوتے ہیں ——— اس میں پاٹ لگے ہوتے ہیں ——— زنجیر کھینچی اور ساری گندگی غائب ہو گئی ——— وہ بچاری لڑکیاں اس قسم کے پاخانے غسل خانوں کی عادی نہیں ہیں ——— اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے ———" علی میاں نے سمجھایا۔ ان کو تو سبھی لڑکیوں سے محبت ہو جایا کرتی تھی اور لوٹی ——— جس کو سب مل کر برا بھلا کہہ رہے تھے ——— وہ تو ان کی بہت لاڈلی ہو گئی تھی۔

بھیا معاف کرنا انگریجی پاکھانے ہوں یا دیسی ہگیں موتیں تو سب ہیں۔ پائنتیوں کے اندر بھی انگریجی آلہ لگواتے ہیں کر کھو سبلو دار پاکھانہ ہو ——— اور نہیں تو ہاں۔

"اری بڑھیا تو ٹھیری گنوارن یہ باتیں کیا جانے ——— سایر لگے ہوں پیٹوں میں انگریجی آلے ———" نصرو چچا چاؤ لیا سے چھاؤں پر اتر آئے تھے۔

"اے گنوار ہوں گے تم، تمہارے ہوتے سوتے ——— پر بھیا میں یوں کہوں ——— یہ کھانے ناستے پر کیوں اتنے نخرے کریں تھیں!"

"زہرا ——— اب یہاں بیٹھنا خطرناک ہے ———" علی میاں مسکرائے ——— "رحیمن خالہ میں تمہارے اور نصرو چچا کے لئے بھی آلے منگوانے والا ہوں ——— آپریشن کر کے پیٹ میں فٹ کر دیئے

جائیں گے ــــــ"

"ارے خاک پڑے ــــــ میرے دشمنوں کا آپریشن ہو ــــــ"

"نا میاں ہم لنڈورے بھلے ــــــ"

"اری بڈھے لنڈورا تو تو ہے ہی"

"بڑھیا ــــــ زرا جبان سنبھال ــــــ"

ان دونوں کو لڑتا چھوڑ کر زہرا اور علی میاں وہاں سے اُٹھ آئے دن بھر دونوں اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہے۔ زہرا کو بھیا سے بہت سی باتیں کرنی تھیں۔ وہ جاننا چاہتی تھی۔ ڈاکٹروں کو کب دکھایا تھا، کیا بیماری تشخیص ہوئی ہے ــــــ وہ کیا دوا کھا رہے ہیں ــــــ عرفان پاکستان سے انگلستان کب اور کیسے گیا۔ کب واپس آئے گا اور کہاں رہے گا؟ نگین کا رشتہ بھائی میاں کے چھوٹے لڑکے سے طے ہوا یا نہیں اس سے تو کسی نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ چھوٹی بھابی سے بڑی بھابی کسی پاکستانی لڑکی کے بارے میں بات کر رہی تھیں۔ ہاں بھئی وہ ڈاکٹر ہے، انگلستان میں اتنی بڑی تنخواہ مل رہی ہے ــــــ بھلا اب نگین بچاری سے کیوں کریں گے ــــــ مگر بھیا کو تو وہ لڑکا پسند تھا وہ تو ــــــ وہ تو ــــــ ان کی تو خواہش ــــــ"

آگے سوچنے کی ہمّت نہ تھی ــــــ اس نے خیالات کا رُخ موڑنا چاہا۔

"اچھا خاصا تو کرا لیا ہے بھیلے نے گھر ــــــ دو کمرے بن گئے۔ باورچی خانہ پر بھی اب پکّی چھت ہے ــــــ غسل خانہ پاخانہ پکے بن گئے ہیں گھر اب بہت اچھا ہو گیا ہے ــــــ"

یہاں آنے کے بعد سے بے دلی سستی اور بڑھاپے کا احساس آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا ——— جیسے کچھ پردے ذہن پر سے اٹھتے چلے جا رہے ہوں۔ ان جلتے ہی ہیں پھر سے زندہ رہنے اور اپنے فرائض ادا کرنے کی لگن پیدا ہونے لگی تھی!

کاش وہ کچھ دن اور بھیا کے پاس رہ سکتی۔ مگر اُدھر اسکول کا کام پھر ہما کی تنہائی ——— مگر بھیا کو ابھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہ رہا۔ جانے پھر کب آنا ہو۔ آج اس نے ہما کو خط لکھ دیا تھا کہ انٹرویو ہو جائے تو فوراً چلی آئے۔

جانے بھیا کو کیا ہو گیا ہے ——— ساری رات جاگتے رہتے ہیں! دھونکنی کی طرح سانس چلتا رہتا ہے ——— اگر سو جاتے ہیں زرا دیر کو تو کیسی سیٹیوں کی سی آوازیں نکلتی ہیں سینے میں سے ——— اور چین سے پیر پھیلا کر سونا تو وہ شاید بھول ہی گئے ہیں ——— وہ کس طرح اس کے ساتھ چلنے پر تیار ہو جائیں ——— تو وہ دل بھر کر ان کے معائنے وغیرہ کرائے۔

"زہرا ——— زہرا ——— آؤ نا ——— چائے ٹھنڈی مٹی ہو گئی" بھائی کی آواز سن کر وہ بھاگتی ہوئی بھیا کے پاس پہنچی "معاف کرنا میں تو بھول ہی گئی تھی۔"

"اچھی بھول ہے ——— نصرو چاچا ——— دوسرا پانی کھولا کر لاؤ۔ اب زرا اچھی سی چائے میرے اور اپنے لئے بناؤ بیٹھ کر ———"

چائے پیتے پیتے ایک دم بھیا بولے "گھر بڑا خالی خالی لگ رہا ہے۔"

"ہاں بالکل سنسان۔ میرا تو بہت جی گھبرا رہا ہے۔"

"بچے دیکھو کب آتے ہیں۔ رضوانہ تو شاید جلدی آجائیں "
"بھابی اور بچے سب پرسوں آجائیں گے ـــــــ وہ تو جا بھی نہیں رہی تھیں ـــــــ میں نے ہی اصرار کر کے بھیج دیا کر وہاں بھائی میاں انہیں کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا دیں۔ برابر پیٹ میں درد رہتا ہے کمزور بھی بہت ہو گئی ہیں ـــــــ" وہ بھائی کو یقین دلانا چاہتی تھی کہ بھابی جانا نہیں چاہتی تھیں۔ مگر ان کی مسکراہٹ نے ساری کوشش بے کار ثابت کر دی۔

"خیر ـــــــ خیر ـــــــ چھوڑ اس قصّے کو ـــــــ یہ بتا ذرا وردوں کی صحت کی اتنی فکر ہے مگر اپنی خبر نہیں رات بھر جاگتی ہو ـــــــ جسم میں خون کا نام نہیں! دبلی ایسی ہو گئی ہے جیسے سوکھی چھپٹی ـــــــ" بھیا مسکرائے۔ وہ بچپن میں بھی اُسے سوکھی چھپٹی کہہ کر چھیڑا کرتے تھے۔
"نیند کی تو میں بھیا سدا کی مریض ہوں ـــــــ بابا کے بعد کبھی چین کی نیند نہیں سوئی ـــــــ اور تمہارے بھائی کے سدھارنے کے بعد تو۔ بس خیر ـــــــ زندگی گزر رہی ہے ـــــــ اور موٹی میں کب تھی ؟ اب تو بڑھاپا آگیا ـــــــ دبلی نہ ہوں گی تو کیا ـــــــ تو کیا ـــــــ" کوئی موزوں لفظ یاد نہ آتے پر وہ ہنس پڑی۔
"میری فکر نہ کر بھیا ـــــــ میں بہت بے حیا ہوں ـــــــ مگر تمہاری صحت کی طرف سے میں بہت پریشان ہوں ـــــــ ڈاکٹر کو کب سے نہیں دکھایا ؟"
"ڈاکٹر ـــــــ اوہ ـــــــ بہت سے ڈاکٹر دیکھ چکے ہیں۔ ہر قسم کے معائنے اکسرے بیا پسی وغیرہ ہو چکی ہے ـــــــ چچا جان نے بمبئی میں

پورا چیک اپ کرایا تھا ــــــ"

زہرا کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔ سہم کر بھائی کو دیکھا۔ منہ سے کچھ نہ بول سکی۔

"کیوں کیا ہوا؟" علی میاں ہنسے

"بابا پیسی کیوں ہوئی تھی ــــــ؟" بمشکل اس نے پوچھا

"مرض ہے آج کل کے ڈاکٹروں کو ــــــ"

"پھر ــــــ؟"

"پھر کچھ نہیں ــــــ"

"آخر کیا مرض تشخیص کیا؟"

"بھئی میں تمہاری طرح ڈاکٹروں سے بحث مباحثہ نہیں کرتا... انہوں نے کہا ٹھیک ہے ــــــ دوا کھاتے رہو ــــــ"

"بیا پسی میں سب ٹھیک نکلا نا؟"

"ہاں نکلا ہی ہوگا ــــــ بھئی ان کا خیال تھا کہ ابھی اپنی بہن کی محبت کا مزا اٹھانے کے لئے زندگی کے کچھ دن باقی ہیں ــــــ"

"بھیا ــــــ" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

"تو سدا کی وہمی ہے ــــــ" بھیا نے مسکرا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا ــــــ کوئی خاص بات ہوتی تو چچا جان مجھے آنے دیتے بھلا ــــــ؟"

"مگر یہ جو تمہیں رات بھر کھانسی اٹھتی ہے اور اتنا سانس پھولتا رہتا ہے اس کے لئے آخر کیا دوا کھا رہے ہو؟"

"پہلے تو وہی بمبئی والی دوا کھا رہا تھا۔ کچھ دن سے وہ دوائیں

بھی فائدہ نہیں کر رہی ہیں ـــــ ایک دن میرے ایک ہومیو پیتھ دوست ملنے آئے تھے ـــــ بہت اچھے ڈاکٹر ہیں انھوں نے کچھ دوائیں دی ہیں۔ اب زیادہ تکلیف ہوتی ہے تو ان کی دوا کھا لیتا ہوں۔"

"مگر میں اس کی قائل نہیں بھیا ـــــ تم میرے ساتھ چلو ـــــ دلی میں چل کر دوبارہ سب معائنے کرالیں گے ـــــ"

"ارے باولی ـــــ موت کے سامنے دلی، بمبئی، کلکتہ، لندن، نیویارک سب ہار مان لیتے ہیں ـــــ تو تو بڑی مذہبی ہے ـــــ بھلا جب تک اُدھر سے بلاوا نہ آئے کوئی جا سکتا ہے؟ مریض، نیم جان زندہ رہتے ہیں، سسکتے گھسٹتے رہتے ہیں اور کڑیل جوان پل بھر میں سفر طے کر لیتے ہیں۔ اس راہ کا ـــــ اف خدایا ـــــ کیا اس دن ٹرین امی کے لئے نہ لڑی تھی کہ ہمارا بلال ہمیں چھوڑ کر چلا جائے ـــــ تجھے زندہ درگور کر جائے۔ سب کے دلوں میں زخم ڈال جائے ـــــ"

آج تک انھوں نے زہرا کے سامنے بلال کا نام نہ لیا تھا۔ جانے کب سے دل میں یہ آگ بھڑک رہی تھی ـــــ اور آج نام لیتے ہی ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا ـــــ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ نہرو چاچا اور رحیمن خالہ دوڑتے آئے اور وہ بھی رونے لگے ـــــ زہرا کچھ دیر سن بیٹھی رہی پھر اٹھی۔ بھیا کے پاس جا کر ان کے سینے سے اپنا سر لگا دیا ـــــ کتنا وقت بیت گیا، کب بھیا کے آنسو تھمے، کس نے ان دونوں کو پانی پلایا اور کب وہ دونوں پھر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے .... دونوں ہی ان سب باتوں سے بے خبر تھے۔ بڑی دیر بعد بھیا پھر اس موضوع پر آگئے۔

"تم تو اس کا ذکر نہیں کرتی ـــــ یہ خاموشی تجھے اندر ہی اندر کھائے ڈالتی ہے ـــــ آخر تو کسی سے دل کا درد کیوں نہیں کہتی ؟ یا یا نہیں ـــــ اماں نہیں منصور بھائی نہیں ـــــ مگر میں تو ہوں ـــــ" ان کے لہجے میں بڑا درد تھا۔

"بھیا ـــــ تمہارا دل اتنا نازک ہے ـــــ پھر تم ـــــ تم تو اُسے اتنا چاہتے تھے ـــــ اور بھیا ـــــ کہنے کو رہ ہی کیا گیا ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر آناً فاناً چلا گیا ـــــ میں اسے دیکھ بھی نہ سکی ـــــ میں نے کیا، ایسا گناہ کیا تھا جس کی یہ سزا ملی ؟ کبھی کبھی تو خیال آتا ہے ضرور کوئی پچھلا جنم ہوتا ہوگا جس کی سزا اس جنم میں بھگتنی ہوتی ہے ـــــ ہاں تو ـــــ نہیں تو ـــــ میری بائیس برس کی ریاضت کا یہ پھل مجھے ملنا چاہیئے تھا۔؟ میری ساری محبت اور خدمت یوں خاک میں دفن ہونے کے قابل تھی ـــــ بھیا۔ تمہاری جان کی قسم ـــــ جس دن تمہارے بھائی نے اسے میری گود میں دیا تھا میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ میری کوکھ سے پیدا نہیں ہوا ہے۔ ہما کے ہونے کے بعد ـــــ اوروں کا کیا ذکر، خود مجھے یہ اندیشہ تھا کہ شاید اب میں اُسے اتنا نہ چاہ سکوں ہاں میں ڈانٹتی بھی تھی، سزا بھی دیتی تھی وہ مجھ سے روٹھ بھی جاتا تھا، میں بھی اس سے ناراض ہو جایا کرتی تھی ـــــ مگر کیا یہ اتنا بڑا قصور تھا بھیا جس کی ایسی سزا ملے ؟ کون ماں اپنے بیٹے سے ناراض نہیں ہوتی ؟ وہ تو ہما سے بڑھ کر تھا ـــــ وہ لڑکی ہے ـــــ چار دن میں پرائے گھر کی ہو جائے گی ـــــ ہمارے گھر کی رونق اور دل کا چین بلال ہی کے دم سے ہے۔

اُن کے بعد بلال ہی تھا جس نے مجھے پاگل ہونے سے بچایا۔ وہ بالکل

ان کی طرح تھا، وہی صورت وہی ڈیل ڈول، وہی مزاج عادت، وہی ذمہ داری کا احساس اور وہی گہری، بے بناوٹ محبت۔"

بھیا آنسو بھری آنکھوں سے بہن کو دیکھتے رہے۔

"باپ کے مرنے کے بعد کتنی لگن تھی اُسے کہ جلد سے جلد وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے ــــ میں نے نوکری کی تو جتنے تم خفا تھے، اس سے زیادہ وہ ناراض تھا ــــ امی آپ کو نوکری کی کیا ضرورت ہے۔ آپ ابا کا پراوڈنٹ فنڈ خرچ کر ڈالئے ــــ پھر میں نوکر ہو جاؤں گا تو میری امی کو ذرا سی بھی فکر نہ ہو گی!

اور پچھلے سال جب فرسٹ کلاس میں۔ ایم۔ اے کیا تو مجھ بدنصیب سے زیادہ خوش اور نازاں کون ہو گا؟ دنیا کے بیٹوں کو دیکھتی ہوں، بدشوق کند ذہن، خود غرض، خود پرست! اور میرا لال ــــ ایسا سعادت مند، ایسا چاہنے والا ــــ ایسا قابل ہے! میں اپنی بدقسمتی بھول گئی۔

اور اس خوش قسمتی پر نازاں اور مغرور ہو گئی۔.... وہ تو انٹرویو دینے گیا تھا ــــ اس میں آ بھی گیا تھا ــــ وہ اپنی ماں بہن کو لئے کر رہے گا۔ وہ تو ــــ وہ تو ــــ"

آواز دھیمی ہوتے ہوتے بالکل بند ہو گئی، سر پٹی سے جا لگا۔ جانے وہ ہوش میں تھی یا بے ہوش؟

وہ یہ نہیں دیکھ سکی کہ بھیا کے چہرے پر اتنی دیر میں کتنے رنگ آئے، آنکھوں سے کتنے آنسو بہے، ہاتھ پاؤں کس طرح لرزتے رہے تھے کس طرح وہ اٹھے، گلاس میں پانی لا کر بہن کو پلایا اور اس کا سر سہلاتے رہے۔ اور شام جیسے تیسے بیت گئی۔

۱۱

کار گھر سے کوئی دو سو قدم پر رو کنی پڑی ———— کچھ دن سے پکّی سڑک بننے کی تیاریوں میں گھر تک کا رستہ ٹوٹا پھوٹا پڑا تھا۔ ڈرائیور نے اتر کر پیچھے کا دروازہ کھولا۔ پہلے حمرا اتری۔ آنکھیں سوجی ہوئی سی جیسے رات بھر نہ سوئی ہو بالوں اور کپڑوں پر گرد اس کے پیچھے ایک پچاس پچپن کی عمر کے صاحب اترے۔ چھوٹا قد، تیز آنکھیں، نوکیلی ناک چھوٹی سی داڑھی، سر پہ چند بال۔ سرمئی سوٹ ان کے چہرے کے رنگ سے میل کھا رہا تھا۔

حمرا ایک پل کو رکی "چچا زحمت تو ہوگی مگر آپ زرا ٹھیریں ———— میں پہلے گھر میں جا کر اطلاع کر دوں آپ کے آنے کی " وہ حضرت مسکرائے تو سفید موتیوں جیسے دانت یوں چمک اٹھے جیسے کالی گھٹائیں بجلی دمک جائے " ہاں ہاں ———— میں یہاں ———— یہ سامنے ہرے کھیتوں کا نظارہ کرتا ہوں ———— تم ———— "

زہرا نے پچاسویں بار جھک کر سوتے بھیا پر نظر ڈالی اور پھر

بے بسی سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

ساری رات اسے یونہی بیٹھے گزر گئی تھی۔ گیارہ بجے سے بھیا کو بیحد کھانسی تھی اور سانس الگ پھول رہا تھا۔

ہومیوپیتھک کی دوائیں بے اثر نکل گئی تھیں۔ گلوکوز، کورومین چائے، شہد، گرم پانی کی بوتل، کسی چیز سے بھی تو سکون نہ ملا۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی —— بھیا سے نہ بیٹھا جاتا تھا نہ لیٹا کبھی گاؤ تکیے پر سر ٹکا کر اوندھے لیٹے، کبھی ٹانگیں لٹکا کر سر کرسی کے تکیے پر ٹیک دیتے کبھی گھبرا کر زہرا کو دیکھتے اور اُلجھ اُلجھ کر کہتے۔

" تو سو رہ نا جا کر —— مجھے کچھ نہیں ہوا ہے —— ایسی حالت اکثر ہو جاتی ہے!" وہ سہم کر اپنے پلنگ پر جا کر بیٹھ جاتی مگر دو منٹ بعد ہی ان کی تکلیف سے بے قرار ہو کر پاس آ جاتی —— کمر سہلاتی، پیر دباتی۔ پانی پلاتی اور ڈانٹ کھاتی!

اور اس طرح دو بج گئے!

" بھیا —— "

" کیا ہے بھنو —— تو اب تک سوئی نہیں نا۔"

" تمہاری پہلے کی دوائیں بھی تو کہیں رکھی ہوں گی۔"

" ہاں میری الماری میں ایک ڈبہ میں سب ہیں —— "

" ذرا اپنی چابیاں —— "

" تکیے کے نیچے سے نکال لے —— "

وہ چابیاں نکال کر الماری کے پاس گئی۔ کمرے کے دروازے کے پاس دیوار سے ٹیک لگائے، لحاف لپیٹے۔ نصرو چاچا بیٹھے اونگھ

رہے تھے ۔۔ بجلی جلنے پر چونک کر اٹھ بیٹھے " کیا ہے ٹیبا ـــــ؟"
اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انھیں چپ رہنے کا اشارہ کیا، کئی منٹ
کی تلاش کے بعد الماری کے ایک خانے میں دواؤں کا ڈبہ ملا۔ اس نے
شیشی اٹھا کر بجلی کے سامنے کی اور نام پڑھا۔ " ارے یہ تو پیتھیڈین
کی گولیاں ہیں ؟" وہ سوچ میں کھڑی رہی پھر چونکی اور جلدی سے گنگنا پانی
اور دو گولیاں لے کر بھائی کے پاس آئی۔ " لو بھیا یہ دوا کھا لو" انھوں
نے دوا کھالی اور پھر اوندھے لیٹ گئے۔ وہ چپ چاپ بیٹھی ان کی پیٹھ
سہلاتی رہی ـــــ دو چار بار انھوں نے منع کیا پھر خاموش ہو گئے۔
دھیرے دھیرے ـــــ اور کتنے دھیرے! انھیں سکون ہونے لگا،
سانس کی رفتار کم ہوئی، ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہوئے اور آخر ان کو
نیند آ گئی!

اس نے چاروں طرف رضائی اور کمبل لپیٹ دیا، گرم پانی کی بوتل
پاؤں کے قریب کھسکا دی ـــــ تین کا گھنٹہ بجا ـــــ ابھی چار
گھنٹے رات اور باقی تھی!

وہ رضائی پیٹے برابر کی آرام کرسی پر بیٹھی تھی۔ ہاتھ پاؤں بے
سکت! آنکھیں بوجھل اور دل!

ہر قسم کے وہم اسے ستا رہے تھے۔ وہ دعاؤں سے ان آوازوں
کو دبا رہی تھی، دل سے باتیں کر کے اس کی ہٹیلی باتوں کو سننے سے انکار
کر رہی تھی!

" اللہ ضرور ان کو صحت دے گا ـــــ میں ان کی بلائے کر ختم
ہو جاؤں اور یہ اچھے ہو جائیں! یہ تو میرے باپ کے گھر کا چراغ ہے۔

میری ماں کی آرزوں کا مرکز — میری زندگی کا سہارا، میری بھابی کا سہاگ، اپنے بچوں کا عاشق، سرپرست — الہی میرا بھیا سلامت رہے — الہٰی تو ان کے دکھوں کو دور کر دے — ان کے دل کو سکون اور چین دے — ان دونوں میں دوستی اور محبت پیدا کر دے تو تو قادرِ مطلق ہے — تو کیا نہیں کر سکتا — کیا نہیں کر سکتا"

جانے خیالات کی باگ ڈور کب اس کے قبضے سے نکل گئی!

"بابا اور اماں کو کتنا ناز تھا اپنے بیٹے پر — ویسے بابا مجھے زیادہ چاہتے تھے، کبھی ٹیڑھی نظر سے نہیں دیکھا — اور بھیا بے حد کمزور اور زرا سے تھے — ان کے بچنے کی بھی — اللہ اُن کو سلامت رکھے — امید نہ تھی — سب لوگ بھیا پر اوندھے سید ھے پڑے تھے — نانی اماں، خالہ جان، پھوپی اماں، ڈاکٹر اور ڈاکٹرنی۔ اور اماں تو دنیا کی ہر بات بھول گئی تھیں — کہیں سوا مہینے بعد ان کی طرف سے اطمینان ہوا تھا — اور اتنے دن کسی نے میری سدھ بدھ ہی نہ لی — بس بابا اور ظہیر چچا کی بیوی کو فکر تھی کہ میں بچ جاؤں — اور ان دونوں نے ہی ایک مہینے سے زیادہ مجھے شہد اور اوپر کے دودھ پر پالا تھا — ان کو ہی میرے حال پر رحم آیا تھا — کیوں آیا تھا رحم — کیوں نہیں مر جاتے دیا تھا ان لوگوں نے۔ یہ دکھ اٹھانے۔ یہ سب سہنے کے لئے بچا لیا تھا؟

اماں بڑا چلّہ نہائیں اور ان کی گود میں مجھے ڈالا گیا تو — بقول چھوٹی چچی کے۔ اس وقت اُن کو خبر ہوئی کہ کوئی بچی بھی ہے — کہتے ہیں اس قدر خوشی خاندان بھر میں منائی گئی تھی کہ ہفتوں جشن رہا تھا۔ تائے

ابا بے اولاد تھے ــــــ بچا جان کے صرف منجھلے بھیا تھے اس وقت تک ــــــ اور ماموں جان کے بیٹیاں ہی بیٹیاں تھیں ، خالہ جان کی تو شادی بھی نہ ہوئی تھی کہ بچاری گزر گئیں۔ پھوپی اماں اور پھپھوپی کے بہت سارے بچے تھے ــــــ مگر بھائی کی اولاد کا چاؤ ہی اور ہوتا ہے ــــــ بھیا دونوں خاندانوں کی آنکھ کا تارا تھے۔

ہوش سنبھالا تو بابا کے سوا سبھی کو اپنے سے زیادہ بھیا کو چاہتے دیکھا ــــــ مگر اسے کبھی جلن یا حسد نہیں ہوا ــــــ وہ خود بھیا کو اتنا چاہتی ہے ــــــ وہ ہیں ہی ایسی چیز کہ سب ان سے محبت کریں۔ یہ تو بابا کی عنایت ہے کہ وہ اسے بھیا سے زیادہ چاہتے ــــــ یا ظاہر کرتے کہ بھیا سے زیادہ وہ اُسے چاہتے ہیں۔

اور پھر خالہ امی ــــــ جب سے وہ آکر رہیں تو سب کی محبت کو انھوں نے پیچھے ڈال دیا ــــــ لگتا حمرا اماں کی بیٹی ہے اور ہم دونوں خالہ امی کے بچے ہیں ــــــ اماں کے ہمارے بعد کبھی کئی لڑکے ہوئے مگر کوئی زندہ نہ بچا ــــــ شاید اسی لئے اماں بھیا پر یوں واری نثار رہتیں۔

"اماں ــــــ اماں ــــــ اتنا چاہتے ہوئے بھی ــــــ آپ نے یہ کیا کیا ــــــ کیا کیا یہ آپ نے "

اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

"محبت کے کیا یہ معنی ہیں اپنی اولاد کو ضد یا آن کی بھینٹ چڑھا دیا جائے؟

"یہ کیسی محبت تھی کہ ان کو مجبور کر کے جذباتی دباؤ ڈال کر

شادی پر راضی کیا ـــــ آپ یہ کیوں نہیں جانتی تھیں کہ بے مرضی کی شادی راس نہیں آتی ـــــ کیا بھیا انکار نہ کر چکے تھے؟ مگر ابا کے بعد آپ نے اپنی محبت کا ایسا دباؤ ڈالا ـــــ اور آنٹی ـــــ اللہ ان کو بخشے انھوں نے کس کس طرح پھندے ڈھیلے کر کے کسے ـــــ کہ بھیا اس جال میں پھنس گئے!

"عمرا میں کیا برائی تھی؟؟ دونوں کا مزاج اور طبیعت کتنی ملتی جلتی ہے ـــــ دونوں بچپن کے ساتھی اور دوست تھے ـــــ مگر ہائے ـــــ کتنا غلط فیصلہ کیا آپ نے!"

اس نے آہستے سے اٹھ کر بھیا کے ماتھے کو چھوا ـــــ ہلکا ہلکا پسینہ آرہا تھا ـــــ پاؤں اب سرد نہ تھے ـــــ گرم پانی کی بوتل ٹھنڈی ہو چکی تھی ـــــ اس نے وہ ہٹائی اور پیر رضائی سے ڈھک دیئے!

"بھیا نے اماں کی بات مانی ہی نہیں نبا ہی بھی تو ـــــ اپنی سی تو کوئی کسر انھوں نے اس شادی کو کامیاب بنانے میں نہیں چھوڑی۔ کبھی اپنے کسی فرض سے غفلت نہیں برتی ـــــ ذمہ داری سے منھ نہیں موڑا ـــــ بیوی کو عزت دی، آرام دیا۔ بچوں کو پیار دیا اعلیٰ تعلیم دلائی ـــــ کیا نہیں کیا میرے بھیا نے؟ کیا نہیں دیا انہوں نے بیوی اور بچوں کو؟

"ہائے کیا یہ تقدیر ہی کا چکر نہ تھا ـــــ رضوانہ تو کسی گھرانے میں بھی کھپ سکتی تھی کہیں بھی خوش رہ سکتی تھی۔ خوب صورت، امیر ماں باپ کی بیٹی ـــــ پڑھی لکھی ـــــ پھر ـــــ

"پھر کیوں قسمت نے یہ اجتماع ضدین کیا ـــــ کیوں کیا خدایا!
آخر کیا بات تھی؟ ان میں کیوں نہ بنی؟ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ نبھی نہیں ـــــ نباہ تو دونوں ہی نے کیا مگر خوشی اور سکون ایک کو بھی نہ ملا؟

پر بھابی ـــــ؟

وہ تو بھیا کو پسند کرتی تھیں۔

آخر انھوں نے کیوں زندگی کو کامیاب بنانے کی جدو جہد نہ کی ـــــ؟ اس کا ڈر تو بھیا سے تھا۔ بھابی کو تو بھیا کی خاطر اپنا مزاج اور عادتیں بدلنی چاہیں تھیں۔

اپنے خیالات، رہن سہن، اپنی طبیعت کو ان کی پسند کے سانچے میں ڈھالنا چاہیے تھا۔

ہر چاہنے والی بیوی کم و بیش یہی کرتی ہے!

ہر عورت کے سکھ کا اسی پر دار و مدار ہے۔

یہ تو عورت کی تقدیر ہے!

یہ تو اس کی فطرت ہے۔

اس کی گھریلو خوشی اور قلب کے سکون کا راز ہے!

اس کی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار اسی جدو جہد پر ہے۔

ہاں آج کی لڑکیاں ضرور یہ سوچنے لگی ہیں کہ یہ عورت کی توہین ہے، اس کی شخصیت، اس کی خودداری کو کچلنے کی سازش ہے ـــــ عورت کیوں بدلے ـــــ مرد کیوں نہ اپنے کو بدلے۔

مگر کیا یہ حقیقت ہے کہ اس سے عورت کی ذلت ہوتی ہے؟

اس کی خودی کچلی جاتی ہے؟

کیا یہ قانونِ قدرت کے خلاف ہے؟

یہ کہنے والیاں بھی تو زندگی سکھ سے نہیں کاٹ رہی ہیں!!

پھر ہمارا زمانہ۔ بھابی کا، حمرا کا زمانہ تو اور تھا اس وقت عورت ہی کا یہ فرض سمجھا جاتا تھا ــــــــ اس وقت تو ہر عورت کا یہ عقیدہ تھا کہ اسے اپنے کو شوہر کی خوشی اور پسند کے سانچے میں ڈھالنا ہے! عورت کو اپنی شخصیت کو ابھارنے، نکھارنے، اپنی اہمیت منوانے اور خاندان میں اپنا مقام بنانے کے اصول دوسرے ہیں، جبے اور ہیں۔

مگر افسوس جہالت یا خود پرستی یا بے وقوفی اسے بے خبر رکھتی ہے یا پھر وہ انھیں استعمال کرنا نہیں جانتی!

کہ وہ اپنے کو بدل کر دوسرے کو بدل سکتی ہے!

اپنے کو نچھاور کر کے دوسرے کو اپنا بنا لیتی ہے۔

اس میں اس کی ذلت نہیں عزت ہے!

کیا میری ماں، رضوانہ کی ماں، میری اور اس کی دادی اور نانی اور خالہ اور پھوپی اپنے کو اپنے شوہروں کا مزاج داں نہ بنایا تھا؟

کیا ان کی زندگیاں پرسکون اور مسرور نہ تھیں!

کیا ہر سکھی گھرانے کے سکھ کا راز زیادہ تر عورت کی سمجھ داری اور کوشش میں پنہاں نہیں ہے؟

کیا ناکام اور دکھی خاندانوں کی تباہیوں کے پیچھے اکثر عورت کی ضد، اکثر یا بدبختی کا ہاتھ نہیں ہوتا؟

کیا میں نے اس راہ کے کانٹے نہیں چنے؟ اس راستے کے پتھروں کے زخم نہیں کھائے؟ کیا حمرا نے ایک ایسے شخص کی خاطر جو کسی طرح

اس کا اہل نہیں تھا ہر دکھ نہیں جھیلا ——— متضاد مزاج، معیار، اخلاق، خیالات کے باوجود ——— نباہ نہیں کر رہی۔

آہ! کتنا پیارا جوڑا ہوتا یہ ——— یہ دو دلکش شخصیتیں مل کر کیا ہو جاتیں ——— ان کی زندگیاں سورگ ہوتیں ——— سورگ!"

اس نے زور سے سر کو جھٹکا دیا ——— یہ کیسے خیالات ہیں، کیسی باتیں ہیں ——— اس نے تو سالہا سال گزر گئے ——— ان باتوں کو سوچا کبھی نہ تھا ——— اب کیوں وہ ناممکن باتوں کا دھیان کر رہی ہے!

"یا اللہ بھیا کی طبیعت ٹھیک ہو جائے!"

شاید وہ سو گئی تھی! قدموں کی چاپ سے چونک پڑی کھڑکیوں کی ریخوں سے صبح کا اجالا جھانک رہا تھا، اور ریفر و چاچا ہاتھ میں چائے کی پیالی پکڑے اس سے سرگوشی کر رہے تھے۔"زہرا بیٹا ——— چائے پی لو ——— ساری رات بیٹھے بیٹھے بتادی ——— تم نے ——— اب، ——— اس دوائی کے بعد تو بھیا مجے میں سو رہے ہیں نا ———" آج ان کے پوپلے منھ کی مضحک سی ہنسی جانے کہاں غائب تھی۔

اس نے چائے کی پیالی لے لی "چاچا تم نے بڑی تکلیف کی ———" بھیّا کا چہرہ کھلا تھا۔ ہونٹ سوجے اور چہرہ سفید ——— مگر اس وقت سکون کی نیند سو رہے تھے۔

کہیں دور سے موٹر کے ہارن کی آواز آئی۔

"یہ موٹر اتنے سویرے کس کی آگئی؟" اس نے سوچا اور ریفر و چاچا کو اپنی کرسی پر بٹھا کر نماز پڑھنے کے لئے باہر نکل آئی ——— صحن کا دروازہ کھلا اور....

"ارے حمرا تو ——" اور وہ اس سے لپٹ گئی۔

"ارے باجی —— آپ کو کیا ہوا ہے؟"

حمرا نے گھبرا کر کہا

"بھیا —— بھیا کی طبیعت رات سے بہت خراب ہے ہمی۔"

حمرا کو لگا زمین ہولی ہے اور اس کے پاؤں اندر دھنسی رہے ہیں!

"ہمی —— ہمی پیاری —— گھبراؤ نہیں —— اب تو وہ بہتر ہیں —— سو رہے ہیں —— ان کی جان کی قسم اب وہ پہلے سے بہت بہتر ہیں ——" حمرا کے بے رنگ چہرے پر پھر زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔

"یہ تو کیسے اتنے سویرے آ گئی"

"ارے —— ہاں باجی ——" وہ چونک پڑی ـ "شکر ہے بھیا اب اچھے ہیں —— باجی میں —— میں ڈاکٹر کو لائی ہوں۔"

"تم ڈاکٹر کو لائی ہو؟؟" حیرانی، خوشی، اطمینان سے اس کی زبان لڑکھڑا گئی —— "کیا الہام ہوا تھا؟"

"وہ باہر کھڑے ہیں —— میں بلانے جاتی ہوں —— آپ بھیا کو دیکھئے —— شاید جاگ گئے ہوں ——"

علی میاں سو رہے تھے، نصرو چاچا اونگھ گئے تھے۔ زہرا نے اپنے ملگجے کپڑوں پر گرم سلیٹی چادر لپیٹ لی اور دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ نماز بھی یاد نہ رہی۔

ایک ہاتھ میں حمرا کی اٹیچی دوسرے میں ڈاکٹر کا بیگ لئے عمران آتا دکھائی دیا۔ "ارے بیٹا —— تم بھی آ گئے۔"

ہاں پھپھو ——— ابا کیسے ہیں میرے ؟"

"اب تو ٹھیک ہیں ۔"

"کیا ——— کچھ ——— ان کی طبیعت خراب تھی ———؟" گھبرا کر عمران نے پوچھا۔

"ہاں ——— رات کھانسی اور سانس کی تکلیف بہت رہی ۔" ڈاکٹر کو آتے دیکھ کر وہ اُدھر متوجہ ہو گئی۔

تینوں جا کر دالان میں بیٹھ گئے جو اب ڈرائینگ روم کی طرح سجا ہوا تھا ——— بھیا اپنے شوق کی خریدی چیزیں یہاں بھی ساتھ لائے تھے اور اس وسیع دالان کو پردے وغیرہ ڈال کر بیٹھنے اور کھانے کا کمرہ بنا لیا تھا۔ جس کی وہ اپنے ہاتھ سے صفائی کرتے تھے۔

"ڈاکٹر چچا ——— یہ میری باجی ہیں زہرا باجی یہ میرے بڑے پیارے چچا ہیں ———"

"تمہارا چچا ——— نہیں ——— انکل ہوں۔ اور جب تمہارا ہوں تو تمہاری باجی کا بھی انکل ہوا ———"

"انکل نہیں چچا ———"

"نہیں انکل ——— دیکھو تو بیٹی ——— اس کا انکل بیس برس ولایت میں گھاس کھودتا رہا تھا کیا کہ یہ اسے اب بھی چاوا چچا کہتی ہے ۔"

انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ زہرا نے ہاتھ سے سلام کیا مگر اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"اس قدر حیران نہ ہو زہرا باجی ——— اچانک ضرور آن ٹپکا

ہوں مگر تمہاری اس بہن کو بیس برس سے جانتا ہوں ـــــ اس کے باپ سے کھایئوں جیسے تعلقات ہیں ـــــ میں نے ہی انھیں لعنت ملامت کر کے ہندوستان بھیجا تھا۔ بیٹی کو لینے کے لئے ـــــ میں نے ہی راضی کیا تھا کہ اِسے اکسفورڈ میں تعلیم دلائیں ـــــ معاف کرنا حمرا ـــــ تمہیں اس انکشاف سے دکھ تو نہیں ہوا ـــــ" وہ ایک دم حمرا کی طرف پلٹے۔

"میں جانتی ہوں چچا۔ پاپا نے خود مجھے بتایا تھا۔" حمرا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"جب اُس کے سر میں پاکستان کا سودا سمایا تو میں نے بہت منع کیا۔ گر وہ مجھ سے کھچا کھچا رہنے لگا ـــــ ہندو تھا نا میں۔ اور پھر اس بیوقوف لڑکی نے اس احمق سے بیاہ کر لیا ـــــ" وہ زور سے ہنسے۔ "ویسے میں پیار میں احمق کہہ رہا ہوں۔ بھلا اس سے زیادہ عقلمند کون ہوگا جو ایسی پیاری لڑکی کو اپنا بنائے۔"

وہ ہنس رہے تھے ـــــ زہرا بجائے ان کی باتیں سننے کے بھیا کے بارے میں سوچ رہی تھی اور حمرا خلا میں کچھ دیکھے جا رہی تھی۔

"مریض کہاں ہے ؟" اچانک انھوں نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

ڈاکٹر مریض کو مریض نہیں تو اور کیا کہے گا۔ اب اس حماقت کا کیا علاج کر زہرا اپنے بھیا کے لئے یہ لفظ کبھی نہ سن سکی تھی۔

"بھیا ابھی سو رہے ہیں ـــــ" آہستہ سے اس نے کہا۔

"حمرا نے کچھ حال تو مجھے رستے میں بتایا تھا۔ کیا رات زیادہ طبیعت خراب ہو گئی تھی ؟"

زہرا نے سب حال سنایا

"بہت اچھا ہوا کہ گولیاں موجود تھیں۔ اور یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے کہ میں اچانک آ گیا۔" وہ کچھ سوچ رہے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب۔ کیا آپ آگرے ہی میں رہتے ہیں؟" اُسے خیال آیا کہ حمرا نے ان کا نام تک نہیں بتایا ہے۔ "انگلینڈ سے آنے کے بعد دو تین سال پونا رہا۔ کئی سال بمبئی میں کام کیا پھر ایک دلچسپ حادثہ ہوا۔ میں خود دل کا مریض ہو گیا۔ بمبئی کی آب و ہوا اور زندگی مجھے راس نہ تھی ——— واہ کیا شہر ہے ——— بمبئی بھی ——— ریس، کلب، فلم، ڈانس، کیتھیٹر، ہنگامہ، سکون ——— غریبی، بے کاری، بے گھری ——— دولت کے انبار، واہ ——— بھئی ——— میں اس سے متفق ہوں کہ بمبئی شہر نہیں۔ عادت ہے عادت ——— مگر میں اس کی عادت نہ ڈال سکا ———" وہ پھر زور سے ہنسے!

" اب کئی سال سے آگرہ اپنے وطن میں رہتا ہوں ——— شاہ جہاں کے پہلو میں ——— چند گھنٹے پریکٹس کرتا ہوں ——— بس ایک بڑی بی ہیں جو رام رام جپا کرتی ہیں۔ اور ہم خالی وقت تاج کا نظارہ کرتے ہیں یا آوارہ گردی۔ اور اسی آوارہ گردی کی بدولت میری یہ نٹ کھٹ لڑکی برسوں بعد مجھے مل گئی ——— آہ کیا شعر کہہ گیا ہے ظالم!

اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا

بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

زہرا بے اختیار ہنس پڑی۔ مگر حمرا خاموش تھی۔

" حمرا ——— زرا ڈاکٹر انکل کے لئے چائے کے لئے تو کہہ دو ———"

حمرا اٹھی ڈاکٹر نے کہا " دیکھا ——— سعادت مند بھتیجیاں ایسی ہوتی

ہیں — ایک تم ہو — بیس برس سے سر مار رہا ہوں کہ اکمل کہا کرو، مگر ایسی موٹی عقل ہے کہ — ما حمرا بے دلی سے مسکرائی اور باورچی خانہ کی طرف چلی گئی۔

"شیودیال نام ہے — مسرا مسرا کہلاتا ہوں — اردو ادب کا عاشق ہوں — مریضوں سے زیادہ تیمار داروں سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ تمہارے بھائی کو بے دیکھے ہی ان سے الفت ہو گئی ہے۔ حمرا جس کی اتنی تعریف کرے — وہ آسانی سے کسی سے متاثر نہیں ہوتی ہے۔ وہ ضرور عظیم ہو گا — اور تمہارے بھائی سے بھی زیادہ تم سے محبت ہو گئی ہے!

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے"

حمرا چائے کی کشتی لئے داخل ہوئی اور بے اختیار ہنس پڑی!

"زہرا باجی میرے ڈاکٹر چچا کی باتوں پر خفا نہ ہو جائیے گا۔ ان کو جس وقت کوئی اچھا شعر یاد آجائے بے پڑھے نہیں مانتے — اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حسب حال ہے بھی یا نہیں۔"

ڈاکٹر مسرا اور زہرا مسکرانے لگے۔ ان باتوں سے فکر کے بادل ذرا دیر کو چھٹ گئے۔

"چائے بناؤ بیٹی — اور ذرا وہ بسکٹ بھی اِدھر دیدو — ہاں بہت بھوکا ہوں — تو بھئی — ہم اس دن چاندنی رات میں تاج دیکھنے گئے تھے — بڈھے ہیں تو کیا ہوا — دل تو جوان ہی ہے! بڑی بی آنا کانی کر رہی تھیں — سست ہیں بچاری

مگر ہم نے کہا یہ غلط بات ہے، بغیر تمہارے تاج کی سیر کا لطف کیا خاک آئے گا۔ پھر کون جانے ہمیں کبھی تمہارے لئے تاج بنوانا پڑ جائے ـــ کبھی ہم اس کے بالکل قائل نہیں کہ ۔

اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

سبحان اللہ ـــ محبت کا مذاق!! کوئی محبت کا مذاق اڑا سکتا ہے بھلا اس کائنات میں ؟؟ ہمیں تو اس میں ہر طرف محبت ہی محبت کا جلوہ نظر آتا ہے ـــ تاج محل ـــ ہنھ ـــ یہ تو پھر بھی اینٹ گارے پتھر جواہرات، سونے چاندی سے بنا ہے۔ مانا کے بہت خوبصورت ہے مگر کیا محبت کا صرف یہ ایک ہی تاج محل ہے اسی دیس میں۔ نہیں نہیں ـــــــــــــــــــــــــــــــ ارے کبھی تم بھی تو کچھ کھاؤ ـــ زہرا باجی ـــ ارے ہمارے ادب میں 'شعر میں'، موسیقی میں، سنگ تراشی میں جانے کتنے تاج ڈھل گئے ہیں ـــ اور جناب بے گنتی تاج محل بنے ہیں دل کے نہاں خانوں میں ـــ عورتوں کے دلوں میں ـــ اس تاج سے زیادہ نازک زیادہ سندر ـــ زیادہ سڈول ـــ لافانی ـــ امر تاج محل"

زہرا مسحور ہو کر ان کی باتیں سن رہی تھی!

"زہرا باجی اگر ڈاکٹر چچا کی شاعری سنتی رہیں تو دن اسی میں بیت جائے گا....."

"پھر چچا کہا" ڈاکٹر غرائے۔

"بس ہوا یہ کہ میں، بڑی اور چھوٹی بھابی اور بچے سب تاج کی سیر

کو گئے تھے ـــــ وہاں ایک بنچ پر ڈاکٹر چچا آنٹی کے پہلو میں شاعر کا سا حلیہ، مجنوں کی سی صورت بنائے تاج کو گھور رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر مجھ پر پڑ گئی .....‘‘

’’پھر بھلا میں کہاں چھوڑنے والا تھا اپنی اس بے مروّت بھتیجی کو۔ لاکھ وزیر صاحب کی بیوی نے کہا، مگر میں نہیں مانا ـــــ بھلا میرے ہوتے یہ کسی اور کے ہاں کیسے ٹھہر سکتی تھی!‘‘

’’اگلے دن میں اور عمران ڈاکٹر چچا کے گھر آ گئے ـــــ وہ بھی تو وہاں گھبرا رہا تھا ـــــ بلکہ سب لڑکے لڑکیاں اور خود بھابی اس سے خفا بھی ہو گئے ـــــ اور پھر انکل نے سیر کرا کرا کے مار ڈالا مجھے ـــــ‘‘

’’مگر یہاں آپ لوگ کیسے اچانک ـــــ‘‘

’’اصل میں میرا جی گھبرا رہا تھا۔ آپ اکیلی ہیں۔ بھیا بھی اس دن بہت سست تھے۔‘‘

’’اور جب اس لڑکی نے واپسی کا ارادہ کیا تو ہم نے کہا بھئی ہم بھی اس تاریخی مقام کی سیر کریں گے جس میں ایسی ایسی لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس نے تو جنت کا نقشہ کھینچ دیا تھا نا ـــــ اور پھر اس کے بھیا اور باجی کی تعریفیں بیس برس سے سنتا آ رہا ہوں!‘‘

’’اور ـــــ‘‘ وہ ذرا کی ذرا رکے ـــــ ’’اور جب چلنے لگا تو تو اپنا بیگ بھی ساتھ رکھ لیا ـــــ بھئی سپاہی کی تلوار اور فن کار کا قلم ـــــ ہمیشہ اس کے ساتھ رہنا چاہیئے!‘‘

’’آپ بہت اچھے وقت آ گئے ڈاکٹر انکل ـــــ بھیا کی طرف سے میں رات بھر پریشان رہی ہوں ـــــ میں ـــــ میں ذرا بھیا کو تو

دیکھوں ـــــ" گھبرا کر زہرا سب چھوڑ چھاڑ۔ بھیا کے کمرے کی طرف لپکی۔

علی میاں غسل خانے سے منھ ہاتھ دھو کر واپس آ رہے تھے ـــــ" کیوں اٹھے تم ـــــ مجھے آواز کیوں نہیں دی۔ نصرو چاچا تم عجیب آدمی ہو ـــ کہا تھا کہ بھیا اٹھیں تو مجھے بلا لینا ـــــ جاؤ جلدی سے گرم دودھ لاؤ بھیا کے لئے!"

"اچھا ڈکٹیٹر ـــــ اچھا ـــــ مگر دودھ نہیں چائے یا کافی منگاؤ۔"

ان کی آواز کمزور تھی، چہرہ پر تھکان اور زردی تھی مگر ہونٹوں پر وہی دلنشیں مسکراہٹ!

"پہلے دودھ پی لو ـــــ پھر ڈاکٹر صاحب کے دیکھنے کے بعد چائے کافی جو کہو گے ...."

"ڈاکٹر؟ کون ڈاکٹر ـــــ وہ ٹٹ پونجیا ڈاکٹر جگو ـــــ بے وقوف وہ تو کمپونڈر بھی نہیں ـــــ پانی کے انجکشن لگاتا ہے ـــــ گھٹیا قسم کے سلفا وغیرہ دے کر غریبوں اور جاہلوں کو لوٹتا ہے ـــــ ان کی جانیں لیتا ہے ـــــ" غصّے سے بھیا نے کہا" ایسے علاج سے تو بے علاج بھلے ـــــ"

"تو یہ بھیا میں اُس گھامڑ کو بلاتی ـــــ یہ تو حمرا کے کوئی انکل ہیں جنھیں وہ لائی ہے ـــــ"

"حمرا لائی ہے ـــــ کیوں ـــــ؟"

"آگرے میں اُسے مِل گئے تھے ـــــ اُسے چھوڑنے وہ یہاں چلے آئے ـــــ"

اس وقت ڈاکٹر مسرا اپنی شفاف چاند پر ہاتھ پھیرتے مصنوعی دانتوں کی نمائش کرتے کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کا چھوٹا سا قد، گہرا سانولا رنگ، سفید چندیا اور سفید مونچھیں! عجیب امتزاج تھا۔ مگر جب ہنستے اور باتیں کرتے تو ان کی دلچسپ، دلکش، پُرخلوص شخصیت کا سارا حسن ان کی بڑی بڑی ذہین آنکھوں میں کھنچ آتا تھا۔

علی میاں اٹھنا چاہتے تھے کہ انھوں نے لپک کر لٹا دیا اور ان کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"نہیں صاحب —— یہ تکلفات ڈاکٹر سے نہیں چلتے۔ پھر میں ٹھیرا حمرا کا انکل —— یعنی —— تمہاری اس بہن —— زہرا باجی کا انکل۔ اور اس رشتے تمہارا بھی انکل ہی ہوتا ہوں نا؟"

"اس رشتے سے آپ میرے بڑے بھائی ہوئے۔ بھائی صاحب" علی میاں نے مسکرا کر کہا۔

"خوب خوب —— بہت خوب —— بڑے بھائی صاحب۔ بے شک، بے شک۔ ہاں تو چھوٹے بھائی صاحب —— میں کہہ یہ رہا تھا کہ میں تکلف سے بہت گھبراتا ہوں —— کہ وہ جو کسی نے کہا ہے۔
تکلف میں ہے تکلیف سراسر! میں اُس کا قائل ہوں۔"

یہ کہتے کہتے وہ نصرو چاچا والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

علی میاں نے دیکھا حمرا ایک طرف خاموش کھڑی ہے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ اس کی طرف دیکھ کر مُسکرائے۔ "یہ چڑیل سلا کی ایسی ہی ہے" اور یہ سن کر حمرا کی جان میں جان آگئی۔ نہیں طبیعت خدانخواستہ زیادہ خراب نہیں ہے۔

"خدا کی قسم بھیا ـــــ ڈاکٹر چچا کو تو میں نے بیس برس پہلے ہی آپ کی جھوٹی جھوٹی تعریفیں کر کے آپ کا مشتاق بنا دیا تھا ـــــ یہ تو آپ سے ملنے آئے ہیں ـــــ"

علی مسکرائے "اور یہ بیگ ؟"

"یہ بیگ ـــــ اس میں تو ان کی جان ہے۔ جیسے بعض دیویوں کی جان کسی ڈبیا یا پرندے میں ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر مسرا نے زور کا قہقہہ لگایا۔ "ہاں ـــــ جان ہے تو جہان ہے پیارے"، یہ کہتے کہتے انھوں نے جھک کر اپنا بڑا سا بیگ کھولنا شروع کیا۔

"ڈاکٹر صاحب ـــــ وہ ـــــ انکل ـــــ بھیا پہلے ذرا سا دودھ پی لیں ؟" زہرا نے پوچھا۔

"ہاں ہاں ضرور ـــــ مگر ـــــ ان کے نسخے وغیرہ مجھے لا دو۔"

زہرا نے علی میاں کے سب نسخے ایکسرے وغیرہ الماری میں سے نکال کر انھیں دیدیئے۔ علی میاں خاموشی سے کبھی ڈاکٹر کو دیکھتے کبھی بہن کو ـــــ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خوف زدہ ہوں کہ ان کا راز ڈاکٹر کھول نہ دے۔

"خواتین اب آپ باہر تشریف لے جائیے ـــــ میں عورتوں کی موجودگی میں مردوں کا معائنہ کر کے ان کی بے پردگی نہیں ـــــ ارے۔ ارے معاف کرنا ـــــ مذاق کی بہت بری عادت پڑی ہے ـــــ بھول گیا کہ یہ دونوں تمہاری بہنیں اور میری بھتیجیاں ہیں ـــــ ہاں عمران بیٹے آپ یہاں ٹھہر سکتے ہیں ـــــ اور میرے اسسٹنٹ کے

فرائض انجام دے سکتے ہیں۔

حمرا اور زہرا کمرے کے باہر ایک کھٹولے پر بیٹھ گئیں۔ ناشتہ پڑا ٹھنڈا ہوتا رہا۔

"کیا ڈاکٹر صاحب سچ مچ خود ہی آئے ہیں؟" زہرا نے پوچھا۔

حمرا ذرا دیر چپ رہی۔ "باجی بات یہ ہے کہ میں برابر دیکھ رہی تھی کہ بھیا کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ رات رات بھر بیٹھے یا ٹہلتے گزر جاتی ہے ـــــ ہاں باجی میں بھی تو اب رات کو بہت کم سوتی ہوں۔ کھانسی کی شدّت بڑھتی جاتی ہے سانس کتنا پھولتا ہے۔ اسی لئے میں آگرہ چلی گئی تھی کہ وہاں سے کسی ڈاکٹر کو لے کر آؤں گی۔ خدا کا کرنا کہ ڈاکٹر چچا مل گئے۔ وہ تو مجھے وہاں روک رہے تھے۔ چاچی کسی طرح آنے نہیں دیتی تھیں ـــــ بڑی اچھی ہیں میری چاچی ـــــ صورت میں بالکل مسرا چاچا کا الٹ ہیں۔ لمبی چوڑی گوری چٹی۔ سیرت میں بھی مختلف۔ خاموش سنجیدہ۔ مگر محبت اور خلوص میں دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر ـــــ ہاں تو باجی ـــــ کیا کہہ رہی تھی میں ـــــ؟"

زہرا حیران اُسے دیکھ رہی تھی۔ یہ آج اتنا کیوں بول رہی ہے؟

"میں نے بھیا کا حال ڈاکٹر چاچا کو بتایا تو بچارے خود ہی اصرار کرنے لگے کہ فوراً چلو ـــــ ارے بھئی آدھی رات سے اٹھا کر بٹھا دیا۔ ہر بات میں بے صبری اور جلدی ہے ان کو تو۔"

"بھابی کا کچھ معلوم ہے کب آئیں گی؟" زہرا کے دل میں خلش تھی کہ بھیا کو اس وقت ان کا اور نگین کا موجود نہ ہونا دکھ دے رہا ہوگا۔

"کیا پتہ! میں تو بس دو ہی دن ان لوگوں کے ساتھ رہی۔ پھر چاچا اپنے گھر لے گئے۔ بھابی کو بہت برا لگا۔ ان کی بھاوجیں اور بہنیں تو فقرے کستی رہیں۔ مگر تو یہ میرا تو وہاں دم گھٹتا تھا باجی ——— عمران کو پتہ چلا کہ میں واپس جا رہی ہوں تو وہ بھی ضد کر کے آ گیا کہ بابا اکیلے ہیں میں جا رہا ہوں۔ یہ اور بھی بھابی کو ناگوار ہوا ——— ۔۔۔ ہی کہہ رہا تھا کہ ممی دس پندرہ دن رہنے کو کہہ رہی تھیں ———"

"ہوں ———" اور پھر گہری خاموشی چھا گئی ——— دونوں کے دل بری طرح دھڑک رہے تھے ——— جانے ڈاکٹر صاحب کیا تشخیص کریں۔

کوئی گھنٹہ بھر بعد عمران نے دروازہ کھولا ——— عمران کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ ڈاکٹر مسرا جھکے ہوئے اپنا سامان بند کر رہے تھے اور علی میاں کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے لیٹے تھے۔

زہرا بھیا کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ حمرا دروازے ہی میں کھڑی رہی۔

"بڈھا ہو گیا ہوں اب زرا سی دیر میں تھک جاتا ہوں" ڈاکٹر ہنسے

"زرا سی دیر؟ آپ نے گھنٹہ بھر اپنے کو تھکایا ہے" علی میاں کی آنکھوں میں تشکر بھی تھا اور تحسین بھی۔

"ارے بھائی ڈاکٹر کے لئے گھنٹہ بھر تو کچھ بھی نہیں ——— چھ چھ آٹھ آٹھ گھنٹے مریض دیکھا کرتا تھا اور نہیں تھکتا تھا۔ مگر اب تو دل کا مریض ہوں"

"آپ دل کے مریض ہیں؟ یعنی عیسے آپ بیمار رہے؟" علی میاں نے زرا مسکرا کر کہا۔

"چھوٹے بھائی صاحب یہ دل چیز ہی ایسی ہے۔ جوانی میں حسین پریاں اسے روگ لگاتی ہیں ——— ادھیڑ عمر میں بیوی اس پر قابض ہو کر حلیہ بگاڑ

ڈالتی ہے۔ اور بدمزاج چڑچڑی بیویاں تو مستقل روگ لگا دیتی ہیں۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب زور سے ہنسے مگر کسی نے ان کے ساتھ نہیں دیا۔ علی میاں کی گہری خاموشی، زہرا کے چہرے کے بدلتے رنگ، عمران کی کھسیاہٹ اور نصرو چاچا کی "ہائیں ہیں" وہ کسی کو نہ سمجھ سکے۔ مگر فضا کے بوجھل پن کو کم کرنے کے کچھ نہ کچھ بولنا ضروری تھا۔

"ارے حمرا ــــ دروازے پر کھڑی کھنسوئیاں کیوں لے رہی ہے؟ دیکھ اپنی چاچی کے کان میں نہ ٹھسکا دیجو کہ وہ میری جان کو آ جائے۔ یونہی لڑتی رہتی ہے کہ میں اسے بدنام کرتا رہتا ہوں ....."

اب بھی سب چپ تھے۔ بس حمرا زبردستی مسکرائی اور آگے بڑھ کر کرسی کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"بہت چاہتی ہیں تمہاری بہنیں تمہیں؟" ڈاکٹر نے مسکرا کر علی میاں سے کہا۔ تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر جذبات کی شدت نے زبان بند رکھی۔

"ارے میاں یہ بہن بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ رحمت بھی زحمت بھی۔ پیاری اتنی لگتی ہے کہ دل چاہتا ہے دل میں چھپا لو۔ ستاتی اتنا ہے کہ جی چاہتا ہے گلا گھونٹ دو ــــ چاہتی اتنا ہے کہ اپنی جان بھی بھائی پر دیدے اور حرکتیں ایسی کرتی ہے جیسے۔ ارے ارے بھتیجی تمہیں کیا ہوا ہے؟"

زہرا کی آنکھوں سے لڑھکتے آنسوؤں پر وہ گھبرا گئے!

"یہ تو باولی ہے ڈاکٹر صاحب!" علی میاں نے کہا اور بہن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر دبا لیا۔

اچھا صاحب — اب یہ ناٹک ختم —— علی اصغر صاحب کے لئے بڑھیا ناشتہ لائیے —— انڈا —— توس —— چائے —— دودھ —— تورس۔ نمک ذرا کم ہو —— بلڈ پریشر تھوڑا بڑھا ہوا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب زندگی سے تو نمک نکل ہی چکا —— کھانے میں بھی نہ رہے تو —— تو —— پھر کیا باقی رہ جاتا ہے ——" درد کو تمسخر میں ڈبوکر علی میاں نے کہا۔

"بہت کچھ رہ جاتا ہے چھوٹے بھائی صاحب ۔ بہت کچھ ۔ میں نے تو برسوں سے نمک نہیں کھایا۔ پھر بھی محسوس کرتا ہوں کہ بہت سی راحتیں دنیا میں موجود ہیں۔ سکون وراحت جو پیاروں کی محبت میں ملتا ہے، مطالعہ کی خوشی جو اچھی کتابوں کے پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے ۔ اسی حسین دلکش دنیا کے نظارے کی مسرت جو قدرتی مناظر اور انسانی صناعی سے نصیب ہوتی ہے۔ کچھ کرنے ، کسی کے کام آنے ، کسی کو چاہتے اور چاہے جانے کا روح پرور احساس ۔ اور پھر ۔ جیسے خدا پر عقیدہ ہو۔ ایمان وعقیدے کی دولت جس کے پاس ہو۔ وہ تو کبھی مایوس ہوتا ہی نہیں ۔ اور آپ کا چہرہ اور آنکھیں بتا رہی ہیں کہ یہ بے بہا خزانہ آپ کے سینے میں موجود ہے۔ میں آپ کو مسرور ، امید پرور ، بے فکر دیکھنا چاہتا ہوں علی اصغر صاحب اور آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں بڑا سخت گیر معالج ہوں ۔ جو کہتا ہوں اس کی پابندی بھی مریض سے کراتا ہوں ۔" بچوں کی طرح منہ بنا بنا کر ڈاکٹر یہ سب کہتے رہے ۔

"مسرت —— سکون !! راحت !!!" منہ منہ میں علی میاں نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔

عمران باہر جا چکا تھا —— علی میاں نے آنکھیں کھولیں ۔

"زہرا —— ڈاکٹر صاحب کو کچھ ناشتہ ناشتہ ....."

"ہاں بھیا ــــــ ابھی ـــــ" وہ جلدی سے اُٹھ کر باہر گئی۔ حمرا بھی اٹھی مگر دروازے کے پاس ٹھٹک گئی!

ان کے جانے کے بعد علی میاں نے آہستہ سے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب آپ نے کیا تشخیص کیا؟"

"پھیپھڑے میں پانی آگیا ہے۔ ایک ہفتے کے رسٹ کے بعد میں آپ کو آگرے لے جاؤں گا اور پانی نکال دیا جائے گا۔ پھر دوائیں تیزی سے اثر کریں گی۔" ڈاکٹر صاحب کی آواز میں اتنا مصنوعی اطمینان تھا کہ علی میاں ہنس پڑے۔

"ڈاکٹر صاحب ــــــ آپ میری بہنوں سے یہی کہیئے۔ مگر میں حقیقت سے بہت دن سے واقف ہوں۔"

"میں نہیں جانتا بمبئی کے ڈاکٹروں نے آپ سے کیا کہا۔ مگر میری تشخیص تو پلوریسی ہی ہے ــــــ یقین مانیئے ایک بار پانی نکل جائے گا تو آپ کو بہت جلدی فائدہ ہوگا ــــــ دیکھیئے ــــــ علی اصغر صاحب! آپ فکر و پریشانی اور اُلجھن کو پاس نہ پھٹکنے دیجیے ــــــ خوب کھائیے ــــــ ہلکا مگر غذائیت دار و صحت بخش کھانا ــــــ میں ان ڈاکٹروں میں نہیں جو مریض کو بھوکا مار کر خوش ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ سوئیے ــــــ نیند کی بہت عمدہ دوا میں آپ کے لئے بھیجوں گا۔ گانا سنیئے ــــــ ریڈیو، ریکارڈ ــــــ گپ شپ کیجیے، مزاحیہ لٹریچر پڑھیے یا سنیئے ــــــ ہلکے پھلکے ناول ــــــ اجی لعنت بھیجیے ٹریجڈی پر ــــــ اپنی ہی زندگی میں کیا کم دکھ ہیں کہ فرضی کرداروں پر اپنے قیمتی آنسو اور جذبات ضائع کئے جائیں ــــــ جناب میرا تو یہی اصول ہے ــــــ دیکھ لیجیے، دس برس سے دل کے سخت مرض کے باوجود اب تک زندہ ہوں!"

علی میاں نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر جوش اور خلوص سے دبایا!

"ڈاکٹر صاحب آپ بڑے خوش قسمت انسان ہیں۔ خدا نے آپ کو اتنی صفات اتنی خوبیاں عطا کی ہیں۔ میری دعا ہے کہ خدا آپ کو بہت بڑی عمر دے کہ آپ کی محبت، خلوص اور خوش مزاجی۔ مردہ دل مریضوں میں جان ڈالتی رہے"

زہرا اور حمرا پھر کمرے میں آگئی تھیں!

"کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں بھیا؟" زہرا جانے کیسے اپنے چہرے پر ایک خول چڑھائے ہوئے تھی!

"بھتیجی صاحبہ —— میرے چھوٹے بھائی صاحب کو خوش رکھیے۔ خوب پھول سجائیے ان کے کمرے میں اسفنج روز ہونا چاہیے۔ خوب ہنسیں —— خوش رہیں ——"

علی میاں کی آنکھوں میں کرب، چہرے پر مجروح احساس اور لبوں پر بے بس مسکراہٹ پھر ابھر آئی تھی۔

"یہ سوچتے بہت ہیں ڈاکٹر انکل" زہرا نے آہستہ سے کہا۔

"سوچنا بالکل منع ہے ——" ہنس کر ڈاکٹر صاحب نے کہا پھر فوراً سنجیدہ ہو گئے۔

چھوٹے بھائی صاحب —— آپ پریشان نہ ہوں —— یہ مردوں کی شان کے خلاف ہے۔"

علی میاں ہنس پڑے —— آنسوؤں میں ڈوبی ہنسی!

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ڈاکٹر صاحب —— میں اپنی صحت کی وجہ سے پریشان نہیں —— مجھے مرض اور اس کا انجام خوب معلوم ہے —— میں تو اپنی ان دیوانی بہنوں اور بچوں کی وجہ سے ——" ان کی آواز ٹوٹ گئی!

"چھوٹے بھائی صاحب —— اگلے ہفتے میں آپ کو لینے آؤں گا ——

اجی علاج ولاج کیا اس بہانے ہم آپ مل کر تاج کی سیر کریں گے --- ہائے ہائے ظالم کیا شاہ کار تصنیف کر گیا ہے ۔ مگر یہ ظالم لڑکیاں ساتھ نہ ہوں جنھیں اس غریب بھو کے ڈاکٹر کی فیس کی ذرا فکر نہیں ۔"

زہرا گھبرا کر کھڑی ہو گئی ۔ علی میاں نے آنکھوں آنکھوں میں اس سے کچھ کہا ۔

"باجی ڈاکٹر چاچا کی فیس کھانے کی میز پر رکھی ہے ۔ یہی فیس بس یہ بیٹھو ڈاکٹر کسی سے لیتے ہیں ۔" ڈاکٹر کے قہقہے کے ساتھ سب کو ہنسنا یا مسکرانا پڑا ۔ فضا کا بوجھل پن کم ہو گیا ۔

"ارے ڈاکٹر جی کھانے کا کیا ہے ۔۔۔ جو کہو گے دن میں دس بار پکا کر کھلا دیں گے ۔۔۔ ارے ہم تمہارے پر اپنی جان نچھاور کر دیں گے ڈاکٹر جی ۔۔۔ بس تم ہمارے السن میاں کو چنگا کر دو ۔"

نصرو چاچا کی چندھی ، چپڑ لگی آنکھوں میں گدلا پانی تیر رہا تھا ۔

۱۲

گھبراہٹ کی وجہ سے وہ دوبارہ گاڑی رکوا کر اتر چکی تھی! مگر شام کے وقت سنسان سڑک پر دیر تک گاڑی ٹھیرائی بھی تو نہ جا سکتی تھی۔ اس پر نگین، بھائی میاں اور ڈرائیور سب پر خفگی ہو چکی تھی —— وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ موٹر کی رفتار کے ساتھ ساتھ بے چینی بڑھ رہی تھی۔

صبح وہ بہت خوش خوش اٹھی تھی۔ آج بھائی میاں نے پروگرام بنایا تھا کہ سب کو لے کر فتح پور سیکری کی سیر کو جائیں گے رات کو ڈاک بنگلہ میں قیام رہے گا۔ تیسرے دن واپسی ہو گی۔ ویسے تو لگتا تھا۔ جیسے انھوں نے اسے بھلا ہی دیا ہے۔ اپنی وزارت اور سیاست ہی سے انھیں کہاں چھٹی ملتی۔ زیادہ وقت تو راجدھانی میں ہی گزرتا تھا۔ گھر میں بھابی جان کا ہمیشہ ہی سے راج تھا جو اپنے کو بھائی میاں سے زیادہ قابل اور ذہین سمجھتی تھیں۔ بھتیجے بھتیجیوں کو الگ اپنے اپٹوڈیٹ، قابل اور اونچے درجہ کا احساس رہتا تھا۔ جس دن سے وہ آئی تھی لگتا تھا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ سب اونڈھے سیدھے چھوٹی بھابی، بھائی صاحب ان کے بچوں اور چھوٹی باجی کی بہو اور بیٹے بیٹیوں کی خاطر داری میں لگے ہوئے تھے۔ عذر یہ تھا کہ وہ تو پردیسی ہیں۔ مہمان ہیں، تمہارا تو اپنا گھر ہے۔ ایک چھوٹا سا کمرہ اسے اور نگین کو دیا گیا تھا۔ اتنی بڑی کوٹھی

ساری پاکستانی مہمانوں سے بھری پڑی تھی مگر بھابی جان نہ سہی اپنا، کسی بیٹے یا بیٹی کا کمرہ تو خالی کر کے اسے دے سکتی تھیں۔ مگر بھئی غریب کو کون پوچھتا ہے۔

پھر ان سب کے نت نئے فیشن، قیمتی اور بھڑک دار کپڑے، ولایتی کوٹ، جوتے اور پرس اور کارڈگن۔ زرکار اور کشمیری شالیں، اور اس کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتے۔ نہ سہی اپنے لئے پر اپنی بچی کے لئے تو ان سب چیزوں کو اس کا جی چاہتا تھا۔ چھوٹی بھابی ان کی لڑکی اور بڑی باجی کی بہو ٹیشو، فرنچ جارجٹ، برد کیڈ اور لیس کی ساڑھیاں اور ولایتی ساٹن اور کمخواب کے سرسراتے غرارے اور بل بوٹم پہنتی تو آنکھیں چکاچوند ہو جاتیں۔ لڑکے تھے وہ الگ ہزاروں لاکھوں کی باتیں کرتے۔ ہر لڑکا لڑکی یورپ یا امریکہ جا کر تعلیم پانے یا وہاں بس جانے کے تذکرے کرتا تھا۔ بزنس، زمین، جائیداد کوٹھی، بنگلے اور ہزاروں کے خرچ اور آمدنی کی باتیں ہر وقت سنتے سنتے کان پک گئے تھے۔ توبہ اللہ یہ اتنا سب ان کے پاس آ کہاں سے گیا؟ سوائے پاپا کے، خاندان میں کوئی بھی حیثیت والا نہ تھا اور اب اور کسی کا کیا ذکر بھائی میاں بیچارے ان لوگوں کے سامنے غریب معلوم ہوتے تھے۔

وہ لالچی نہیں تھی —— پھر اس کے میاں نے ہمیشہ راج رجایا مگر نگین تو لڑکی ہے۔ اس کا دل تو چاہتا ہوگا مگر عجیب بات یہ تھی کہ نگین فرحت اور راحت پردیسی رشتے داروں سے الٹی بحث کرتی رہتی تھیں اور اپنے ہاں کے کپڑوں اور ساڑھیوں اور چیزوں کی تعریف کرتیں کمال بیگم طنز سے مسکراتیں "بچارے نگین الگ ماں سے کہتی۔

"ہمارے ملک میں کپڑے بھی ڈالی جاتی ہیں۔ ہماری چیزوں کو برا کہتی ہیں اور روزانہ سینکڑوں کی شاپنگ بھی کرتی رہتی ہیں۔ ہائے اللہ ممی ——

کہتی تو یہ ہیں کہ بس بیس روپے ساتھ لانے کی اجازت ہے پھر یہ ہزاروں روپے کہاں سے آتے ہیں؟

"میں کیا جانوں بی بی ــــــ"

"ممی دیکھئے خود تو اتنی قیمتی ساڑھیاں پہنتی ہیں آنٹی - اور آپ کے لئے یہ سستی سستی دو ساڑھیاں لائی ہیں اور میرے لئے یہ دو ٹکڑے ــــ ہنھ ــــ مجھے کیا پرواہ ہے ــــ میرے پاپا ایک سے ایک اچھا کپڑا لا کر دیتے ہیں ــــ"

ایک بار اس نے یونہی پوچھ لیا "کیا بھائی کو بھائی میاں نے روپیہ دیا ہے ان کی جائیداد کے حصے کا؟" تو بھابی جان بگڑ گئیں "کیسی جائیداد؟ کس کا حصہ۔ وہاں لاکھوں کی جائیداد نہیں لئے بیٹھے ہیں ــــ ہمارے پاس رہ ہی کیا گیا ہے ــــ چار پیسے تنخواہ کے آتے ہیں، لوگوں کی طرح ہزاروں نہیں ــــ"

چھوٹی بھابی کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا مگر کچھ بولیں نہیں اور رضوانہ چور بن گئی۔ ایک بھابی جان ہی تو ایسی تھیں جو سے وہ دبتی تھیں!

کل جب بھائی میاں نے کہا کہ نگین اور رضوانہ کو لے کر فتح پور سیکری کی سیر کو چلیں گے تو وہ کتنی خوش ہوئی۔ ایک بھائی میاں ہی تو ہیں جو اسے اور اس کے بچوں کو چاہتے ہیں۔ بس واپس آ کر وہ اپنے گھر چلی جائے گی ورنہ بھابی جان تدبیریں کرتے لگیں گی اسے بھیجنے کی ــــ وہ جانتی تھی کہ چند دن بعد ہی وہ کچھ ایسی چال چلتیں کہ رضوانہ کو اپنے گھر جانا ہی پڑتا تھا۔

مگر عمران کے خط نے سارا پروگرام گڑبڑ کر دیا۔ بھائی صاحب، چھوٹی بھابی اور کمال بیگم دلی گئے ہوئے تھے۔ بہانہ سیر کا تھا، مقصد شاپنگ تھا۔ لڑکیاں اور لڑکے ابھی سب سو رہے تھے۔ بھابی جان اور بھائی صاحب کی بڈھی ان کے بیڈ روم میں اکیلی گئی تھی۔ اور فرحت کالج جا چکی تھیں۔

نگین نے استری کرنے کے بعد ماں کی طرف دیکھا " ساڑھے نو بج چکے اور ابھی تک ناشتہ کا ذکر فکر نہیں۔ میرا تو بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔"

"ٹوکری میں سے بسکٹ نکال کر کھا لو — بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے مگر ابھی بھائی کے بریک فاسٹ کا وقت کہاں آیا ہے۔"

"یہ آپ کے خاندان والے بنتے تو بڑے کانگریسی ہیں مگر طور طریقے سب انگریزوں کے سے ہیں۔"

"یہ تو پاپا کے وقت سے دستور چلا آتا ہے۔ ان کا رہن سہن بالکل انگریزوں کی طرح تھا۔ سوٹ پہنتے تھے۔ چھری کانٹے سے کھاتے تھے۔ کھانے کے اوقات بھی وہی تھے — مگر مجھے تمہارے ددھیال کے دیہاتی طریقوں کا پابند ہونا پڑا۔ وہی عادت میری بھی پڑ گئی — لاؤ دو بسکٹ مجھے بھی دیدو۔"

بیرے نے ایک دستی خط لا کر نگین کے ہاتھ میں دیدیا — اتنے اتنے وہ بڑھے ماں نے بیسیوں سوال کر ڈالے — کس کا ہے؟ عمران کا؟ کیا لکھا ہے؟ پھوٹتی کیوں نہیں منھ سے؟

نگین کے ہاتھ کانپ رہے تھے، چہرہ سفید پڑ گیا تھا اس نے خط ماں کے ہاتھ میں دیدیا۔

"نگو آپا — ہم لوگ کل یہاں آئے تو دیکھا پاپا کی طبیعت بہت خراب تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے دیکھا۔ بہت سی دوائیں لکھی ہیں۔ پھپھو بہت پریشان ہیں۔ ویسے ڈاکٹر صاحب نے اطمینان دلایا ہے۔ تم اور ممی آجاؤ تو اچھا ہے۔ پاپا بار بار پوچھتے ہیں۔

تمہارا عمران

رضوانہ بھی خط پڑھ کر ذرا دیر کو تو پریشان ہو گئی ــــ مگر فوراً خیال آیا یہ سب مجھے بلانے کی ترکیبیں ہیں۔ اور تی نگین پر نظر پڑی تو اور غصہ آیا ــــ

"کیسی بد شگونی کی باتیں کر رہی ہو۔ عمران بچہ ہے گھبرا گیا۔ وہ کون موا ڈاکٹر حمرا کے ساتھ گیا تھا۔ جس نے سب کو پریشان کر دیا۔ کھانسی دمہ کے مریض کا تو یہی ہے دم بھر میں اچھا، دم بھر میں لوٹ پوٹ ــــ ارے کیوں خواہ مخواہ جی برا کر رہی ہے ــــ"

"بابا کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ نہیں تو ہرگز پھپھو عمران کو خط نہ لکھنے دیتیں۔" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

"اے ہے بڑی تمہاری پھپھو کو تمہاری فکر ہے نا،" رضوانہ کا پارہ چڑھنا شروع ہو گیا۔ دل کے اندر سے کسی نے کہا ــــ یہ بہانے ہیں۔ لاڈلی بہنیں آئی ہوئی ہیں، ان کو چھوڑ کر چلی آئی یہ ان کو برا لگا ہے کیا اتنا وہ نہیں جانتی وہ چار دن چین سے اپنے بچھڑے عزیزان کے پاس رہ جائے اور ان کی بہنوں کی اور ان کی خدمت نہ کرے ــــ یہ کیسے گوارا ہوتا۔

"یہ سب تمہاری پھپھو اور بابا کی باتیں ہیں ــــ" اور پھر اپنے خیالات کا پوری آزادی سے اظہار شروع ہو گیا ــــ رضوانہ ہی تو ایک ان کی ہمدرد غم گسار ہے دنیا میں۔ مگر اس وقت رضوانہ نے ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔

"بابا اور پھپھو کو شاید اس خط کی خبر بھی نہ ہو گی ــــ آپ خواہ مخواہ ان کا صبر سمیٹ رہی ہیں ــــ" وہ بھی تو ان ہی کی بیٹی تھی۔

"ہاں ہاں میں تو بدمزاج، بد دماغ ہوں ــــ صبر سمیٹتی ہوں۔ سب کی دشمن ہوں ــــ تمہارا خاندان صابروں کا، ہمدردوں کا، ایثار و قربانی کرنے والوں کا ہے ــــ ارے میں تو جانتی تھی یہاں بھی مجھے سکھ کا سانس لینا

نصیب نہ ہوگا ــــــ کوئی نہ کوئی شوشہ ضرور چھوڑا جائے گا ــــــ "

" ٹھیک ہے سب جھوٹ ہی ہوگا مگر میں آج جا رہی ہوں ۔"

" ضرور جاؤ ــــــ باپ اور پھوپی کے ساتھ تم بھی میری مخالف بن جاؤ میں تو جانتی ہوں اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ۔ جب اپنے پیٹ کی اولاد ہی دشمن بن جائے تو کسی اور سے کیا گلہ ، خدایا تو ہی دیکھنے والا ہے ۔ تو ہی انصاف کرنے والا ہے ۔"

سوتی ہوئی لڑکیاں آنکھیں ملتی شیلو کیرتے لڑکے منھ پر صابن ملے ، ملازمہ چائے کی ٹرے سنبھالے ، بھائی جان کشمیری ڈریسنگ گاؤن کی ڈوریاں کستی ۔ بیرا کندھے پر جھاڑن ڈالے ۔ سب لوگ رضوانہ کی چیخیں سن کر اُسے چھوٹے کمرے میں جمع ہو چکے تھے ! نگین نے اپنا مُنھ تکیے میں چھپا رکھا تھا ۔ رضوانہ ہسٹرک انداز میں پیٹ پیٹ کر چیخ رہی تھی ۔ بھائی جان نے نوکروں کو ڈانٹا ، لڑکوں لڑکیوں کو واپس بھیجا کر جا کر ناشتہ کے لئے تیار ہو ۔

رضوانہ کی پیٹھ سہلائی اور آہستہ آہستہ سمجھانے لگیں ان کے لئے یہ سب نیا نہ تھا ۔ جب سے بیاہ کر آئی تھیں ساس اور نند کے ہسٹریا کے دوروں کو سنبھالتی رہی تھیں ۔ اپنے میاں کو بڑی عقلمندی سے انھوں نے اپنے بس میں کر لیا تھا ــــــ ساس کے مرنے کے بعد ایک دو ہفتے سے زیادہ کے لئے وہ رضوانہ کا آنا پسند نہ کرتی تھیں مگر اس خوبصورتی سے اُسے واپس بھیجتی تھیں کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلتا کہ یہ اتنی جلد کیوں جا رہی ہے !

" آخر ہوا کیا ہے ؟"

" وہ آپ کے چہیتے نند وئی جن کی تعریفیں کرتے نہ آپ تھکتی ہیں نہ بھائی میاں انھیں میرا یہاں چین سے رہنا گوارا نہیں ــــــ وہ تو چاہتے ہیں اسی منحوس اجڑی بستی میں گھٹ کر مر جاؤں ــــــ ان کی خدمت کرتی ان کے گھر ، بچوں اور کنبے

والوں کے لئے جان کھپاتی رہوں۔"

"یہ کیا بات ہے؟ ان کی بہن آج کل موجود ہیں وہ بھائی کی دیکھ بھال کرلیں گی۔" اوپرے دل سے بھابی جان نے کہا ورنہ وہ تو کئی دن سے اس فکر میں تھیں کہ کیا بہانہ کرکے خوبصورتی سے رضوانہ کو رخصت کیا جا سکتا ہے۔

"ارے آپ ان بھائی بہن کو نہیں جانتیں۔ میٹھی چھریاں ہیں ظاہر میں بڑے نیک، بچوں کے عاشق ––– بیوی کا خیال کرنے والے۔ اس کے بغیر چین نہیں آتا ––– ایک بار بمبئی سے چچا جان نے بلایا ––– میں نے سوچا چلو دو، چار مہینے وہ وہاں چین سے رہیں گے میں یہاں سکھ کا سانس لوں گی ––– مگر بیس دن ہی میں آن موجود۔ کیوں صاحب؟ جی نہیں لگا۔ بچوں کا خیال تھا ––– تمہاری تنہائی کی فکر تھی ––– بھینا تو عاشقِ زار ٹھیریں ––– بھیا بھی واری نثار ہیں۔ مگر ان کے پاس بھی سال دو سال میں جاتے ہیں تو آٹھ دس دن سے زیادہ نہیں ٹھیرتے ––– "

"ان لوگوں کو چاہیئے کہ اصرار کرکے اپنے پاس روکیں ––– دوا علاج کرائیں۔ آخر ان کا بھی کوئی فرض ہے ––– "

"ارے ان کو میرے سوا بھگت کون سکتا ہے ––– یہ تو میرا ہی دل ہے کہ سب کچھ جھیلتی ہوں اور ––– "

"اور ––– اُف نہیں کرتی!! کہہ دیجیئے کہ بابا میرا بھلا کہتے رہتے ہیں یا تلنے دیتے ہیں پیخنتے چلاتے ہیں اور آپ چپ رہتی ہیں ––– ہائے کتنے بدقسمت ہیں ہم لوگ ––– سب کے سامنے ذلیل ہوتے ہیں۔" نگین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی!

"بیٹی روتی کیوں ہو۔ میں کیا غیر ہوں۔ کیا میں نہیں جانتی کہ تمہارے ماں

باپ کے کیسے تعلقات ہیں ــــــ اتنا تو میں بھی کہوں گی علی بھائی نے رضوانہ کو کبھی اپنا نہیں سمجھا۔ جب تک میاں بیوی ایک جان دو قالب نہ ہوں، زندگی برباد ہو جاتی ہے۔" کچھ اصلیت کچھ ظاہرداری، بھابی جان کسی طرح رضوانہ کو ٹھنڈا کرنا چاہ رہی تھی۔

بھائی میاں کمرے میں داخل ہوئے، سہمی نظروں سے بہن کو دیکھا، بھانجی پر پریشان اور بیوی کی طرف سوالیہ نظر ڈالی ــــــ بہن ایک مظلوم اور بے بس وجود کی طرح بھابی جان کے سینے سے لپٹی سسک رہی تھی۔ وہ آ کر نگین کے پاس بیٹھ گئے۔ سر پر ہاتھ پھیرا "کیا ہوا بیٹی ــــــ کس کا خط آیا ہے؟" ابھی بیرے نے بتایا تھا کہ کسی خط پر یہ ہنگامہ ہوا ہے۔ بھابی جان بھی چونکیں "خط؟ کیا کسی کا خط آیا ہے؟"

"عمران کا خط آیا ہے ــــــ اس کے باپ کو دمہ کا دورہ پڑ گیا ہے، برا تا مرض ہے۔"

"تم تو بیٹی خواہ مخواہ گھبرا جاتی ہو۔ دمہ کا مرض خطرناک نہیں ہوتا۔ بہت بڑی عمر ہوتی ہے دمہ کے مریض کی۔" بھابی جان نے روتی ہوئی نگین کو سمجھانا چاہا۔

"ماموں ابا آپ کسی نوکر کو ساتھ کر دیجیے ــــــ گاڑی کا وقت میں فون پر معلوم کر لوں گی ــــــ میں آج ہی بابا کے پاس جاؤں گی ــــــ" نگین نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"دو دن بعد چلی جانا ــــــ آج تو فتح پور سیکری جانے کا پروگرام ہے۔" بھابی جان نے شوہر کی طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹی ــــــ پرسوں میں تمہیں مراد پور پہنچوا دوں گا۔" ماموں ابا نے سمجھایا۔

"پرسوں تو میں خود بھی ساتھ چلوں گی" ممی نے سسکتے ہوئے اعلان کیا۔

"آپ فتح پور سیکری جائیں پک نک کریں ——— مگر ——— میں ——— نہیں ——— میں اپنے بابا کے پاس جاؤں گی ——— میں اب ایک منٹ بھی نہیں رکوں گی ——— واہ یہ بھی کوئی بات ہے ———" غصہ آنے پر اس کی ساری جھجک غائب ہو جاتی تھی۔ بھائی صاحب نے پاس پڑا خط اٹھایا پڑھا، رکھ دیا، پھر اٹھایا، پھر پڑھا ——— اور کسی سوچ میں کھو گئے۔

"اچھا اب تم لوگ ناشتہ تو کر لو چل کر۔" بھائی جان نے اکتا کر کہا۔

"میں ناشتہ نہیں کروں گی" نگین نے منھ پھیرے پھیرے کہا۔

"مجھے بھوک نہیں" رضوانہ نے غصے سے کہا۔

"یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ اٹھو رضوانہ۔ اور نگین تم بھی چلو۔ اچھا میں آج ہی تمہارے جانے کا انتظام کر دوں گا" وہ باہر گئے۔ پھر پلٹے بیوی کو اشارے سے پاس بلایا۔ "مسز مقصود نے تاج میں تمہیں کسی ڈاکٹر سے ملوایا تھا ———؟"

"کوئی ڈاکٹر مسرا ہیں۔ سینے کے امراض کے ماہر ———"

"ہاں ہاں ——— ڈاکٹر مسرا تو بہت مشہور ڈاکٹر ہیں ——— میں ابھی ان کو فون کر کے آتا ہوں ——— تم سب کو ناشتہ کراؤ ——— مگر ابھی رضوانہ سے کچھ نہ کہنا ———"

جب وہ کھانے کے کمرے میں آئے تو سب ناشتہ کر چکے تھے۔ لڑکے لڑکیاں اٹھ گئے تھے۔ نگین اب بھی چپکے چپکے رو رہی تھی۔ رضوانہ غصے میں بھری بیٹھی تھیں اور ان کی بیوی ناشتہ لیے انتظار کر رہی تھیں۔

"ارے تم نے بریکٹ فاسٹ لے لیا ہوتا ———" یہ کہتے کہتے وہ کرسی پر

بیٹھ گئے نیپکن کھول کر احتیاط سے زانوؤں پر بچھایا اور دلیے میں دودھ ڈالنے لگے۔

"میرا خیال ہے رضوانہ کہ تم لوگ کار سے چلی جاؤ۔۔۔۔۔ میں نے ڈرائیور کو کار چیک کرانے کے لئے بھیج دیا ہے۔۔۔۔۔ تین چار بجے تک روانہ ہو جانا۔۔۔ رات سے پہلے پہنچ جاؤ گی۔۔۔۔۔"

"آج تو بھائی میاں میری طبیعت بڑی خراب ہو رہی۔۔۔۔ کل صبح روانہ ہو جائیں گے۔۔۔۔" یہ تو خوب بات ہے کہ یہاں بھی اس کے بجائے دوسروں کی ضد پوری ہو۔

"میرا خیال ہے۔۔۔۔۔" بھائی میاں متفکر سے تھے "جانا ہے تو آج ہی کیوں نہ چلی جاؤ۔ نگین پریشان ہے۔ اور میں جانتا ہوں تم بھی بہت پریشان ہو۔۔۔ رات کاٹنا تمہارے لئے دوبھر ہو جائے گا۔۔۔۔۔ عمران نے لکھا ہے۔ علی میاں بھی تم لوگوں کو بہت یاد کر رہے ہیں!"

رضوانہ کیوں سر سے پیر تک لرز گئی۔۔۔۔۔ یہ وہ نہ سمجھ سکی۔ بھائی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "دو گھبرانے کی بات نہیں۔ مگر بہن تمہیں جانا ہی چاہیے۔ ان کی بہنیں کیا سوچیں گی؟ پھر تمہاری اولاد؟ میں بھی دو ایک دن میں آؤں گا۔۔۔۔ آج تو دلی جانا بہت ضروری ہے۔ جمن خان، تم جانتی ہو پرانا آدمی ہے صبح سویرے اسے واپس کر دینا۔" موٹر کے سلسلے میں انہوں نے جان بوجھ کر بیوی سے نہ پوچھا تھا

اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ نگین جمن خاں کے برابر بیٹھی تھی۔ ماں کو تکیہ

لگا کر پچھلی سیٹ پر لٹا کر کمبل اوڑھا دیا تھا۔ انہیں چلے دو گھنٹہ سے زیادہ ہو چکے تھے اور ابھی دو ڈھائی گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ سورج ڈھل رہا تھا۔ جھٹپٹے کے وقت، پرندوں کے شور کے ساتھ موٹر کی آواز کچھ زیادہ ہی پراسرار لگ رہی تھی۔

وہ چلنے پر تیار تو ہو گئی مگر برابر روئے جا رہی تھی۔ اس کی گھبراہٹ اور رونے سے بھتیجے بھتیجیاں، بھانجے بھانجی، اور چھوٹی بھابی اور کمالہ بیگم جو دوپہر کو آ گئی تھیں، سبھی متاثر تھے وہ ایک ایک سے گلے مل مل کر یوں بلک رہی تھی جیسے پہلی بار جا رہی ہو۔ لڑکے لڑکیاں اپنے اپنے انداز میں اظہار ہمدردی کر رہے تھے۔

"ہا بچاری آنٹی ——!"

"آنٹی پلیز روئیے نہیں ——"

"پور آنٹی!"

"ہاؤ اسٹرینج —— انکل سیمز سو سوئیٹ —— بٹ آنٹی از سو مزربل ——" وہ جاہل تو نہ تھی۔ میٹرک تک پڑھا تھا۔ ان باتوں کا مطلب سمجھتی تھی مگر عجیب بات تھی یہ ہمدردی کی باتیں اچھی بھلی لگ رہی تھیں اور بری بھی۔

چلتے وقت بھائی میاں نے ایک لفافہ اس کے پرس میں ڈال دیا تھا جانے کتنے روپے ہیں اس میں۔ کتنا خیال کرتے ہیں وہ اس کا۔ اور چھوٹے

بھائی صاحب ـــــ ان میں کتنا فرق پیدا ہو گیا ہے ـــــ سب کے سامنے جتا کر سو روپے کا ایک نوٹ اس کو دیا ـــــ خیر خیال تو انھیں بھی بہت ہے۔ تبھی تو کہہ رہے تھے کہ کیا کروں پردیس میں پیسہ پاس نہیں ۔ یہ تو بچوں کے فلم دیکھنے کے لیے دے رہا ہوں، تم میرے پاس اسلام آباد آؤ پھر انشاءاللہ۔ جو بھی ہو سکے گا۔" ارے تم آؤ تو ـــــ میں کیا نہیں کر سکتا وہاں تمہارے لیے علی بھائی کے لیے نوکری چاہیں نوکری مل سکتی ہے۔ بزنس کرنا چاہیں تو گھر ہی کا اتنا بڑا بزنس ہے ـــــ اگرچہ اب زیادہ تو نہیں مل سکتا پھر بھی یہاں کی جائداد کے بدلے ـــــ اس سے بہتر زمینیں وغیرہ کلیم میں مل سکتی ہیں۔ خدا کے فضل سے اپنا اتنا رسوخ اور اثر ہے ـــــ اور پھر اپنی ایک کوٹھی لاہور میں ہے، ایک کراچی میں ـــــ چھ ـــــ چھ سات سات فلیٹ کی دو بلڈنگیں ہیں ـــــ جہاں چاہو رہنا ـــــ نگین کی شادی اچھی جگہ ہو جائے گی ـــــ عمران ولایت جا سکے گا ـــــ عرفان بھی وہاں آ جائے گا ـــــ"

"بھائی صاحب ـــــ" اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "کیسے آؤں انھیں تو اپنے ملک سے عشق ہے ـــــ ہاں تم سے ملنے آؤں گی انشاءاللہ"

"تم بچوں کو لے کر چلی آؤ تو علی بھائی کو جھک مار کر آنا پڑے گا"

چھوٹی بھابی نے کہا۔

"اب تو شاید یہی کرنا پڑے گا"

"ممی خدا کے لئے اب چلئے دیر ہو رہی ہے ـــــ پاکستان جانے کے لئے بہت وقت پڑا ہے"، نگین نے چیخ کر کہا تھا۔

ہاں کبھی باپ اور خاندان کو لوگ کچھ کہتے ہیں تو بُرا لگتا بھی ہے ـــــ کہتی ہے وہ لوگ میرے باپ پر طعن کرتے ہیں، فقرے کستے ہیں ـــــ

آپ دوتوں پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کے انداز میں محبت نہیں رحم اور حقارت ہوتی ہوتی ہے۔

"بے وقوف ہے یہ لڑکی تو!"

اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

ایک جھٹکے سے وہ اچھل پڑی۔ باہر اندھیرا ہو چکا تھا۔ بھائی صاحب کے گھر کا سحر ٹوٹ رہا تھا ـــــ اب وہ اپنی زندگی کے صحرا میں بھٹک رہی تھی، وحشت تھی، غصہ تھا ـــــ پریشانی تھی، پشیمانی تھی اور ایک نامعلوم سا خطرہ کا احساس! اور یہ اتنے بہت سے دیو منھ پھاڑے اسے نگلے جا رہے تھے ـــــ نگلے جا رہے تھے۔

ذہن بار بار جھٹکے کھا رہا تھا ـــــ فرار کے لئے راستے ڈھونڈ رہا تھا۔ کنوار پتے کی وہ حسین، النھڑ زندگی یاد آ رہی تھی جب ہر طرف محبت ہی محبت تھی۔ پاپا اور اماں دونوں اپنی اکلوتی بیٹی کو کس قدر چاہتے تھے۔ اس کی ہر بات مانی جاتی۔ جس سے وہ خوش ہے۔ سب اس سے خوش ہیں۔ جس سے وہ خفا ہے سارا گھر اسے برا بھلا کہتا ہے۔ بڑی اماں کبھی کبھی ٹوک دیتیں، اماں پر طنز کرتیں، "بیٹی ذات کو اتنا سر پر چڑھا رکھا ہے ـــــ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ پرائے گھر جانا ہے۔ ایسی نازک مزاجیاں کون سہارے گا بھلا۔"

تو وہ دنوں بڑی اماں کی طرف نہ جاتی ـــــ اماں ہفتوں ان سے نہ بولتیں ـــــ ہاں جواب دینے کی ہمت کسی کی بھی نہ تھی۔ پاپا کی بیوہ بھاوج تھیں۔ ان کے اولاد بھی نہ تھی ـــــ مگر بڑی آن بان سے رہتی تھیں۔ اپنا پیسہ روپیہ بھی پاپا کے سپرد کر رکھا تھا! اماں چپکے چپکے بگڑتیں "ہنھ یہ کیا جانیں اولاد کی ممتا! میری بچی سے جلتی ہیں یہ تو۔" پھوپی اماں البتہ اسے بہت

چاہتی تھیں اور ان کی دونوں لڑکیاں بڑی چھوٹی آپا بھی اس سے بہت خصوصیت کرتیں۔ بڑی اماں کا کیا وہ تو میری صورت سے جلتی تھیں۔ جلے کیوں؟

تو کیا وہ سچ مچ دشمن تھیں؟ یا خیر خواہی میں یہ سب کہتی تھیں۔ ہائے اماں جیسے تم نے پھولوں میں تولا، اُسے کیوں یوں بھاڑ میں جھونک دیا؟ مگر وہ علی میاں کو پسند کرتی تھی ——— مگر میرا کیا ——— میں تو کم عمر تھی، الہڑ تھی ——— وہ لوگ تو جہاں دیدہ تھے ——— انھوں نے کیوں دھوکا کھایا ——— سمجھے تھے گھر داماد بنا کر رکھ لیں گے۔ بنا نہ لیا ——— چار دن بھی سسرال میں رہنا پسند نہ کیا۔

بھابی جان کی سکون کی گولی کا اثر ہو رہا تھا ——— وہ اونگھ گئی!

"ارے، چھوٹی آپا ہمیں نہ ستاؤ ———"

"اوئی لڑکی ——— مذاق میں بھی روتی ہے۔"

"ہائے اللہ ——— آپ تو خواہ مخواہ خفا ہو رہی ہیں ——— میں تو ——— میں تو ——— "

"ہاں تم تو ان کی یاد میں رو رہی ہو ——— جب سے اپنی خالہ اماں کے ہاں سے آئی ہو ہر وقت ان کا اور ان کے بیٹے کا کلمہ پڑھتی ہو ——— "

"تو کیا ہوا ——— وہ میری خالہ جو ہیں ———"

"سچ کہو رجو ——— کیا علی اصغر بہت پسند آ گئے ہیں ———"

"ہمیں ——— شرم آتی ہے!"

"ابھی سے ——— اچھا بتا ——— تجھے وہ پسند ہیں نا؟"

"وہ ——— وہ ——— مجھے پسند نہ کریں شاید ———" اٹک اٹک کر اُس نے کہا۔

"اے واہ ——— اس چاند سے مکھڑے کو کون پسند نہ کرے گا بھلا"

کتنا چاہتی تھیں چھوٹی آپا ـــــ کہتیں ہم غریب، نہ ہوتے تو اپنی رجّو کو اپنے ہاں رکھتے ـــــ ہائے توبہ نثار بھائی کیسی عجیب عجیب نظروں سے اُسے دیکھا کرتے ۔ بڑی بڑی ۔ بھوکی بھوکی ۔ بھیگی ۔ بھیگی آنکھیں، اور اگر کوئی اور آجاتا تو یوں بیٹھ موڑ کر کھڑے ہو جاتے جیسے کوئی واسطہ ہی نہیں۔

اور علی میاں ـــــ وہ تو عجیب تھے ـــــ کبھی نظر بھر کر دیکھتے ہی نہیں!

"وہ تو بات کبھی نہیں کرتے چھوٹی آپا ـــــ نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔"

"بچی اماں کہتی ہیں وہ بہت شرمیلے ہیں۔"

"انھوں نے تو گھر میں آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔"

"دیہاتی لڑکا ہے ـــــ جھینپتا ہوگا۔"

"واہ ـــــ وہ اتنے پڑھے لکھے ہیں ۔ اتنے شاندار ـــــ ہنس مکھ۔"

"تو یوں کہو نا کہ دل وہیں چھوڑ آنا ہو۔"

"چھوٹی آپا ـــــ"

"ہاں ہاں ـــــ رک کیوں گئیں ـــــ کہونا ـــــ"

"مجھے ڈر لگتا ہے ـــــ شاید ـــــ وہ اسی لڑکی کو ـــــ وہی جوان کے گھر میں پلی ہے ـــــ وہی حمرا ـــــ اُسے پسند کرتے ہیں ـــــ"

"کیا وہ بہت خوبصورت ہے؟ تم سے بھی زیادہ؟"

"کیا پتہ ـــــ مجھے تو زرا بھی نہیں اچھی لگی ۔ پکّا رنگ، روئی روئی آنکھیں ڈھیر سارے بکھرے بال ـــــ عجیب ہونق صورت ہے۔"

"اے واہ ـــــ بھلا ایسی لڑکی سے تمہاری خالہ اماں اپنے اکلوتے بیٹے کا بیاہ کریں گی؟ وہ تمہارے علی اصغر کا اس کا بچپن سے ساتھ رہا ہے۔ بے تکلفی ہو گی جس سے تم جلنے لگیں ـــــ"

"واہ ـــــ میں کیوں جلتی ـــــ مگر ـــــ"

"مگر ـــــ عشق است و ہزار بدگمانی ـ"

چھوٹی آپا نے اسے اتنا گدگدایا اتنا گدگدایا کہ اس کی چیخیں نکل گئیں۔

"ممی ـــــ کیا ہوا ممی ـــــ سو گئی تھیں ؟ خواب میں ڈر گئیں ؟

نگین نے گھبرا کر ماں کو آوازیں دیں۔ رضوانہ کمبل ہٹا کر اٹھ بیٹھی۔

"اوہ جمی خان ـــــ ذرا تو گاڑی آہستہ چلاؤ ـــــ توبہ ہے جھٹکوں نے جوڑ جوڑ ڈھیلا کر دیا میرا ـــــ"

"ہم کیا کرے گا ـــــ سڑک اتنا خراب ہے ـــــ ڈوٹا پھوٹا ہے ـــــ"

انھوں نے اکھڑ لہجے میں کہا اور گاڑی ذرا دھیمی کر دی

"رات ہو گیا ـــــ جلدی پہنچنے کو بھی صاحب بولا ـــــ"۔

"کیا بجا ہے نگین ـــــ"

"سات بجنے والے ہیں ـــــ آپ ذرا سا پانی ـــــ نہیں چائے پی لیجئے" اس نے تھرماس میں سے چائے انڈیل کر ماں کو دی۔

رضوانہ نے پرس میں سے ڈبیا ہٹوا نکا ـــــ پان کھایا، لکھنؤ کے خمیرہ کی گولی منھ میں ڈالی اور سر موٹر کی پشت پر ٹکا دیا!

حمرا کو جب اس کے باپ آ کر لے گئے تو اس کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی ـــــ چھوٹی آپا نے اسے اپنے سے لپٹا لیا تھا "مبارک ہو ربّو ـــــ اب علی اصغر تمہارے ہیں ـــــ" اور وہ شرم سے لال ہو گئی تھی!

زہرا باجی کی شادی میں وہ نہ جا سکی ـــــ مگر جب خالو ابا کے ہارٹ فیل ہونے کی خبر سنی تو سب وہاں پہنچے! کتنے اچھے تھے خالو ابا بچارے اُسے کتنا چاہتے تھے۔ سوا مہینے بعد وہ لوگ واپس آئے تو اماں نے زور شور کے ساتھ جہیز تیار کرنا شروع کر دیا ـــــ چھ ماہ کے بعد ہی منگنی ہوئی سال بھر بعد شادی ـــــ اماں نے اسے کتنا جہیز دیا تھا ـــــ ستّر اسّی جوڑے۔ منوں برتن، چینی کے کتنے سٹ۔ بھاری سونے کے زیور۔ جڑا ؤ سٹ جہیزوں خاندان جمع رہا۔ بڑی اماں کے میکے والے، پھوپی اماں کا گھرانا اور سسرال والے ـــــ اماں کا سارا خاندان ـــــ اور جانے کون اور کون۔

ہر وقت ہر شخص اس کی دلداری کرتا ـــــ سوائے بڑی اماں کے جو جلی کٹی سناتی رہتیں "سسرال میں یہ مزاج اور نہ نہا نہ چلے گا۔ وہاں دب کے رہنا پڑتا ہے۔ میاں کا دل جیتنے کے لئے تو اپنے کو مٹانا پڑتا ہے بی بی ـــــ" وہ رونے لگتی تو چھوٹی آپا اور پھوپی اماں اسے گلے سے لپٹا لیتیں "ان کی عادت ہے ـــــ" اور اماں اسے روتے دیکھ لیتیں تو گلے سے لگا کر آنسوؤں کے دریا بہانا شروع کر دیتیں۔ "میں صدقے ـــــ تو کیوں اپنا جی بھاری کرتی ہے ـــــ چار دن کی بات ہے ـــــ دیکھ لیجو جو میں کہوں گی ـــــ جیو تو جا ہے گی ـــــ اللہ وہی کرے گا ـــــ بڑا سیدھا اور نیک بچہ ہے" اس کی سسکیاں رک جاتیں اور مستقبل کے سہانے سپنوں میں کھو جاتی۔

بڑی اماں کے سوا سب یہی کہتے رہتے تھے۔ میاں سے دب کر نہ رہنا۔ ساس نند کی دھونس میں نہ آنا ـــــ تم ہر طرح ان سے بڑھ کر ہو ـــــ ماما ئیں نائیں کہتیں ـــــ ہماری بٹیا کے پیر دھلو دھو کر پیئے گا دولھا ـــــ ایسے بڑے گھر کی لڑکی ـــــ اور یہ چاند سی صورت۔

اس کا دل یہی کہتا تھا ــــــ وہ حسین ہے، بڑے آدمی کی بیٹی ہے ــــــ سب کو اس کی دلداری کرنی چاہئے ــــــ یہ خیال کب، کیسے اس کے دل میں جما، وہ نہیں جانتی ــــــ مگر یہ اس کا پیدائشی حق ہے ــــــ لیکن اس کی بدولت؟؟؟

کتنے غلط ہوتے ہیں بزرگوں کے قیاسات بھی۔

نہ وہ ساس اور نند کو دبا سکی نہ میاں کو اپنے قبضے میں کر سکی۔

مگر کبھی انہوں نے اس سے کوئی بد سلوکی تو نہیں کی ــــــ برا بھلا تک نہیں کہا۔

مگر اسے اپنا نہیں سمجھا ــــــ اپنا دوست، رفیق، محبوب۔

غیر ہی سمجھتے رہے ــــــ دور دور بھاگتے رہے۔

مگر ــــــ کیا وہ سدا کے ایسے تھے؟ کیا کبھی انھوں نے اس سے محبت نہیں کی؟

کون جانے محبت کیا ہوتی ہے؟ اس کی قسمت میں تو عشق و محبت تھا ہی نہیں ــــــ مگر ــــــ

مگر اس وقت وہ نفرت تو نہیں کرتے تھے۔

وہ گہری سوچ میں کھوئی ہوئی تھی۔ ماضی کی ان یادوں کو جو دل کے نہاں خانے میں کہیں جا کر چھپ جاتی ہیں، لاشعور کی پرتوں کو جو دماغ کی بھول بھلیاں میں کھو جاتی ہیں، کریدنا اور ان کا تجزیہ کرنا وہ کیا جانے؟ پھر حال کی مصیبتوں اور مستقبل کی فکروں نے کبھی سنجیدگی سے ماضی کے بارے میں سوچنے ہی نہیں دیا ــــــ سامنے اور پیچھے کی صرف وہ چیزیں جو ہاتھ کی گرفت کے اندر ہوں ان کو دیکھنا اور محسوس کرنا۔ اس کی عادت

تھی - وہ باتیں جو فوراً دل پر چوٹ لگائیں، وہ واقعات جو ذہن کو صدمہ پہنچائیں اسے بہت متاثر کرتے —— مگر ذرا دیر کے لئے —— پھر وہ حال کی گتھیاں سلجھانے کی فکر میں لگ جاتی!

مگر آج -

آج کیوں ذہن بیس بائیس برس پہلے کی گزری کہانیاں دہرا رہا ہے؟ یہ کون سی حس ہے جو ان کہانیوں کا تجزیہ کر کے اسے کچھ کے لگا رہی ہے؟؟

اکیس برس گزرے اس نے کبھی اپنی سہاگ رات کو یاد نہیں کیا تھا۔ آج کیوں اس کی ہر ہر بات یاد آرہی ہے!

وہ خاموش کچھ شرمائے کچھ پریشان سے تھے —— خالہ اماں نے اُسے بتایا تھا کہ انھیں اپنے باپ کا بہت صدمہ ہے اکثر ان کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں۔ مگر وہ اتنی شرمیلی، حیادار پہلی رات کی دلہن۔ ان سے ذرا بھی نہ گھبرائی۔ ان سے باتیں کیں —— ان کی دلداری کی —— خالو ابا کو یاد کر کے ان کے ساتھ روئی —— زہرا باجی کا ذکر کیا —— اور جانے کب اور کیسے ان کی جھجک اور شرم بھی دور ہو گئی!

انھوں نے اسی سے کشمیر کی سیر کرانے کا وعدہ کیا چچا جان کے پاس بمبئی لے جانے اور گھمانے کا پروگرام بنا لیا —— اس نے ان سے پوچھا تھا آپ کیا کرنا چاہتے ہیں —— کیا ولایت جائیں گے —— وہ اداس ہو گئے۔

"بابا کے انتقال کے بعد میرے اوپر جو ذمہ داریاں آن پڑی ہیں ان کو دیکھتے ہوئے کچھ نہیں کہہ سکتا رضوانہ پھر اماں میری جدائی برداشت نہ کر سکیں گی ——"

ان کی آواز رندھ گئی —— وہ سننا چاہتی تھی کہ میں تمہاری جدائی

برداشت نہ کر سکوں گا ـــــ مگر وہ چپ ہو گئے ـــــ اس نے اپنا سر ان کے سینے پر ٹکا دیا ـــــ اور پھر ـــــ دو جوان دلوں کی دھڑکن ایک ہو گئی ۔

اور اس دن ـــــ اس دن اس نے سمجھا تھا ـــــ دو دل بھی ایک ہو گئے ـــــ دو روحیں ایک ہو گئیں !

اگلے دن اس کا تمتمایا سرخ چہرہ ، جھکی پلکیں ، شرمیلی مسکراہٹ نے اُسے حوروں جیسا حسن بخش دیا تھا ـــــ وہ خود آئینہ میں اپنا جلوہ دیکھ کر مبہوت رہ گئی تھی ۔ خالہ اماں بلائیں لیتے اور پیار کرتے نہ تھکتیں تھیں ۔ زہرا بھی بے حد اظہار محبت کر رہی تھیں ـــــ اور اندر سے باہر اور باہر سے اندر آتے جاتے ان کی جھلک اُسے نظر آتی رہی لیھٹے کا آڑا پاجامہ ، جامہ دار کی اچکن ، دسلی کی جوتی پہنے سیاہ بالوں کو خوبصورتی اور نفاست سے بنائے ، کتنے شاندار لگ رہے تھے ۔ ان کے چہرے پر معصومیت اور لڑکیوں کا سا حجاب تھا ـــــ اور لبوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ ۔ اتنے حسین ۔ اتنے ذہین اور اور قابل ہیں وہ ! ـــــ خوشی اور فخر سے اسی کا دل بھرپور تھا اس دن !

دس پندرہ دن وہ ایسی دنیا میں مگن رہی جیسے سورگ یا جنت کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا ۔

اماں اور ابا بڑے خوش اور مطمئن تھے ۔ اس کی بہنیں اور سہیلیاں بھائی اور بھاوجیں اس کو مبارک باد دیتے ، اس کی قسمت پر رشک کرتے ۔

چند مہینے بڑے اچھے گزرے ـــــ وہ کبھی کبھی سسرال آ جاتی ـــــ مگر زیادہ تر میکے رہتی ـــــ جب آتی سب اس کی خاطر مدارات اور دلداری کرتے ـــــ وہ بھی اسی کا ہر طرح خیال کرتے ـــــ راتیں پیار کے سائے میں

بسر ہوئیں ــــ مگر وہ اسکے گھر کم ہی جاتے۔ ــ اسے پہنچانے جاتے تب بھی تو وہ تین دن سے زیادہ نہ ٹھیرتے اور پھر جانے کب ، کیسے اس کی جنت میں سانپ رینگ آیا۔ پاپا چاہتے تھے وہ ولایت چلے جائیں۔ آئی۔ سی ایس کا امتحان پاس کر کے بڑی سی نوکری کریں۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ کہا تو یہی کہ میں اماں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا مگر وہ جانتی تھی۔ ان سے سن بھی چکی تھی کہ وہ جو کریں گے اپنے بل بوتے پر۔ وہ ان سے اصرار کرتی کہ میرے گھر چل کر رہو تو بہت سنجیدگی سے کہتے " رضوانہ اب تو تمہارا گھر بھی یہی ہے ہمارا فرض ہے کہ اماں کی تنہائی دور کریں ــــ ان کا غم بٹائیں ــــ" وہ دل ہی دل میں سلگنے لگی۔ کیا اب وہ ان کی ماں کی خدمت کرے گی؟ ان کے اس پرانے دھرانے گھر میں رہے گی؟ پاپا بھی چاہتے ہیں کہ وہ سسرال میں رہے بڑی اماں کو تو رٹ تھی۔ دیکھو بیٹی کو گھر نہ بیٹھاؤ! اب بھی سمجھ جاؤ ــ اسے سسرال میں رہنا ــــ ساس کی خدمت کرنا ، میاں کا دل ہاتھ میں لینا چاہیئے ، سمجھ جو بھگتے وہ جانے!

پہلے ہی سال انھوں نے گرمی میں کشمیر جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ زہرا اور منصور بھائی بھی ساتھ جانے والے تھے۔ اس کا جی تو بہت چاہا تھا مگر اماں اسے اتنی دور بھیجنے پر تیار نہ ہوئیں ــــ پاپا نے سمجھایا کہ اس کے میاں کو برا لگے گا ــ مہینے بھر سیر کر کے واپس آجائے گی مگر اماں ان پر خفا ہونے لگیں۔ " پرایا دیس غیر لوگ کیسے لڑکی وہاں رہے گی۔ اُسے تو کیا کہوں کہ اس حال میں بیوی کو دوست کے گھر لے جا کر رکھے گا ــ نہ حیا نہ غیرت ــــ دوست بھی ہندو ہے کوئی ــــ نا صاحب میری بچی وہاں نہ جائے گی ــــ اس کی بیوی ولایت کی پڑھی ہے ــــ ایسی ہی عورتیں تو مردوں کی نظروں

میں چڑھتی ہیں۔۔۔۔ میری بھولی بھالی بچی کا وہاں کیا کام ——"

اس کا جی چاہا تھا۔ اماں سے کہے وہ کشمیر کی سیر کرنا چاہتی ہے۔ اُسے یہ ڈر بھی تھا کہ وہ خفا ہو جائیں گے —— مگر کچھ نہ کہہ سکی۔ اماں سے اُسے جو الفت تھی ایسی تو کسی سے بھی نہ تھی پھر جب اماں نے کہا "ایسی حالت میں —— دو بار، شیطان کے کان بہرے —— اُسے کچھ ہو ہوا گیا —— تو میں کس کی ماں کو ماں کہوں گی؟" تو پاپا چپ ہو گئے اور خود اسے اندازہ ہوا کہ یہ جو کچھ دنوں سے اس سے کچھ کھایا نہیں جاتا، طبیعت سست رہتی ہے اس لئے کہ وہ ماں بننے والی ہے۔

انھیں برا ضرور لگا ہو گا مگر وہ خاموش ہو گئے —— زہرا نے چیخ کر کہا —— "یہ کوئی بات نہیں —— کیا ایسی حالت میں کوئی سفر نہیں کرتا؟" اسے بہت ناگوار ہوا "آپ لوگوں کے لئے میری جان کوئی حقیقت نہ رکھتی ہو مگر میرے ماں باپ کو تو پیاری ہے ——" یہ سن کر وہ عجیب سی ہنسی ہنسیں —— جانے کہاں جا کر یہ ہنسی چبھ گئی تھی کہ آج تک اس کی کھٹک باقی ہے —— یہ بات تو اسے بعد میں معلوم ہوئی کہ خود زہرا کے بھی بچہ ہونے والا تھا —— مگر وہ ایسی پکی ٹھاٹ تھیں کہ اپنی ماں تک کو خبر نہ ہونے دی۔

وہ اور زہرا باجی کشمیر چلے گئے —— وہ لوگ وہاں ڈیڑھ مہینے رہے مگر علی میاں دس دن بعد ہی واپس آ گئے مگر بجائے سسرال آنے کے اپنی ماں کے پاس گئے، وہاں سے انٹرویو کے لئے چلے گئے اور پورے مہینے بھر بعد ایک دن صبح صبح دیکھا چلے آ رہے ہیں —— اتنے دن وہ انتظار کرتے کرتے تھک چکی تھی اور غصہ تو آنا ہی تھا —— مگر جب وہ مسکراتے ہوئے گہرے نیلے سوٹ سرخ ٹائی اور نرم ہیٹ پہنے کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے تو ——

ایسا لگا کوئی لارڈ چلا آرہا ہے۔ انگلستان کا —— ذرا دیر کو غصہ خفگی جانے کہاں غائب ہو گئی —— اس کے بھائی بھی بڑے شاندار ہیں مگر اتنا خوبصورت تو کوئی بھی نہیں —— مگر جب انھوں نے "ہلو رضوانہ" کہا نئے سرے سے غصہ آگیا —— وہ برابر کی کرسی پر بیٹھ گئے "کیا حال چال ہے" اور اپنا ہیٹ اس کے سر پر رکھ دیا —— سب ہنسنے لگے —— اسے لگا سب اس پر ہنس رہے ہیں —— اس نے ہیٹ اتار کر دور پھینکا اور خود روتی ہوئی کمرے سے بھاگ گئی۔

وہ سب کے لئے کشمیر سے تحفے لائے تھے مگر سب پڑے جھک مارتے رہے —— وہ اُسے "خوش خبری" سنانا چاہتے تھے —— مگر وہ کبھی کسی کو نہ سنائی! اماں چپ تھیں، پاپا خفا تھے۔ بڑی اماں لعنت ملامت کر رہی تھیں —— مگر اُسے کسی کی پروا نہ تھی —— وہ روٹھی رہی کہ وہ آئیں، اُسے منائیں، خوشامد کریں!

اوہ خدایا! انھوں نے تو کبھی بھی یہ نہ کیا۔

اس رات چھوٹی باجی اور بڑی اماں کے اصرار کے باوجود اپنے کمرے میں سونے نہ گئی رات بھر اماں کے پہلو میں لیٹی روتی رہی —— یہی اگلی رات ہوا —— اب تو ضد آن پڑی تھی —— جب تک وہ نہ منائیں گے وہ ان سے نہ بولے گی! یہ بات اسی وقت کیوں سمجھ میں نہ آئی —— کہ وہ آخر اُسے کیوں مناتے؟ ان کا قصور کیا تھا۔ کشمیر وہ خود نہیں گئی تھی۔ ان کی بیمار ماں کے پاس جا کر نہ رہی تھی۔ انھیں انٹرویو میں جانا تھا —— پھر بھی وہ آئے اس کے لئے تحفے لائے تھے۔ انھوں نے بات کی تو جواب نہیں دیا —— مذاق کیا تو وہ اُن کے منھ پر مار دیا۔ پھر۔ پھر وہ کیوں مناتے؟

مگر —— دوسروں کے احساس اور جذبے کو سمجھنے کی اسے تعلیم ملی ہی کب تھی ؟

تیسرے دن صبح وہ جانے کے لئے تیار ہوکر کمرے سے نکلے ۔ بھابی جان انھیں روک رہی تھیں —— پاپا نے بھی کہا میاں دو چار دن رک جاؤ دھیرے سے انہوں نے کہا۔

" انکل مجھے بہار میں ملازمت مل گئی ہے ۔ ایک ہفتے کے بعد وہاں جانا ہے —— پھر اماں بھی اکیلی ہیں —— "

" بہار میں ملازمت —— ؟ " پاپا بس اتنا ہی کہہ سکے ۔

" جی ہاں ... لکچرر ہوگیا ہوں —— یہ تو میری خوش قسمتی ہے انکل ورنہ بغیر سفارش کے آجکل کیسے اچھی نوکری ملتی ہے —— "

" بیٹا تمہیں سفارش کی کیا کمی —— میں نے تو کہا تھا —— "

" مگر انکل —— مجھے سفارش کرانا اور احسان اٹھانا پسند نہیں —— کیا کروں بری عادتیں چھوٹ نہیں سکتیں " مسکرا کر انھوں نے کہا تھا۔

۔ مگر بیٹا یہ ڈھائی سو روپے کی ملازمت —— !! " پاپا پریشان تھے۔

" صاحبزادے بڑے ناک والے ہیں —— تمہارا احسان کیوں اٹھائیں گے —— اسی ڈھائی سو روپلی میں ماں ، بہن ، بیوی بچوں کو عیش کرائیں گے "

اماں کی بات سن کر وہ لرز گئے —— ان کا چہرہ بالکل سرخ ہوگیا تھا۔ لگا جیسے اب کچھ کہنے والے ہیں —— مگر پھر چپ ہوگئے ۔ اور جانے کو مڑے ۔

اس کا جی چاہا تھا وہ دوڑ کر ان کا ہاتھ پکڑ لے ۔ کہے اماں کی بات کا برا نہ مانو —— وہ مامتا سے مجبور ہیں —— میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔

اسی ڈھائی سو روپے میں گزر کر لوں گی ــــ کیا ہوا ــــ تنخواہ بڑھ جائے گی۔
مگر برا ہوا اس ضد اور غرور کا ــــ میاں چلا گیا اور وہ کچھ بول بھی نہ سکی!

شاید اُس دن یہ سانپ اس کی جنت میں گھس آیا تھا۔

رات گہری ہو گئی تھی، چاند کار کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا، کبھی کسی بادل کی اوٹ میں چھپ جاتا پھر منھ نکال کر شرارت سے مسکرانے لگتا ــــ جنگل میں پُراسرار سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ موٹر کی لائٹ کی دو تیز لکیریں روشنی کے دھارے کی طرح سڑک کے بیچوں بیچ آگے آگے دوڑ رہی تھیں۔ اس نے کراہ کر پہلو بدلا اور ایک دبی ہوئی سانس لی۔

"تھک گئیں ممی پیاری؟ ــــ" نگین کے لہجے میں محبت کی کھنک تھی۔

"ہاں میری بچی ــــ کئی گھنٹے بھی تو ہو گئے ــــ کب تک پہنچیں گے جمن خاں ــــ"

"بس بی بی ــــ پندرہ سولہ میل اور ہے ــــ نو بجے تک پہنچ جائیں گے ــــ"، جمن خاں نے یہ کہہ کر موٹر کی رفتار بڑھا دی۔

سڑک کے دونوں کنارے گھنے سایہ دار درختوں کی شاخیں خوفناک دیو کی طرح ہاتھ پھیلائے تھیں۔ کھیتوں اور باغوں پر پتلے چاند کی کمزور کرنیں۔ بھوتوں کے ڈیرے پر کانپتی پرچھائیوں کی طرح ہولناک معلوم ہو رہی تھیں۔ اندر موٹر کی تاریکی میں سامنے کی مشین کا ننھا سا سرخ بلب دمک رہا تھا۔

کئی مہینے تک ان کا خط نہیں آیا نہ اس نے لکھا۔
مگر خالہ اماں کی بیماری کا تار ملا تو پاپا خود اُسے پہنچا آئے۔ زہرا باجی
چچی اماں اور چچا جان اور ان کے لڑکے لڑکیاں سب آ گئے تھے سب لوگ
دن رات ان کی خدمت میں لگے رہتے وہ جیسے کسی کے ہاں مہمان آئی ہو۔
بہت جی چاہتا کہ وہ بھی خالہ اماں کی تیمارداری کرے مگر کبھی ایسے کام
کئے ہی نہ تھے اور پھر بیماروں سے ہمیشہ جی الجھتا رہا تھا دو تین
دن بعد وہ چلنے سے آئے۔ اُسے دیکھ کر مسکرائے۔ کیا نشتر لگا تھا اس
مسکراہٹ کا۔ جیسے کہہ رہے ہوں کہ دیکھا جھک مار کر آئیں نا ہمارے
یہی تو کسی نے نہ سمجھا کہ وہ خاموشی سے کس طرح اسے ستاتے اور ذلیل کرتے
رہے۔ بے پروائی اور بے نیازی کے کیسے تیر دل میں پیوست ہوتے رہے۔
پھر خالہ اماں اچھی ہو گئیں۔ پوتے کی امید نے ان میں نئی جان ڈال
دی تھیں۔ ہر وقت بہو کو پان پھول کی طرح پھیرتیں، کسی بات پر روک ٹوک
نہ کرتیں وہ بچاری تو ہمیشہ سے اسے چاہتی تھیں۔ زہرا باجی کے
بھی بچہ ہونے والا تھا۔ مگر وہ بیٹی سے زیادہ اس کی ناز برداری کیا کرتی
تھیں۔ کتنا ارمان تھا پوتے کا بچاری کو۔ دن بھر خالو ابا کے پرانے کپڑوں
میں سے پوتے کے لئے کرتے، ٹوپیاں سیا کرتیں۔ پرانے کوٹ اور سلکوں
میں سے صدریاں اور ننھے ننھے کوٹ ـــــــــــــــــــــــ

ـــــــــــ پرانی چادروں کے نہالچے پوتڑے! بچاری بڑی بی۔
انھیں اس کا اندازہ ہی نہ تھا کہ بچے کی نانی اپنے پہلے نواسے کے لئے کتنا

قیمتی اور شاندار جھوجھک بنا رہی ہیں ــــــ وہ بھلا اُسے یہ بازار نے دھلتے کپڑے پہنائیں گی؟ لیکن وہ ان سے کچھ بھی نہ کہتی اور سوچتی زہرا باجی کے بچے کے کام آجائیں گی یہ چیزیں ان کے تو سسرال میں کوئی بڑی بوڑھی بھی نہیں ہے۔

ساتویں مہینے اماں آکر اُسے لے گئیں۔ چلتے وقت خالہ اماں بلک بلک کر روئیں۔ ان کی تمنا تھی کہ بچہ ان کے گھر میں ہو ــــ مگر بھلا جاہل دائیوں میں وہ کیسے اپنی اکلوتی بیٹی کو چھوڑ دیتیں! اماں نے کہا تم خود آجانا بہو کے پاس ــــ وہ رو کر بولیں ــــ میری صحت اس قابل کہاں ہے۔ پھر زہرا کا چلّہ ہونے والا ہے!

"عرفان کے پیدا ہونے کی اماں اور ابا نے کتنی خوشیاں منائی تھیں۔ اماں نے ایک آیا رکھدی تھی۔ مجھے تو ہاتھ لگاتے ڈر لگتا تھا۔ جی چاہتا اُسے کوئی نہ دیکھے ــــ مگر ــــ وہ کب آئیں گے؟ کیا اپنے بچے کو دیکھنے کو دل نہیں چاہتا؟ کیا وہ اس سے محبت کریں گے یا ماں کے ساتھ بچے سے بھی خفا رہیں گے؟"

چھٹی کے دن تک وہ نہیں آئے ــــ پاپا اداس تھے۔ اماں بگڑ رہی تھیں ــــ مگر تقریب کے وقت وہ پہنچ گئے۔ بہت خوش مگر شرمائے سے۔ سب نے مبارک باد دی ــــ بچہ لاکر دکھایا ــــ رات گئے تک مہمان گھر میں بھرے رہے ــــ صبح منہ اندھیرے اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میاں نے بچے کو جھولے سے گود میں اٹھا لیا ہے اور ایک ٹک اسے دیکھ رہے ہیں۔ ــــ وہ حیرت اور مسرت سے انہیں دیکھ رہی تھی ــــ جن کی آنکھوں میں محبت کی جوت جگمگا رہی تھی اور ہونٹوں پر

مدھر مسکراہٹ کھیل رہی تھی - پھر انہوں نے بچے کا منھ چوما اور مسکرا کر جھک کر اس کی پیشانی بھی چوم لی! وہ بے اختیار رونے لگی تھی

یہ آنسو پشیمانی کے تھے ——— کہ مسرت کے ——— ؟ وہ نہیں جانتی!

اور اس طرح ان میں صلح ہو گئی -

بڑا چلہ نہائی تو خالہ اماں اور زہرا باجی بھی آئیں - ان بچاری کا بچہ جو عرفان سے دس دن پہلے پیدا ہوا تھا - دو دن زندہ رہ کر چل بسا تھا - جاہل دائیوں نے مار ڈالا ہوگا ——— خالہ اماں کو نواسے کا بہت غم تھا - مگر پوتے کی خوشی میں یہ غم بھول گئیں - زہرا باجی بڑی چپ چپ تھیں - ان کے ساتھ ان کا سوتیلا بیٹا بلال بھی آیا تھا - کتنا حسین بچہ تھا اور کتنا شوخ اور ذہین - بھائی صاحب تو فرشتہ تھے ——— سیاہ سفید کی مالک زہرا ہی تھیں ——— ان کے ہاں دولت نہ تھی - پر محبت تو تھی ، اتفاق تو تھا اپنا بچہ مر گیا ——— مگر سوتیلا بیٹا تو تھا ——— وہ ہر وقت ان کے گلے کا ہار رہتا تھا ——— ہا ——— اس دن کا واقعہ وہ کبھی نہ بھولے گی - کتنی پشیمانی ہوئی تھی مگر اس نے یہ جان بوجھ کر تو نہیں کیا تھا - وہ بہت تھک گئی تھی ——— آپا کی گود میں بچہ روئے جا رہا تھا اور اسے غصہ آ رہا تھا ——— باہر سے زہرا باجی آئیں اور بچے کی گود میں لے کر بہلانے لگیں - انہیں بھتیجے سے بڑا پیار تھا - کہتی تھیں یہ بالکل ابا میاں کی صورت ہے! اس وقت اسے خیال آیا ——— ہائے کیوں یہ خیال آیا - کہ ان کا بچہ مر چکا ہے ——— ان کی گود میں عرفان!! وہ جھنجھلا [illegible] آگے بڑھی اور ان کی گود سے بچہ کو لے لیا - ذرا دیر [illegible] کھڑی کی اسے

دیکھتی رہی ،، ایسے جیسے پتھر کی بن گئی ہوں - پھر وہ نظر نہ آئیں ــــــ اماں نے بتایا کہ وہ دن بھر روتی رہی تھیں! اگلے دن دونوں ماں بیٹی واپس چلی گئیں!! اس وقت اُسے اُن کی یہ نازک مزاجی بہت ناگوار ہوئی تھی۔

مگر آج اللہ رکھے ــــــ عرفان کی دوری کے احساس نے ــــــ اُسے یہ بتایا کہ ــــــ اسی دن زہرا باجی کے دل کو سچ مچ ٹھیس لگی تھی ــــــ شاید اس دن کے بعد سے ان دونوں میں کبھی وہ گہرا خلوص پیدا نہ ہوا جو شادی کے بعد سال سوا سال رہا تھا۔

افوہ ــــــ خدایا ــــــ یہ باتیں اُسے کیوں یاد آرہی ہیں؟ عرفان کے ہونے کے بعد کافی دن تک میاں بہت خوش رہے ــــــ اسے ننھیال لے جا کر بھی رکھا ــــــ بڑی خاطر اور خیال کرتے تھے ــــــ مگر وہاں زیادہ دن نہ رہ سکی۔ بچے کے دانت نکلنے لگے تھے اور وہ گھبرا کر ماں کے پاس چلی گئی!

تو ــــــ تو ــــــ یہ کیسے کہے کہ انھوں نے کبھی نہیں چاہا ــــــ ہمیشہ بے اعتنائی برتی؟ زندگی میں خوشی اور سکون بے شک نہیں ملا ــــــ مگر کیوں؟ آخر کیا وجہ تھی؟ کس کا قصور تھا ــــــ اس کا؟ ان کا؟ دونوں کا؟

یا اماں کا؟

خالہ اماں کا؟

یا تقدیر کا؟

یا ان سب کا؟

"بہار کے ہنگامے میں ان کی نوکری گڑبڑ ہوگئی وہ کسی طرح جان بچا کر وطن واپس آئے، دل شکستہ، بیزار پریشان۔ پاکستان بنا تو اس کے اور ان کے خاندان کے بہت سے لوگ اُدھر چلے گئے ــــــ کتنی جائیدادیں لٹ گئیں، کتنی

نوکریاں چھوٹ گئیں ـــــ کتنی جانیں ضائع ہوگئیں!

"خالہ اماں کے بھائی، بھاوج اور بھتیجی فساد میں مارے گئے۔۔۔ صدمے نے ان کو اس طرح بٹھا دیا کہ مہینے بھر اندر رہی وہ خدا کو پیاری ہوگئیں۔ مجھے ان کا بہت صدمہ ہوا ـــــ مگر ـــــ مجھے یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ ان سب باتوں کا اثر ان پر کتنا ہوا ہوگا؟ میری تو ساس تھیں اور ان کی ماں ـــــ ماں کا غم کتنا سخت ہوتا ہے یہ تو ماں کے بعد اندازہ ہوا ـــــ مرد کے لئے بے روزگار ہو جانے سے بڑھ کر کون سا حادثہ ہوگا؟ ۔۔ ان کی جگہ اپنے پر رحم آتا کہ ایسے نکھٹو کے پلے پڑی۔ اب اس بچے کا اور میرا کیا ہوگا؟ یہی اماں کہتیں یہی خاندان کے دوسرے لوگ کہتے تھے۔

ہائے کیوں میں نے ان کی دلداری نہ کی؟

ان کا دکھ اور غم نہ بٹایا ـــــ"

وہ میکے چلی گئی تھی۔ عرفان چھوٹا سا تھا اور نگین پیٹ میں تھی۔ اماں کو اس کی فکر الگ تھی اور جھگڑوں کا اندیشہ الگ! وہ چاہتی تھیں کہ اب رضوانہ سسرال آکر رہے۔ ماں کا بہانہ بھی اب نہیں رہا۔

پاپا کوشش کر کے ان کو اچھی سی ملازمت دلوا دیتے ـــــ مگر وہ چچا جان کے پاس بمبئی چلے گئے! جائیداد بیچ کر ان کے مشورے سے بزنس شروع کر دیا۔

کیا کیا یاد آرہا ہے؟

کیا کیا یاد نہ آئے گا؟

"وہ دور ہوتے چلے گئے ـــــ میں ان سے بدظن ہوتی گئی۔ وہ چپکے رہ کر اپنا دل دکھاتے رہے ـــــ میں چیخ پیٹ کر دل کا غبار نکالتی رہی۔ کبھی کبھار مہینے دو مہینے کو ان کے پاس چلی جاتی! مگر زیادہ تر میکے رہتی

تین سال اندر میرے ماں باپ بھی چل بسے! لاڈلی بیٹی کو تنہا چھوڑ گئے! جب لاڈ پیار میں عادتیں بگاڑی تھیں ——— ہائے اس وقت انھوں نے کیوں نہ سوچا کہ ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے جب وہ نہ ہوں گے۔ پھر وہیں جاکر رہنا پڑے گا۔

"بھلا یہ کون سوچتا ہے؟ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ لاڈلی بیٹے اور نواسہ نواسی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں۔ بھلا مجھ بے وقوف کے سوا کون بیٹی شادی کے بعد ماں کے گھٹنے سے لگی بیٹھی رہتی ہے۔

"مگر میں تو سوچتی؟ کوئی ننھی بچی نہ تھی؟ جاہل اور بیوقوف نہ تھی! کیوں اپنا برا بھلا نہ سمجھا؟

"اماں کی بیماری کا سن کر وہ فوراً آئے۔ ان کے دوا علاج کی ساری ذمہ داری اٹھائی ——— تیمارداری کی اور جب ان کا انتقال ہوا تو بھائی صاحب اور بھائی میاں کے ہوتے ہر کام خود کھڑے ہو کر کیا اور کرایا۔

اس وقت وہ چاہتے تو ——— مجھ سے انتقام لے سکتے تھے۔ مجھے بھائی بھاوجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے۔ مگر انھوں نے تو بڑی محبت اور اصرار سے مجھ سے کہا تھا اب تم اپنے گھر چلو۔

انھوں نے مکان لیا، سجایا، نوکر رکھے، اور اماں کے چہلم کے بعد مجھے ساتھ لے گئے ——— زہرا اور بھائی صاحب، بلال اور ننھی سی ہما سب وہاں موجود تھے جو ہر طرح میری دلجوئی اور دلداری کرتے تھے۔ کاش اس وقت ہی مجھے ہوش آجاتا۔

"آہ ——— اس مزاج نے کہیں کا نہ رکھا۔

خاموش رہوں تو دم جو گھٹنے لگتا ہے!

جو بات بری لگے اُسے ٹال نہیں سکتی۔

عمران پیدا ہوا تو مر کر بچی ۔ انھوں نے اور زہرا باجی ، چچا جان اور چچی اماں سبھوں نے میرا کتنا خیال اور خدمت کی ۔ اس وقت میں ان سب کی کتنی شکر گزار تھی ۔ بھائی میاں اور بھابی جان تو دیکھنے بھی نہ آئے تھے۔ الکشن لڑ رہے تھے۔ بھائی صاحب اور ان کا خاندان پاکستان جا چکا تھا ــــــ یہی لوگ تھے جنھوں نے اس وقت ساتھ دیا۔

کچھ دن اچھے گزرے ــــــ پھر جانے کیا ہوا کہ تعلقات بگڑتے گئے۔ میں ان کو پسند نہیں ہوں ــــــ مرضی کے خلاف شادی کی ہے !! اس لئے ان کا دل مجھ سے نہیں ملتا ۔ اسی لئے تو وہ میرے بچوں سے سختی کرتے ہیں ۔ بہن کو بھانجی کو ، رشتے کے بھائی بہنوں اور ان کے بچوں کو ہم سے زیادہ چاہتے ہیں ، عزیزوں دوستوں کی اولادوں پر واری نثار ، ان کی بیویوں کے مداح۔ وہ بھی تو ہر وقت الن بھیا ــــــ الن بھیا کرتی رہتی ہیں۔

کیسے کیسے خیالات ستاتے تھے ــــــ روتی دھوتی ، نوکروں پر بگڑتی ، بچوں سے خفا ہو جاتی ــــــ اور وہ یہ سب دیکھتے اور منھ سے کچھ کہے بغیر گھر سے چلے جاتے اور رات گئے واپس آتے ــــــ کہاں ؟ کیا کرتے تھے ــــــ کون جانے ؟

اتنا جانتی ہوں کہ وہ بدچلن نہیں ــــــ نہ پیتے پلاتے ہیں ــــــ عورتوں سے فلرٹیشن تک نہیں کرتے ــــــ یہی ہوتا تو صبر آجاتا ــــــ انھیں تو بس میری صورت سے نفرت ہو گئی ہے۔

مگر جب تک زہرا ــــــ آ کر نہ رہی تھیں یہ حال نہ تھا ــــــ وہ رانڈ ہو کر میرے سر پر مسلط ہوئیں تو بھائی کی محبت اور دلداری کی انتہا نہ

تھی ۔۔۔ جیسے بس ان کے سوا دنیا میں کوئی اور بہن بھائی ہی نہیں ۔۔۔ بھانجی سے وہ عشق کر کیا کہیے ۔۔۔ اور مجھ پر اور میرے بچوں پر اعتراض ، سختی۔ ہر وقت ان کی دلداریوں کی تاکید بھلا بچے یہ سب کیسے سہارتے ۔

اور جب وہ چلی گئیں ۔۔۔ نوکری کر لی تو اس کا الزام بھی مجھ پر ہی رکھا گیا ۔۔۔ منہ سے نہ کہا ہو ۔۔۔ مگر کیا میں سمجھتی نہیں کہ انھیں یہ خیال ہے کہ میرے سلوک سے بیزار ہو کر ان کی بہن چلی گئی۔

پھر یہ کمبخت دیوالہ بھی نکلنا تھا ۔۔۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی! پہلے کام میں لگے رہتے تھے آٹھ دس گھنٹے باہر گزارتے ۔۔۔ بے کار مرد تو عورت کے جی کا جنجال ہو جاتا ہے۔

خدا اُسے غارت کرے بے ایمان نمک حرام شریک کار کو جس نے دوست بن کر دھوکا دیا ۔۔۔ اِن کو سب دینا پڑا اور وہ دامن جھاڑ کر الگ ہو گیا۔

ہائے ہائے ۔۔۔ کس قدر تعریفیں تھیں اس کی، کتنا بھروسہ تھا۔ وہ بھی کتنا چالاک تھا۔ ہر وقت بھائی بھائی کرتا، بچوں کے لئے تحفے لاتا۔ وہ کہتے یہ تو میرا چھوٹا بھائی ہے ۔۔۔ کبھی آدمی کو نہ پرکھا ۔۔۔ مجھے تو سدا سے اس کی صورت سے نفرت تھی۔

اور اتنی بڑی بات ہو گئی مگر کیسا پی گئے ۔۔۔ چھوٹے منہ سے کبھی یہ نہ بتایا کہ کیا ہوا ہے ۔۔۔ دو مہینے تک چچا جان کے پاس رہے ۔۔۔ مجھے کیا خبر میں سمجھی کام پڑ گیا ہے ۔۔۔ وہ تو منجھلی بھابی جب آئیں تو انھوں نے بتایا کہ بزنس فیل ہونے سے ان کی صحت پر بہت برا اثر پڑا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ چچا جان نے دو مہینے اسپتال میں رکھ کر علاج کرایا ہاں مجھے کیوں بتایا جاتا ۔۔۔ میں ان کی کیا لگتی تھی بھلا؟

اور اس دن سے جو صحت گری اور چپ لگی ہے تو یہ دن آ گیا۔ ہنستے کبھی ہیں تو اوپری ہنسی۔ بس بہن آ جائے تو زرا خوش ہوتے ہیں یا کوئی پرانا دوست مل جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی ہیں —— ورنہ کون کہے گا کہ یہ وہ ہنس مکھ، خوش مزاج، ظریف انسان ہے جو روتوں کو ہنسایا کرتا تھا۔

کبھی نوکروں سے الجھتے ہیں —— بچوں کی الگ شامت آ گئی ہے۔

ہائے میرا لال، انھیں کا ستایا ملک بدر ہوا —— نگین اور عمران پر ہر وقت کی روک ٹوک! بھلا آج کل جوان بچے کہاں یہ سب سہتے ہیں —— میں بھی ڈانتی پھٹکارتی ہوں! مگر ماں کی بات اور ہوتی ہے۔

جانے پائیسیوں کا کتنا روپیہ ملا ہے؟ اب کتنا باقی ہے؟ کب تک چلے گا یہ روپیہ؟ بیٹھے بیٹھے تو قارون کا خزانہ بھی خالی ہو جاتا ہے! آخر وہ کچھ کرتے کیوں نہیں؟

کس مصیبت سے گھر کا خرچ پورا کرتی ہوں —— خدا بھائی میاں کو سلامت رکھے جو وقت بے وقت سہارا دیتے ہیں —— یا وہ اناج و ناج آ جاتا ہے۔ نہیں تو —— عرفان نہ جاتا تو ان کا یہ حال شاید نہ ہوتا —— جوان بیٹے کی جدائی نے اور صحت اور مزاج بگاڑ دیا —— کہنے کو جس کا جو جی چاہے کہے —— مگر جس طرح ان کی بے کاری اور غریبی میں میں نے ساتھ دیا ہے کون عورت دے گی؟ اس اجڑے مراد پور میں آ کر رہی —— اس بد دماغ رحیمن اور سٹھیائے نصرو سے کام ہی کیا ہوتا ہے —— اپنی ہی ہڈیاں پیلتی ہوں! اور وہ مزے سے پلنگ پر پڑے ریڈیو سنتے ہیں —— یا کتابیں پڑھا کرتے ہیں۔

اب تو کھانسی اور سانس کی شکایت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

لوگ کہتے ہیں دمہ والے کی عمر بڑی ہوتی ہے۔

جانے اب جی کیسا ہوگا؟

برابر کا بیٹا اس وقت پاس ہوتا تو باپ کا سہارا بنتا، ماں اور بھائی بہنوں کو سنبھالتا ـــــ تو کیا ـــــ کیا بھائیوں کا محتاج ہو کر۔

" خدا نہ کرے ـــــ خدا نہ کرے ـــــ میرے دشمن ـــــ الٰہی وہ سلامت رہیں ـــــ ان کی سو برس کی عمر ہو ـــــ وہ کیسے ہی ہیں میرے سر کا سہاگ ـــــ میرے سرتاج ـــــ میرے محبوب ـــــ "

نگین اونگھ گئی تھی ـــــ ہچکیوں کی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ماں کی آنکھوں سے گنگا جمنا بہہ رہی تھی ـــــ مٹھیاں بھینچی ہوئی اور سارا جسم بید کی طرح کانپ رہا تھا۔

" ممی ـــــ ممی خدا کے لئے سنبھلئے ـــــ آپ مجھے کہہ رہی تھیں اور آپ خود اتنی پریشان ہو رہی ہیں ـــــ وہ دیکھئے ـــــ روشنی نظر آ رہی ہے ـــــ ہم مراد پور میں داخل بھی ہو گئے ـــــ وہ اُدھر ہمارے گھر کی دیوار ہے ـــــ دیکھئے آپ روتی ہوئی بابا کے پاس نہیں جائیں گی ـــــ "

مگر خود اس کے گلے میں کچھ اٹک کر پھنس گیا۔

جمن خاں نے موٹر روک لی ـــــ " اب آگے سڑک بن رہی ہے ـــــ ہمارا گاڑی بڑا ہے نیا ہے ـــــ وہاں نہ جا سکے گا ـــــ خراب ہو جائیگا۔

ـــــ ۹ ـــــ

۱۳

"زہرا ــــ حمرا ــــ نگین ــــ عمران ــــ"

علی میاں کی آواز سارے گھر میں گونج اٹھی ــــ اور زہرا نے اُلجھ کر کہا "یہ اتنا چیخ کیوں رہے ہیں ــــ؟"

ایک ہفتے کے بعد ڈاکٹر مسرا ان کو خود اپنی موٹر میں آگرہ لے گئے تھے ــــ زہرا ساتھ گئی تھی۔ وہاں انھوں نے بہت سے معائنے وغیرہ کرائے اور پھیپھڑے سے پانی نکالا ــــ زہرا نے ان سے اور دوسرے ڈاکٹروں سے بہت جرح کی! کیا بیماری ہے؟ اتنا بہت سا پانی ــــ پلورسی میں کہاں ہوتا ہے ــــ؟ مگر کسی نے بھی اُسے تسلی بخش جواب نہیں دیا اور ڈاکٹر مسرا الٹا ڈانٹنے لگے ــــ "بھتیجی تم بہت بد بحث ہو۔ ڈاکٹروں سے اُلجھا نہیں کرتے۔ ان کی ہدایتوں پر عمل کرتے ہیں"۔ تین دن بعد ڈاکٹر صاحب خود پہنچا گئے تھے اور اب آٹھ دس دن سے ان کی طبیعت بہت بحال تھی۔

رضوانہ جب رات کو پہنچیں تھیں تو زہرا نے بہت چاہا کہ اس وقت بھیا کو ان کے آنے کا حال معلوم نہ ہو مگر اس کی کون سنتا ــــ بھابی تو اترتی ہی روتی ہوئی تھیں ــــ بھیا کے کمرے میں جا کر روتے روتے بے حال ہو گئیں،

نگین کا الگ برا حال تھا اور بھیا خود ہچکیوں سے رو رہے تھے ۔۔۔۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ کیا کرے ۔۔۔ کیسے ان سب کو سمجھائے۔

مگر ڈاکٹر صاحب کی دوا کا بہتر اثر ہوا اور پھر آگرے کے علاج سے بھی فائدہ ہوا۔

مگر احتیاط، پرہیز اور آرام کی تو اب بھی سخت ضرورت ہے! مگر وہ کسی کا کہنا کہاں مانتے ہیں؟

"کیوں بے کار چیخ رہے ہیں بھیا؟"

"جانے کیا بات ہے ۔۔۔؟" حمرا نے اپنے الجھے بالوں کو سلجھانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اس گھر میں کوئی بات نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے ۔۔۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتیں ۔۔۔ بھیا میں برداشت نہیں رہی نہ خوشی کی نہ غم کی ۔۔۔"

"سمجھ کیوں نہیں سکتی۔ خوب سمجھتی ہوں کہ پریشانیوں اور دکھوں نے ان کے مزاج میں الجھن اور بے صبری پیدا کر دی ہے ۔۔۔ مگر ۔۔۔ مگر اپنی صحت کی خاطر ہی صبر سے کام لیں ۔۔۔ خوش رہیں ۔۔۔"

"یہ اپنے بس کی بات نہیں ہوتی باجی ۔۔۔ خاص کر بیمار کے لئے جس کی ول پاور (will power) ویسے ہی کمزور ہو جاتی ہے۔"

"ہونھ ۔۔۔ وہ ہیں ہی ضدی۔"

"اور خود آپ ۔۔۔؟ آپ بھی تو اپنے کو اتنا اسٹرین کر رہی ہیں؟ نہ دن میں چین لیتی ہیں نہ رات کو سوتی ہیں۔" حمرا نے زرا غصہ سے کہا۔

"سونا میرے بس کی بات نہیں۔"

"جی ہاں جب بیمار پڑ جائیں گی تو بچارے بھیا کے لئے اور پریشانی بڑھے گی ـــــ مگر آپ تو بس دوسروں کو نصیحت کرنا جانتی ہیں۔"

"زہرا ـــــ زہرا ـــــ کہاں گئی زہرا ـــــ نگو پھپھو کو بلاؤ نا"

زہرا نے کام چھوڑا اور بھائی کے کمرے کی طرف بھاگی۔ پیچھے سے حمرا کی آواز آتی رہی "باجی ـــــ باجی آپ گر پڑیں گی ـــــ آپ بھول جاتی ہیں کہ اٹھارہ بیس برس کی لڑکی نہیں ہیں اب ـــــ سنبھل کے ـــــ"

کوئی آکر ـــــ اس سے لپٹ گیا ـــــ "ارے تو؟" ہما ماں کے گلے سے لپٹی ہنس رہی تھی۔ حمرا کو دیکھ کر ماں کو چھوڑ کر اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"ہائے خالہ امی میں کتنا تڑپ رہی تھی آپ سے ملنے کو۔"

"یہ اچانک تم کیسے آگئیں ـــــ؟"

"خالہ امی پرسوں امی کا خط پہنچا کہ نصیب دشمناں ماموں جان کی طبیعت خراب ہے اور وہ ابھی نہیں آئیں گی ـــــ بس میرے لئے ایک منٹ وہاں ٹھیرنا مشکل ہو گیا ـــــ رشید کو ساتھ لیا ـــــ پھوپی اماں کا پوتا ـــــ وہیں پڑھتا ہے نا ـــــ کل چلی ـــــ آج پہنچ گئی۔"

"انٹرویو کا کیا ہوا ـــــ؟"

"ہو گیا ـــــ"

"پھر ـــــ؟"

"پھر کچھ نہیں ـــــ" ہما نے مسکرا کر کہا۔ حمرا کا دل بجھ گیا ـــــ بچاری نہیں لی گئی ـــــ زہرا باجی کی پریشانیوں کا کب خاتمہ ہوگا خدایا؟

"جاؤ تم اپنی ممانی جان سے تو مل آؤ۔

"ملنا ہی پڑے گا ـــــــ" ہما نے لمبا سانس لیا اور باورچی خانہ کی طرف مڑ گئی جہاں سے ان کی کراری آواز سنائی دے رہی تھی ـــــــ حمرا بھیا کے کمرے میں داخل ہوئی ـــــــ زہرا باجی ـــــــ ان کی رضائی میں گھس بیٹھی جھگڑ رہی تھیں اور وہ ہنس ہنس کر انھیں چھیڑ رہے تھے۔ وہ ٹھٹک کر ان باتوں کا لطف اٹھانے لگی ـــــــ کتنا روح افزا منظر ہے ـــــــ جیسے پچیس برس پہلے کا زمانہ بیچ میں سے کہیں غائب ہو گیا ہو۔ بھیا کی آنکھوں میں محبت اور اطمینان کی چمک آواز میں تندرستی کی کھنک، چہرے پر سرخی، ہونٹوں پر ہنسی! اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

"آج تو ماشاء اللہ بھیا بہت خوش ہیں ـــــــ" حمرا نے آگے بڑھ کر علی میاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"خوش کیسے نہ ہوں۔ آج میری بیٹی آئی ہے۔ اور اس چڑیل نے بنایا ہی نہیں کہ اسے بلایا ہے ـــــــ تمہارا تو ابھی کشمیر وشمیر جانے کا پروگرام نہیں ہے ـــــــ میں ابھی نہیں نہیں جانے دوں گا ـــــــ" ایسی بے تکلفی اور اپنایت سے انھوں نے اتنے عرصے میں ایک بار بھی بات نہ کی تھی۔

"آپ لاکھ ہنٹ دے میں جاؤں گی ہی نہیں۔" سر جھکا کر حمرا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں ـــــــ میری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو میں خود جا کر چھوڑ آؤں گا۔ مقصود کی مجال نہیں کہ کچھ کہے۔"

حمرا نے سر جھکا لیا ـــــــ بھیا کے سامنے شادی شدہ زندگی کا تذکرہ اُسے بہت عجیب لگتا تھا۔

"رات کیسی نیند آئی بھیا۔ میں تو رات بڑی بے خبر سوئی۔"

زہرا ہمیشہ اڑے وقت میں کام آتی تھی۔

"خوب سویا ـــــ آج تو میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے ـــــ نگو بیٹی اپنی ماں سے کہو آج مجھے وہی ناشتہ ملے۔ جو ـــــ جو ـــــ تمہاری اس ندیدی پھپھو کے لئے بنا دیئے۔"

"میں تو وہی دودھ دلیا کھاتی ہوں بھیا جو تم کھاتے ہو ـــــ" بھولا سا منھ بنا کر زہرا نے کہا تو حمرا اور نگو دونوں ہنس پڑیں۔ "جھوٹ بابا ـــــ ان کے لئے تو آج بھی پوریاں اور آلو ـــــ"

اور پھوپی کا اشارہ دیکھ کر وہ جلدی سے باہر چلی گئی۔

"بس چار یا پانچ دن اور پرہیز کر لو ـــــ سنیچر کے دن ڈاکٹر انکل آئیں گے پھر جو تم کہو گے وہی کھانے کو ملے گا ـــــ۔"

بھیا نے منھ بنایا "یہ بڑی ظالم ہے ـــــ مگر حمرا میری بڑی اچھی بہن ہے ـــــ"

"بھیا ہم دونوں ہمیشہ سے ان کے ظلم کا شکار رہے ہیں ـــــ ان کے حکم کے خلاف نہ تم کچھ کر سکتے ہو نہ میں ـــــ"

بھیا ہنس پڑے ـــــ "تم سب کی ملی بھگت ہے ـــــ سمجھ گیا ـــــ خیر جو بھی چونی بھوسی تم لوگ دو گے کھا لوں گا۔

دہ ہر چہ از دوست میرسد نیکو است"

"چونی بھوسی تمہاری فطری غذا جو ٹھیری ـــــ" زہرا نے سو کھا منھ بنا کر کہا۔

"تو خود بھینس ہے ـــــ" بھیا نے اس کی چھوٹی سی ستواں ناک پکڑ کر مروڑ دی اور دوسرے ہاتھ سے گدگدی کرنے لگے ـــــ زہرا ان کے پلنگ پر لوٹ رہی تھی اور تینوں بے تحاشا ہنس رہے تھے ـــــ عین

اس وقت رضوانہ ناشتہ کی ٹرے لئے کمرے میں داخل ہوئیں اور ٹھٹھک کر کھڑی ہوگئیں! ہنسی کے ان نوازوں نے انھیں سر سے پیر تک بھگو دیا!

حمرا چپ ہوگئی —— اس نے دیکھا زہرا باجی ایک دم سنجیدہ بن کر بیٹھ گئیں —— بھیا نے ایک نظر زہرا پر ڈالی ایک بیوی پر —— اور پھر یوں سنبھل کے بیٹھے جیسے کسی دارکو روکنا ہے —— مگر —— مگر بھابی تو جب سے آگرے سے آئی تھیں جیسے بدل ہی گئی تھیں —— ایک بار بھی انھیں ہسٹریا کا دورہ نہیں ہوا تھا۔ نہ چیخنے چلانے کی آوازیں سارے گھر میں گونجی تھیں —— موڈ بگڑتا بھی تو زرا دیر میں ٹھیک کر لیتیں۔ روتی بھی تو چپکے چپکے۔ چہرے کا اتار چڑھاؤ البتہ ان کے بس کا نہ تھا —— اس وقت بھی تیوری کے بل سب نے دیکھے —— مگر زرا دیر میں وہ مسکرانے لگیں ——

"ماشاءاللہ آج تو تم بہت اچھے لگ رہے ہو۔"

"یعنی بہت خوبصورت ——؟" بھیا نے ہنس کر کہا۔

"خوبصورت تو ہو ہی —— میرا مطلب ہے کہ جی ماشاءاللہ اچھا ہے ——" اور ناشتہ کی کشتی چھوٹی میز پر رکھ کر سامنے سرکا دی۔

"اُنھہ دہی دودھ دلیا —— دہی بسکٹ —— ہما کیا لائی ہے ناشتہ میں ——"

"ہما —— ڈارلنگ ——" علی میاں اُسے ہمیشہ ڈارلنگ کے نام سے پکارتے تھے۔

ہما کمرے میں داخل ہوئی۔ گہرے سبز رنگ کا چوڑی دار پاجامہ، پرنٹڈ کھدر کا ڈھیلا کرتا، سبز چنا ہوا ڈوپٹہ —— اس کے لمبے سیدھے

گیلے بال بیٹھ پر تولیے کے اوپر پڑے تھے اور نہانے سے سانولے رنگ میں پکے سیب کی سی سیاہی مائل سرخی دمک رہی تھی ـــــ حمرا کی نظر اس پر سے ہٹ نہیں رہی تھی " کتنی دلکش صورت نکالی ہے اس نے ۔" بھیا کی نظروں میں بھی یہی بات تھی اور شاید بھابی بھی یہی سوچ رہی تھیں ۔

" ڈارلنگ یا تو مجھے بڑھیا ناشتہ کرا ـــــ ورنہ تجھے بھی یہی کھانا پڑیگا ۔"

" ماموں جان ـــــ کیا آپ کو مچھلی کھانے کی اجازت ہے ؟"

" ہاں مچھلی تو کھلاتے ہیں ـــــ پرسوں تو مل گئی تھی ۔ دو وقت کھلائی مگر اس وقت کہاں سے آئے گی ـــــ " رضوانہ نے کہا ۔

پل بھر میں ہما اپنے ساتھ کا ناشتہ دان اٹھائے چلی آ رہی تھی ۔

" ارے کیا کیا پکا لائی ـــــ ؟" زہرا نے پوچھا

" آپ مت لیجئے ـــــ میں تو اپنے ماموں جان کے لئے مچھلی پکا کر لائی ہوں ۔ مجھے پتہ ہے میرے ہاتھ کے مچھلی کے کٹلس وہ ہمیشہ شوق سے کھاتے ہیں ـــــ " یہ کہہ کر اس نے دو تین کٹلس ماموں کی پلیٹ میں رکھے ۔ علی میاں نے ہاتھ بڑھایا ۔

" ہیں ہیں ـــــ یہ ٹھنڈے ہیں ـــــ ذرا گرم تو ہو جانے دو ـــــ " رضوانہ نے روکا ۔" نگین میری بچی ذرا گرم تو کرلانا یہ کٹلس "

نگین ہما آپی کے آنے سے خوش بھی تھی اور ان کی اس قدر خاطر داری اور بابا کے اظہار محبت سے ناخوش بھی ـــــ اس وقت اٹھنا بھی کھل گیا ۔ یہاں سب مزے مزے کی باتیں کر رہے ہیں ، ہنس بول رہے ہیں اور اسے ہی کام بتا دیا گیا ۔ وہ بے دلی سے اٹھی تو ہما بھی ناشتہ دان اٹھا کر ساتھ چلی ۔

"کہاں چلیں ڈارلنگ ـــــ ہم اور کچھ نہیں چرائیں گے ـــــ ویسے ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اس میں گاجر کا حلوہ بھی ہے اور آلو یا گوبھی کے پراٹھے بھی ـــــ"

"بڑی تیز نظر ہے ماموں جان پیارے ـــــ حلوا تو آپ کو ذرا سا۔ بس چمچہ بھر ملے گا ـــــ امی آپ کتنے ہی اشارے کریں میں اپنے ماموں جان کو ذرا سا حلوہ ضرور چکھاؤں گی ـــــ" وہ ہنستی ہوئی باہر چلی گئی اور زہرا بگڑتی رہی "چڑیل بھیا کے سامنے اور بھی اترا جاتی ہے"

بھیا گاؤ کے سہارے بیٹھ گئے۔ رضوانہ ناشتہ کرانے لگیں۔ حمرا سوچ رہی تھی۔

"ڈاکٹر انکل کا علاج ماشاءاللہ بہت راس آیا ہے۔ کئی دن سے سانس کی تکلیف بھی بہت کم ہے۔ آج رات آرام سے سوئے بھی۔ چہرہ پر بھی رونق ہے ـــــ اب اتنا سخت پرہیز نہیں کرانا چاہیئے ـــــ مچھلی تو خیر مگر گاجر کا حلوہ ـــــ نہیں ذرا سا بھی ثقیل ہوتا ہے ـــــ ڈاکٹر انکل نے بہت احتیاط کرنے کے لئے کہا ـــــ چار دن بعد وہ آئیں گے ـــــ کم سے کم اتنے دن تو پرہیز جاری رہنا چاہیئے۔

"کس سوچ میں گم ہو حمرا بی بی ـــــ" علی میاں نے مسکرا کر کہا۔

"مقصود بھائی کی یاد ستا رہی ہے ـــــ" رضوانہ نے آج پہلی بار اُسے چھیڑا تھا۔

"میرے خیال میں تو بھوک ستا رہی ہے ـــــ رات کھانا بھی نہیں کھایا تھا ـــــ"

زہرا نے بات بدل لی۔

نگین اور ہمانے گرم گرم کٹلس اور تھوڑا سا حلوہ پلیٹ میں رکھ دیا۔

"اُفوہ بڑی بھوک لگی ہے ——— بھیا ایک کٹلس کھا لوں ———"
اور جواب کا انتظار کئے بغیر ایک کٹلس زہرا کے منھ میں پہنچ چکا تھا۔

"ہائے بے درد پورا کٹلس کھا گئی ——— مجھ غریب کو ملتا ہی کیا ہے کھانے کو ———"

"بابا میں اور لے آؤں گی ———"

"علی بھیا اس حلوے پر میرا جی آ رہا ہے ——— کتنا خوش رنگ اور خوشبودار ہے ———" حمرا نے ہاتھ بڑھایا۔

"بے ظالم تو یہ کھالے ———" ایک انگل بھر منھ میں رکھ کر باقی حلوہ بھیا نے چمچے میں لے کر حمرا کے منھ میں ٹھونس دیا ——— "میں خوب سمجھتا ہوں تم دونوں کی ٹرک ———"

زہرا بچا ہوا توس مزے سے کھا رہی تھی۔

"اف کتنی چالاک ہیں یہ لومڑیاں ———" رضوانہ نے گھبرا کر ان کا منھ دیکھا ———

"تم نہیں جانتی رضوانہ ——— بچپن ہی سے یہ میرا حق مارتی آئی ہیں ——— جب اماں میرے لئے انڈے کا حلوہ یا پینڈیاں یا مونگ کے لڈو بناتیں اور چھپا کر رکھ دیتیں ——— ہر طرف دیکھ کر چپکے سے مجھے بلا کر کھانے کو دیتیں ——— تو جانے ان کو کون سی حس جاگ جاتی اور یہ آ کر چالبازی سے آدھے سے زیادہ ہتھیا کر ہڑپ کر جاتی ——— میں سیدھا سیدھا، شریف بچہ" ——— انھیں کھلا کر خوش ہوتا ——— بچاری کھبو کی فقیرنیوں کو کھلانا ثواب ہے نا ———" وہ زور سے ہنس پڑے ———

"یہ اب بھی ویسی ہی بھو کی ——ف——ف—— لومڑیاں ہیں——"
اور یہ کہتے کہتے وہ ماضی کی بھول بھلیاں میں کھو گئے ——رضوانہ نے حسرت سے ان کو دیکھا، ان کے پُرمسرت خوشگوار ماضی میں وہ کبھی حصہ دار نہ بن سکی تھی۔
"ہما—— اے ہما—— ارے نگو—— تم دونوں کہاں چلی گئیں——" زہرا کو جانے کیوں ایک دم ان دونوں کی یاد نے بے قرار کر دیا۔
"وہ دیکھیے دونوں ناشتہ دان میں سے نکال نکال کر کھائے جا رہی ہیں۔
ارے یہ تو سب کھا جائیں گی——" یہ کہہ کر عمران بھاگا اور یہ تینوں ہنسنے لگے۔
ہائے یہ بھائی بہن کی رقابت—— دنیا میں اس سے بڑھ کر پیارا جذبہ کوئی اور بھی ہے؟ زہرا کی آنکھیں اب گویں ہو گئیں۔ باہر سے آواز آرہی تھی "ہما ابی۔ پھپو بلا رہی ہیں—— نگو باجی آپ بھی جائیے نا—— کھا کھا کے بیٹا بیں درد کرتا ہے کیا——؟"
ہما آکر ماموں کے پاس بیٹھ کر تلوؤں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔
"ہائے کتنے گورے اور خوبصورت ہیں میرے ماموں جان کے پاؤں"
"بس بس خوشامد نہ کر—— امی کچھ نہیں کہیں گی——"
"کیا بات کیا ہے بھیا——؟"
"کوئی بات نہیں—— بس یہ سب بچے تین کے تیرہ ہیں——"
"ہٹ رہے ہٹ رہے—— بھتری پھیر زن رہا یا" نگین نے اچھل کر کہا اور باپ سے لپٹ گئی——رضوانہ کی تیوری پر بھی بل آ گئے مگر وہ کشتی اٹھا کر باہر چلی گئیں——
"زہرا——"
"ہاں بھیا——"

"مٹھائی کب منگا رہی ہے ــــــ"

"جی نہیں بھرا حلوہ کھا کے ــــــ؟"

"میں نے کھایا یا تم دونوں ڈھکوس گئیں ــــــ مٹھائی منگاؤ ــــــ"

"کیوں منگاؤں ــــــ کیا میرے پاس مفت کے پیسے ہیں۔"

"guess کرو ــــــ"

"تمہاری صحت کی ــــــ؟"

"میری صحت ؟؟ کیا کیا خوش فہمیاں ہیں!!"

"کیسی باتیں کرتے ہو ــــــ"

"پھر باتیں ایسی نہ سنئے گا ــــــ"

"میں اپنا سر پھوڑ دوں گی"

"اس کا وقت بھی دور نہیں ــــــ"

زہرا نے بے بسی سے بھائی کو دیکھا اور آگ کے شعلوں کو آنکھوں سے گلے میں اتار لیا۔

"امی مٹھائی تو ماموں جان کھلائیں گے ــــــ" ہما بولی۔

"اُنھ کیا ماموں بھاجی نے مٹھائی مٹھائی لگا رکھی ہے ــــــ"

"ہمیں منگا دیں گے ڈارلنگ ــــــ" علی میاں نے مسکرا کر بہن کو دیکھا۔

"اور پہلی تنخواہ بھی ہمیں لے لیں گے۔"

"کیسی تنخواہ ــــــ کس کی تنخواہ ــــــ؟" زہرا دم بھر کو رکیں۔

"ارے تیرا انٹرویو ہو گیا ــــــ؟"

"جی امی ــــــ"

"کیا ہوا ۔۔۔۔ کیسا ہوا ؟"

"اچھا ہو گیا ۔۔۔۔"

"پھر ۔۔۔۔ ؟"

"پھر کیا ہماری لائق بیٹی کے سامنے کون ٹھیر سکتا تھا ۔۔۔۔ مل گئی اُسے ملازمت ۔۔۔۔"

ہما ماں کے گلے سے لپٹی تھی اور اُس کی آنکھیں ہما کے گیلے بالوں میں موتی ٹپکا رہی تھیں۔

"بالکل پاگل ہے بے بات بھی روتی ہے ۔۔۔۔" بھیا نے خود روتے ہوئے کہا۔

"میری تو کوئی سفارش بھی نہیں تھی ماموں جان ۔۔۔۔ امید ہی نہ تھی کہ یہ ملازمت مل جائے گی ۔۔۔۔ مگر آپ کی اور امی کی دعائیں ۔۔۔۔"

اور اس نے سر جھکا لیا آواز بند ہو گئی۔

باپ اور بھائی کی صورتیں آنکھوں میں پھرنے لگتیں ۔۔۔۔ ببّلو بھائی کہا کرتے تھے امی جب میری ہما ایم ۔اے کرے گی تو بڑا جشن مناؤنگا اور ملازمت ۔۔۔۔ نہیں ۔۔۔۔ میری بہن کیوں نوکری کرے گی ؟ میں جو ہوں ۔۔۔۔"

"کتنے روپے ملیں گے ڈارلنگ ۔۔۔۔"

"چار سو کے قریب ۔۔۔۔"

"واہ وا ۔۔۔۔ پھر کیا ہے ۔۔۔۔ ہم بھی اپنی بیٹی کے پاس آکر رہیں گے اور یہ ہملا کرے گی ۔۔۔۔" انھوں نے زہرا کا منھ چڑا اور سب کو ان کی خاطر ہنسنا پڑا۔

کئی دن گھر میں اتنی رونق رہی کہ لگتا ہی نہ تھا کہ یہ وہی گھر ہے۔ لڑکے لڑکیوں کی ہنسی کی جھنکار سارے گھر میں گونجتی ایک دن نگین اور ہما نے مل کر کھانا پکایا، دوسرے دن عمران نے پک نک کا پروگرام بنایا جس میں اس کے کئی نوعمر دوست بھی شریک ہوئے۔ رضوانہ نے اصرار کیا کہ زہرا باجی اور حمرا بچوں کے ساتھ چلی جائیں۔ علی میاں کے پاس وہ خود رہیں گی۔ بھاوج کا اصرار اور بچوں کی خوشی کی خاطر دونوں کو جانا پڑا۔ دن بھر دریا پر پک نک منائی گئی۔ بچے نہائے دھوئے، ایک دوسرے پر پانی پھینکا، مچھلی پکڑی، چھوٹی ناؤ میں بیٹھ کر سیر کی —— حمرا اور زہرا کنارے پر بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔ باتیں کیا وہی بھیا کی صحت کا ذکر۔

یہاں رضوانہ کھانا وغیرہ سے فارغ ہو کر میاں کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

"رضوانہ .... میں سوچ رہا ہوں کہ ہما اور حمرا کے لئے کچھ منگا تا چاہیئے خیر زہرا کا کیا ہے اُسے تو کچھ بھی دیدوں گا۔"

"واہ زہرا باجی کے لئے تو میں آگرے سے ساڑھی لے بھی آئی۔"

"ہما کو تم نقد روپے دیدینا —— جو اس کا جی چاہے گا منگالے گی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے ——"

"اور حمرا کو ——"

"بھئی ان کو ہم غریب آدمی کیا دے سکتے ہیں —— وہ ٹھہریں امیر آدمی ——"

"وہ امیر ہو یا بڑی ۔۔۔ میری تو چھوٹی بہن ہے ۔۔۔ برسوں بعد آئی ہے! اسے کچھ نہ کچھ تو ضرور دوں گا ۔۔۔"

"ضرور دو ۔۔۔ وہ جو کئی سال ہوئے کشمیر سے تم میرے لئے شال لائے تھے وہی دیدینا نئی رکھی ہے بالکل۔"

"نہیں رضوانہ! اب تمہارے لئے آتا ہی کیا ہے کہ پہلے ہی کی لائی چیز بھی کسی کو دیدوں!"

"تم سلامت رہو لانے والے ۔۔۔ ہزار بار لاکر دوگے ۔۔۔" یہ کہتے کہتے رضوانہ کی آواز گھٹ گئی علی میاں چپ ہو گئے۔ ذرا دیر بڑی تکلیف دہ خاموشی رہی۔

"رضوانہ ۔۔۔ میرے پاس اماں کی ایک انگوٹھی ہے ۔۔۔ اصل میں وہ خالہ امی کی ہے جو انہوں نے ایک بار اماں کو دی تھی کہ اس کو بیچ کر روپے منگادیں۔ اماں نے انگوٹھی اپنے پاس رکھوالی تھی۔ ان کا ارادہ حمرا کی شادی پر دینے کا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی وہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اس کی شادی بھی ولایت میں ہوئی ۔۔۔ یہ انگوٹھی اماں نے مجھے دیدی تھی مگر وہ ہے اس کی امانت ۔۔۔" وہ کہتے کہتے کچھ کھو سے گئے!

"وہی جو اکثر پہنے رہتی تھیں ۔۔۔ بڑے سے فیروزے کی انگوٹھی۔"

"وہی ۔۔۔"

"تو وہی دیدو ۔۔۔"

"وہ اس کے پاس اس کی ماں اور خالہ کی نشانی رہے گی ۔۔۔"

رضوانہ کا دل اندر سے زور سے پھڑ پھڑایا۔

"اور تمہاری بھی ۔۔۔" مگر اس آواز کو اس نے سختی سے دبا دیا۔

"ہاں ہاں ــــ بہت خوش ہو گی حمرا اس سے ــــ"

"رضوانہ ــــ عرفان کا خط کب آیا تھا ــــ؟"

"پچھلے مہینے آیا نہیں تھا ؟"

"مجھے نہیں معلوم ــــ"

"ارے ہے ــــ میں نے دکھایا تو تھا تمہیں ــــ تم بھول گئے"

"بھول میں نہیں گیا ــــ تم بھول گئیں دکھانا ــــ"

رضوانہ چپ ہو گئیں۔

"کچھ آنے کو لکھا ہے ؟"

"آنے کو تو ــــ ابھی تو ــــ سال بھر بعد ــــ شاید ــــ"

"کاش آجاتا میں اُسے دیکھ لیتا ــــ تم لوگوں کی طرف سے بے فکر ہو جاتا ــــ بہر حال ــــ جو خدا کی مرضی ــــ"

رضوانہ پورے جسم سے کانپ رہی تھی ــــ بولنا چاہا مگر بول نہ سکی۔ اور اُسی وقت حمرا اور زہرا آگئیں ــــ بچے دریا پر نفرو چاچا کے ساتھ رہ گئے تھے۔

رضوانہ دل کی آگ دبائے باورچی خانے میں جا کر راکھ کریدنے لگیں۔

ــــ :*: ــــ

۱۴

آج علی میاں کے کمرے میں موسیقی کی محفل جمی تھی۔ باری ـــــ سبھی نے اپنا گانا سنایا۔ ہما کی آواز میں سُر تھا اور سوز بھی کسی استاد سے اس نے کچھ دن گانا سیکھا بھی تھا۔ نگین ہلکے پھلکے فلمی گانے اور غزلیں سریلی آواز میں گا لیتی تھی۔ عمران کی آواز خاصی بھاری تھی اور سہگل کی نقل خوب اتارتا تھا۔ اس کے گانے کی سبھی نے تعریف کی۔ بچے گا چکے تو سب حمرا کے سر ہو گئے۔ بچپن میں وہ جب نعتیں اور نوحے پڑھتی تو سماں بندھ جاتا تھا۔ پھر اُس نے کئی سال کلاسکی موسیقی بھی سیکھی تھی مگر ان لوگوں میں سے کسی نے اس کا گانا سنا نہیں تھا۔ اب بھی وہ برابر انکار کرتی رہی۔ "توبہ بھئی تم لوگ کیوں میری جان کو آ گئے ہیں گانا دانا نہیں جانتی۔"

"حمرا تم آج اس قدر جھوٹ کیوں بول رہی ہو۔" زہرا نے کہا "آپ گائیے نا ـــــ آپ گایا کرتی تھیں میں تو آواز میں آواز ملایا کرتی تھی آپ کے ـــــ"

علی بھیا مسکرائے ـــــ "حمرا ـــــ یہ تم بچوں کے سامنے تو کہہ سکتی ہو مگر جنھوں نے برسوں تمہاری دُھن ریں سنی ہے ـــــ ان کو تو

نہ جھٹلاؤ ـــــــ"

"بس اسی لئے تو میں نہیں گاتی ـــــــ آپ مذاق اڑائیں گے ـــــــ"

"ارے بھئی ـــــــ پھر مذاق اڑانے والا بھی نہ ملے گا ـــــــ سُنتے بھی دو ـــــــ کون جانے پھر تم سے فرمائش کریں یا نہ کریں ـــــــ" اس کے پورے جسم میں سنسنی سی ہونے لگی ۔"اچھا بھیا" اور کسی سوچ میں کھو گئی۔ بھیّا کو میر بہت پسند تھے ـــــــ درد کا کلام بھی وہ بڑے درد سے سنایا کرتے تھے ـــــــ مگر اس وقت کوئی عزیزہ چیز وہ نہ گائے گی ـــــــ مگر جتنی غزلیں اور گیت یاد تھے وہ سب کمبخت ایسے ہی تھے ۔

"سنائیے نا پھوپی امی ـــــــ" عمران نے لاڈ سے کہا ـــــــ اتنے دنوں میں حمرا سے اُسے بہت انس ہو گیا تھا ۔

"پھوپی امی آپ کو تو غالب کا بہت کلام یاد ہو گا ۔" نگین نے کہا ۔

"ہاں ہاں ـــــــ حمرا ـــــــ وہ سناؤ ـــــــ کوئے ملامت کو جائے ہے ـــــــ"

زہرا باجی نے سہارا دیا ۔

وہ تینوں بچوں کے بیچ میں آنکھیں جھکائے بیٹھی تھی ـــــــ ہمیشہ کے اُلجھے بکھرے بال کچھ پیشانی پر پڑے تھے کچھ شانوں پر ـــــــ سامنے علی میاں اپنے پلنگ پر گود میں تکیہ رکھے، اس پر کہنی ٹکائے، دوہری لوئی کندھوں پر ڈالے اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے ۔ زہرا باجی ان کے برابر بیٹھی سوئٹر بن رہی تھی ۔ "یہ کس کے لئے اس شوق سے بنا جا رہا ہے ؟"

"تمہارے لئے ـــــــ"

"کیا اللہ نام کا دینے کا ارادہ ہے ؟"

"میں مار بیٹھوں گی ــــــ"

"شرم نہیں آتی بڑے بھائی کو مارے گی۔"

"ہونھ بڑے بھائی ــــ آدھ گھنٹے پہلے آکر ساری عمر دھونس جماتے رہے ــــ"

"جانے میں بھی پہل کروں گا ــــ"

"جی نہیں ــــ اس بار بازی میں جیتوں گی!"

صبح یہ باتیں ہو رہی تھیں تو رضوانہ بھابی نے بگڑ کر کہا تھا جانے یہ دونوں کیسی باتیں کیا کرتے ہیں ــــ خدا بچائے ــــ" اس وقت بھابی ارام کرسی پر پیر اٹھائے رضائی اوڑھے خاموش بیٹھی تھیں۔

رحیمن بوا باورچی خانے میں تھیں ــــ بچاری بہری ہونے کی وجہ سے یہاں کم ہی بیٹھتی تھیں البتہ نصرو چاچا پرانا کھدر کا لحاف اوڑھے دروازے کے پاس بیٹھے ہر بات کی بات پر ہنس رہے تھے اور بیچ بیچ میں لقمہ بھی دیئے جا رہے تھے "ہاں ہاں بیٹا ــــ شروع ہو جاؤ نا ــــ اب نکھرا کلے کرو ہو ــــ"

سب ہنس پڑے "حمرا اب تو گانا ہی پڑے گا۔" بھیا نے مسکرا کر کہا "نصرو چاچا کا حکم ہے" ذرا دیر حمرا دھیرے دھیرے گنگناتی رہی ــــ آواز پہلے دھیمی تھی پھر رفتہ رفتہ بلند ہوئی اس کی سدھی ہوئی آواز میں سوز بھی تھا اور سُر بھی۔ زہرا چونک پڑی۔ کتنی مل رہی ہے اس کی آواز بیگم اختر سے ــــ

حمرا آنکھیں جھکائے گا رہی تھی۔

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے　　　پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

پھر جی چاہتا ہے نامہ دلدار کھولنا   جاں نذر، دلفریبیٔ عنواں کئے ہوئے
پھر دل میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں   سر زیرِ بارِ منتِ درباں کئے ہوئے
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن   بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کئے ہوئے

تہیۂ طوفاں کئے ہوئے!   کئے ہوئے   کئے ہوئے۔

بول آہستہ آہستہ ہو کر ختم ہو گئے مگر جانے کتنی دیر تک سننے والے اس آواز کے سحر میں کھوئے ہوئے یوں بیٹھے رہے جیسے گم شدہ روحیں!

حمرا نے طوفان کو سینے میں دفن کر کے نظر اٹھائی، مسکرا کر علی بھیا کو دیکھا۔ "بس —— حکم کی تعمیل کر دی اب تو ——" اب بچوں نے زور زور سے تالیاں بجائیں۔ بھیا کی آنکھوں سے چپکے سے چند قطرے لڑھکے اور لوئی میں چھپ گئے۔

"بابا —— اب بابا سنائیں گی ——" عمران نے اصرار کیا۔

"احمق! میں کیا جانوں گانا ——"

"اوں —— ماموں جان —— سنائیے نا ——" ہما نے ان کے پیر دباتے ہوئے کہا۔

"پلیز بابا ——" نگین کیوں پیچھے رہتی۔

"برابر کے گھر سے —— دھوبی کے لاڈلے کی آواز سن لو، کافی ہے ——"

"توبہ اللہ ماموں جان کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔" ہما نے ٹھنک کر کہا۔

"نگین اپنی پھپو سے کہو وہ سنائے گی"

"اوئی اللہ بھیا ــــ مجھ سے اب گایا جاتا ہے بھلا۔ آواز پھٹا بانس ہو گئی ہے ــــ سینے میں سانس نہیں سماتا ــــ میں گاؤں گی ــــ؟"

"سنانا پڑے گا ــــ میرا حکم ہے ــــ"

"چلو حکم تو حکم ٹھہرا ــــ مسجدِ قرطبہ کے دو چار شعر سنائے دے رہی ہوں ــــ"

"بس پھپو کا تو وہی علمی مذاق ہے"

"ماسٹرنی ہے نا ــــ" بھیا ہنسے

"جائیے میں نہیں سناتی ــــ"

"بے قرار تو ہے سنانے کو ــــ اور بن کیسی رہی ہے ــــ اچھا خیر وہی سہی ــــ"

زہرا نے زرا سے لحن سے چند شعر سنائے۔

اے حرمِ قرطبہ عشق سے تیرا وجود

عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت

معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ

عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

علی میاں نے ٹوکا "کہاں کے شعر کہاں ملا رہی ہے" زہرا مسکرائی مگر پڑھتی رہی!

تند و سبک سیل ہے گرچہ زمانے کی رو ــــ عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا — اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دمِ جبرئیل عشق دلِ مصطفا — عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک — عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق کی مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات

"واہ واہ — واہ —" تالیاں بجا کر سب بچے چلائے۔

"اقبال کا جواب نہیں —" حمرا نے جھومتے ہوئے کہا۔

"اور اقبال کے کلام کی یہ سدا سے عاشق ہے اور پڑھتی ہے تو لگتا ہے خود انھیں خاتون پر یہ شعر اتر رہے ہیں۔" بھیا ہنسے

"تمہارے حکم کی تعمیل تو ہو گئی نا —" مسکرا کر زہرا نے کہا۔

"بھیا اب آپ —" حمرا نے آہستہ سے کہا۔

زہرا گھبرا رہی تھی — کتنی دیر سے بیٹھے ہیں "بھئی رہنے دو — تھک جائیں گے —"

"تو تو پاگل ہے۔"

"نہیں امی تھکنے کی کیا بات ہے — آرام سے گاؤ کے سہارے لیٹے لیٹے ماموں جان سنا دیں گے —"

"چلو ہماری ڈارلنگ کی فرمائش ہے — پوری ہی کر دیں — مگر کیا سنائیں اب تو کچھ بھی یاد نہ رہا — اچھا میرؔ کے دو چار شعر سن لو —" "میر سے اب تک آپ کو شوق ہے" حمرا نے کہا۔

"میرؔ — ؟ میرؔ تو میری زندگی کا ترجمان ہے —"
انھوں نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اِدھر اُدھر سے بے ربط

شعر یاد ہیں کچھ ——"

وہ گا نہیں رہے تھے..... تحت اللفظ بھی نہیں پڑھ رہے تھے۔
بس ایک دھیمی سی دردناک لے تھی جو کہیں دل کی گہرائی سے ابھر رہی تھی۔

میرؔ کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا
یاں کے سفید و سیاہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے۔
رات کو رو رو صبح کیا اور صبح کو جوں توں شام کیا
عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

کمرے میں ایک کونے میں نیلے رنگ کا لیمپ روشن تھا، دوسری طرف دروازے کے قریب ہلکا سا بلب جل رہا تھا اور ان دونوں کی روشنی کی چھوٹ علی میاں کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ نیلا ہٹ لئے ہوئے سفید چہرہ —— گہری سیاہ آنکھیں جن میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ جانے یادوں کی کہ آنسوؤں کی —— بے رنگ ہونٹ، جن کی شکل تیر کمان کی سی تھی (زہرا ہمیشہ ان سے لڑا کرتی —— یہ کمان جیسے گلابی ہونٹ تو بھیا میرے حصے میں آنے چاہئیں تھے) دھیرے دھیرے حرکت کر رہے تھے —— کمرے میں ہر کوئی دم بخود تھا۔ نقرو چاچا کھانسنا بھول گئے تھے۔ رضوانہ ایک ٹک میاں کو دیکھ رہی تھیں۔

زہرا کے جھکے سر سے —— بھیا —— کی پشت پر پھیلی لوئی پر ایک

کے بعد ایک نظرے پھسل رہے تھے ـــــــــ علی میاں شاید بھول چکے تھے کہ وہ یہ شعر لوگوں کو سنا رہے ہیں ـــــ لگتا تھا وہ خود اپنے سے باتیں کر رہے ہیں ـــــ حمرا کے دل ، دماغ ، کان آنکھ ، مجسم حس بن چکے تھے ـــــ وہ ایک ہی وقت میں یہ سب دیکھ رہی تھی ، سن رہی تھی ، محسوس کر رہی تھی ، سوچ رہی تھی ، ماضی ، حال ـــــ اور آہ ـــــ مستقبل اس کے سامنے کھلے پڑے تھے۔

ـــــــ ::: ـــــــ

۱۵

وہ بس اتنا ہی کہہ سکی ——"اچھا بھیا ——"

انھوں نے بہن کے منھ کی طرف دیکھا —— تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا اور اس کی مٹھی میں دیدیا —— اس نے بھائی پر نظر ڈالی، کچھ کہنا چاہا —— مگر بول نہ سکی۔

"بس بس —— کچھ کہنا نہیں —— میں —— میں اب ہوں ہی کس قابل ——" اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اس نے پلنگ پر بیٹھ کر جھک کر گلے میں باہیں ڈال دیں اور ان کے سفید سر پر بوسوں کی بارش کردی ——

"بھیا —— میری جان بھیا —— تم نے —— تم نے تو مجھے اتنا دیا ہے —— اتنا کچھ —— روپیہ —— تحفے —— جن سے میرا گھر بھرا پڑا ہے —— اور پھر —— تمہاری محبت کی بے بہا دولت۔ تمہارے پیار کی انمول نعمت —— میری زندگی کا سرمایہ ہے بھیا۔ میرا سہارا ہے —— تم پر صدقے —— تم اپنا جی کیوں برا کرتے ہو؟"

انھوں نے اپنے کو سنبھال لیا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا ——

"زہرا ——"

"ہاں بھیا ——"

"پرسوں تم جا رہی ہو —— جی چاہتا تھا —— کچھ دن اور رک جاتیں۔"

"میرا جی خود جانے کو نہیں چاہتا بھیا —— مگر وہ کمبخت چھٹیاں ——
اور پھر ہما کو بھی جائن کرنا ہے۔"

"ہاں —— جدائی تو ہونی ہے —— مگر —— اچھا ایک بات
کہوں برا تو نہ مانو گی ——"

"آج تک تمہاری کسی بات کا برا مانا ہے ——" آنسوؤں میں
بھیگی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلی تھی۔

"اب ہما کو کام مل گیا —— اب تم نوکری چھوڑ دو —— تمہاری صحت
اب اتنی محنت کرنے کے قابل نہیں ——"

"مجھے کیا ہوا ہے —— ؟ میں تو ہٹی کٹی ہوں ——"

"نہیں —— یہ تم اپنے کو دھوکہ دیتی ہو —— پھر ہما آخر اکیلی کیسے
رہے گی ——"

"یہ تو ہے —— مگر ——"

"چار سو میں —— گزارہ جیسے تیسے ہو جائے گا لکھنؤ !"

"پیسے کی بات نہیں بھیا —— اور میرا اب خرچ ہی کیا ہے ——
مگر وقت —— میرا وقت کیسے کٹے گا ؟ بھیا ان کے جانے کے بعد ان
دونوں بچوں کی خدمت میں وقت کاٹتی رہی —— پھر تمہارے پاس آکر رہی
تو لگتا تھا زخم پر کسی نے ٹھنڈے پانی کا پھاہا رکھ دیا —— مگر —— جب سے
کام شروع کیا ہے —— ننھے بچوں کی تعلیم اور تربیت میں اپنے غموں کو ڈبو دیا

ہے ۔ آہ بھیا ان ننھی ننھی کونپلوں کو بڑھتے اور پنپتے کچی کلیوں کو غنچہ بن کر چٹکتے دیکھنا ، کمزور ننھے ننھے پودوں کی آبیاری کرنا ، سرسبز حسین پودوں کی صورت میں ان کو لہلہاتے دیکھنا کتنی بڑی مسرت ، کتنا سکون ، کتنی راحت ہے یہ صرف یا استاد جان سکتا ہے یا ماں ۔"

"اور تو پیدائشی استاد ، پیدائشی ماں ہے ۔" بھیلنے تحسین کو تمسخر میں سمو کر کہا۔

"ہاں بھیا بد قسمتی سے ! اس راہ میں بھی مجھے کیا کچھ سہنا نہیں پڑا ۔ بددماغ ہیڈ مسٹرس کی دھونس ، کام چور ، بدمزاج ساتھیوں کی باتیں ۔ متعصب تنگ نظر صاحبانِ اقتدار کی کم ظرفیاں ۔ کوئی معقول تجویز بچوں کی بھلائی کے کام ، ان کی تربیت اور تعلیم کی نئی راہیں ان کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں ۔ اسی لئے سب لوگ میرے اور میری جیسی ٹیچرز کے خلاف ہو گئے ہیں ۔"

"پھر تو تم فوراً چھوڑ دو ۔"

"مگر بھیا بچوں کی محبت اور عقیدت میرا دامن تھامتی ہے ۔ کیا بتاؤں تمہیں ! ہر بچہ کتنا پیار کتنی عزت دیتا ہے ۔ ایک دو دن نہ جاؤں تو بے چین ہو جاتے ہیں ——— روتے ہیں یہ سن کر کہ میں کام چھوڑ دوں گی ——— بس یہی میری محنت کا انعام ہے ———"

"یہ تو سب ٹھیک ہے مگر اپنی صحت کا اور پھر اپنی بچی کا خیال کرنا چاہیئے ۔"

آج صبح ہما نے ماموں سے کہا تھا کہ اماں کو کسی طرح سمجھایئے کہ وہ اب نوکری چھوڑ دیں اور اس کے پاس چل کر رہیں ۔

"پھر یہ کام تو میری زندگی ہے ——— اس نے تو مجھے پاگل ہونے سے بچایا ہے ——— چھ سات گھنٹے اس میں الگ کر سب کچھ بھول جاتی ہوں ۔

پھر تھکی ہاری گھر آتی ہوں تو روح فرسا یادیں آسانی سے زیر نہیں کر سکتیں۔"
اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ "معاف کرنا بھیا۔"
بھیا کے چہرے پر جتنا درد تھا اس سے گہرا ان کی آواز میں تھا۔
"تم سمجھتی ہو میں یہ سب محسوس نہیں کرتا، خود غرض ہوں اپنے ہی غم اور دکھ میں ڈوبا رہتا ہوں ــــ مگر ــــ"
"نہیں نہیں بھیا ــــ تمہاری جان کی قسم ــــ یہ بات نہیں ــــ مگر سوچتی ہوں ــــ ان سب باتوں کا ذکر سے حاصل کیا؟ تمہارے دل کو بھی اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے اور میں بھی اپنا ضبط کھو بیٹھتی ہوں۔"
"زہرا ــــ لیکن ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیرا دکھ میں جانتا ہوں۔ میرا دکھ تو سمجھتی ہے ــــ مگر ــــ حقیقت یہ ہے کہ دوسرا آدمی جو تم پر گزرتی ہے وہ سمجھ ہی نہیں سکتا ــــ" ان کی آنکھوں میں کسی زخمی پرندہ کا سا کرب جھانک رہا تھا۔
"بھیا ــــ"
"ہاں ــــ میں نے جو جھیلا ہے ــــ وہ کوئی نہیں جان سکتا۔ جو تجھ پر گزرتی ہے ــــ وہ ــــ وہ میں نہیں سمجھ سکتا ــــ"
"سچ ہے بھیا ــــ دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجئے۔"
"ہاں بھئی! Every one has to bear ــــ his own Cross."
"سچ کہتے ہو ــــ سب کو اپنی اپنی صلیب خود اٹھانی پڑتی ہے۔" پھر دونوں اپنے اپنے خیال میں کھو گئے۔
"تو کل رات تم ضرور چلی جاؤ گی ــــ"

"ہاں بھیا مگر ــــ یاد رکھنا ــــ تم نے وعدہ کیا ہے کہ طبیعت ٹھیک ہوتے ہی ہما کے پاس دلی آؤ گے ــــ میں بھی چھٹی لے کر آجاؤں گی۔ وہاں ایک بہت اچھے ڈاکٹر تمہارے بھائی کے گہرے دوست ہیں۔ پھر وہاں رہ کر آرام کرنا بہت دن تک"

"اور اب کیا کرتا ہوں ــــ؟"

"خاک آرام کرتے ہو ــــ"

"بہن آرام تو اب اکٹھا ہی کریں گے"

اس نے بھائی کی بات سنی ان سنی کردی "آؤ گے نا؟"

"اللہ مالک ہے ــــ حمرا کہاں ہے؟"

"بھابی کے پاس ہے ــــ وہ اسے نگین کے جہیز کی چیزیں دکھا رہی ہیں۔

"بھیا کیا نگین کی منگنی ــــ بھائی میاں کے لڑکے سے طے ہوگئی ہے؟"

"مجھ سے تو بھائی میاں اور بھابی نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ رضوانہ شاید اپنی چھوٹی باجی کے لڑکے سے چاہتی ہیں ــــ مگر میں اپنی بچی کو اتنی دور نہیں بھیجنا چاہتا ــــ مگر ــــ خیر ــــ میرا کیا ــــ مجھے خود بہت دور جانا ہے ــــ"

اس وقت حمرا کمرے میں داخل ہوئی "لو زہرا باجی تم یہاں بیٹھی بھیا سے گپیں لڑا رہی ہو اور ہم سمجھے عیادت کر رہی ہو"

"بیمار کا جی بہلانا بھی عیادت ہے حمرا ــــ جو تم نہیں کرتیں ــــ بھیا نے مسکرا کر کہا!

دو ہفتے پہلے ڈاکٹر مصرا پھر آئے تھے۔ علی میاں کو تھوڑا تھوڑا

چلنے پھرنے اور روزمرہ کا ہلکا کھانا کھانے کی اجازت دیدی تھی۔ کھانسی اور سانس پھولنے کی تکلیف اب پہلے سے کم تھی۔ انھوں نے رضوانہ اور نگین وغیرہ کو اطمینان دلایا تھا۔ حمرا البتہ ان سے طرح طرح سے جرح کرتی تھی کہ آخر کیا بیماری ہے، آپ کیا علاج کر رہے ہیں مگر وہ فقروں میں اُسے ٹال دیتے تھے ـــــ البتہ زہرا نے نہ ان سے کچھ پوچھا، نہ حمرا کے اطمینان دلانے پر کچھ بولی ـــــ "جانے کیسی شکّی وہمی ہو گئی ہیں زہرا باجی" حمرا نے سوچا ـــــ "مگر بچاری پر کتنے صدمے بھی تو پڑ چکے ہیں ـــــ ایک بھیا ہی کا دم تو ہے جو ان کی زندگی کا آسرا ہے۔ بھیا کی بات پر حمرا بھی مسکرائی۔ "اب آپ بیمار کہاں ہیں؟"

"اچھا تو کیا بیمار کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔" علی میاں زور سے ہنسے۔

"ماشاءاللہ آج تو آپ بہت اچھے لگ رہے ہیں۔"

"میں اگر وہ شعر پڑھ دوں؟" علی میاں نے شوخی سے کہا۔ زہرا ہنس پڑی اور حمرا جیسے کہیں کھو گئی۔

"تو تم دونوں کے دل میں پہلے ہی وہ شعر موجود ہے؟"

حمرا نے کچھ جواب نہیں دیا ـــــ ان کے پلنگ کے پاس کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی۔

"تم نے بھی رختِ سفر باندھ لیا۔" بھیا کی آواز تھی کہ ٹوٹے ساز کے سُر۔

"زہرا باجی ٹھہر جائیں تو میں بھی رک جاؤں گی۔" اس کا اپنا جی کب جانے کو چاہ رہا تھا۔ زہرا نے بے بسی سے حمرا کو دیکھا۔

"نہیں بھئی میں کسی کو نہیں روکتا ــــ سب کے اپنے اپنے پروگرام ہیں ــــ مجبوریاں ہیں ــــ"

"تم کہتے ہو تو میں رک جاتی ہوں بھیا ــــ"

"نہیں بہن ــــ کون کسی کے روکے رُک سکتا ہے۔ میں ہی کیا رک سکوں گا جب جانا ہوگا ــــ" دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ــــ چہرے سفید پڑ گئے تھے۔

"بھیا ــــ تم نے حمرا کو کیا دیا؟" زہرا نے بات پلٹی۔ حمرا نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

بھیا مسکرائے "میں حمرا کو کیا دے سکتا ہوں ــــ اسے خدا نے سب کچھ دیا ہے۔

"سب کچھ ــــ" درد کے ساتھ اس کے منھ سے نکلا اور دل میں یہ جملہ تراز و ہو گیا۔ لوگ کتنے بے خبر ہیں اس کی زندگی سے۔

بھیا نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ڈبیا نکالی، آہستہ سے اُسے کھولا۔ بجلی کی روشنی میں انگوٹھی دمک رہی تھی۔

"حمرا ــــ"

اس نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھائیں۔

"حمرا یہ انگوٹھی ــــ یہ انگوٹھی ــــ زہرا ــــ تم بتا دو نا ــــ"

علی میاں نے چہرہ لوئی میں چھپا لیا۔

"یہ خالہ امی کی انگوٹھی ہے حمرا جو انھوں نے اماں کو دی تھی۔ اماں یہ تمہیں شادی پر دینا چاہتی تھیں ــــ مگر تم ولایت چلی گئیں ــــ اماں دنیا سے سدھار گئیں ــــ جاتے وقت اماں نے یہ انگوٹھی بھیا کو دی تھی۔

تمہیں دینے کے لئے ـــــــ اب تک بھیا نے اسے اپنے پاس رکھا ہے"
حمرا نے اپنا سیک ہاتھ بھیا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ دل کے خون کے قطرے آنکھ سے نہیں ٹپکے۔ آواز نہیں کانپی۔

"لاؤ بھیا ـــــ میری انگوٹھی ـــــ مجھے اپنے ہاتھ سے پہنا دو"
انھوں نے اپنا سرخ چہرہ لوئی سے نکالا ـــــ مسکرائے۔ جیسے بادلوں میں سے نکل کر ایک دم چاند ہنس پڑے۔

"ہمی ــــ اس سے قیمتی کوئی شے میرے پاس نہیں ــــ اس سے میری اتنی پیاری یادیں وابستہ ہیں ـــــ یہ یادیں ـــــ یہ محبت ـــــ یہ پیار کی نشانی۔ اب تیری ہے ـــــ" انھوں نے اس کے داہنے ہاتھ کے بیچ کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے کہا۔ حمرا ان کے ہاتھ پر بالکل جھک گئی تھی۔ [illegible] کے ہونٹ اس انگوٹھی کو بھیا کے ہاتھ کو اور ان پیاری یادوں کو چھو رہے تھے۔ دل ان پر نثار ہو رہا تھا مگر زبان گنگ تھی!

بھیا نے دوسرے ہاتھ سے اس کا سر تھپتھپایا "خدا تجھے خوش رکھے سدا ـــــ"

"خوش" بلک کر حمرا نے کہا۔ "بھیا ـــــ تم سے ـــــ زہرا باجی سے ـــــ خالہ اماں سے چھٹ کر ـــــ میں کبھی ـــــ کبھی خوش نہیں رہی ـــــ رہ نہیں سکتی تھی"

اس کی آواز کا کرب دونوں بھائی بہن کے دل کے پار ہوا جا رہا تھا۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی روشنی کے گرد چکر کھاتے پروانوں کے پیروں کی دھیمی دھیمی سرسراہٹ اور دور دریا کی موجوں کی آواز بڑھتی جا رہی تھی اور سب سے زیادہ تیز آواز اس دل کی تھی جو تینوں کے سینوں [illegible] ہم آہنگ ہو کر دھڑک رہا تھا۔

۱۶

نگیں کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ بار بار بابا کا خیال آ رہا تھا۔ آج بہت تھک گئے۔ پھپھو اور حمرا پھوپی سے باتیں کرتے ہیں تو ان پر بڑا اسٹرین پڑتا ہے۔ کبھی ہنستے ہیں کبھی روتے ہیں۔ آج بھی کتنی رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس نے دو ایک بار آہستہ سے کہا بھی کہ بابا اب سو جائیے۔ مگر وہ کسی کی مانتے کب ہیں۔ "آج تو میرا جی چاہ رہا ہے رات بھر تم سب سے باتیں کروں۔" سب سے کیا وہی اپنی بہنوں سے۔ ممی بیچاری تو سویرے ہی سے آ کر لیٹ گئی تھیں!

"کیا بات ہے نگو سوئی نہیں؟" ماں نے کروٹ بدلی تو دیکھا نگیں بیٹھی ہے۔

"ہاں ممی نیند نہیں آ رہی۔ بابا کی فکر لگی ہے۔ بہت تھک گئے تھے۔"

"تمہاری پھپھیوں کو یوں تو لاڈلے بھائی سے بہت محبت، ان کی بے حد فکر ہے مگر جب باتیں کرنے بیٹھیں گی تو یہ خیال نہیں رہتا کہ بیمار آدمی کو تھکانا نہیں چاہیئے، اماں کا ذکر، ابا کا ذکر، خالہ امی کا بکھان۔ بچپن کے تذکرے۔"

"بابا بہت خوش ہوتے ہیں نا ان تذکروں سے۔"

"اُنھ!! اتنا نہیں جانتیں کہ ان باتوں کا اثر ان کے دل پر برا پڑے گا۔ پھر بھی وہ چاہنے والی ہیں، ہمدرد اور غم گسار ہیں۔ اور تو سب بے پروا ہیں۔ میاں کی فکر ہی نہیں ہمیں تو۔"

"ممی آپ تو خواہ مخواہ اُلجھ رہی ہیں۔"

"ہاں میں تو سدا ہی خواہ مخواہ الجھتی ہوں" رضوانہ کی روہانسی آواز خاصی بلند ہو چکی تھی۔

"خدا کے واسطے ممی ——— ابھی تو بابا سوئے ہیں" عمران نے بستر سے سر اٹھا کر کہا "اور ممی ——— آپ یہ کیوں نہیں سمجھتی ہیں کہ بابا خود ہی ان سے بچپن کی باتیں کر کے، دادا ابا اور دادی اماں کا ذکر کر کے خوش ہوتے ہیں ———"

"اس لئے تو پھپھو کے آنے کے بعد وہ خوش رہتے ہیں" نگین نے کہا "مگر آج ——— رات کو ——— بابا ——— بڑے اداس تھے۔" عمران کی جی گھبرا رہا تھا۔

"ان کی بہنیں کل جا رہی ہیں۔ اس لئے اداس ہیں۔ ویسے خدا رکھے اب ان کا جی بالکل اچھا ہے۔ وہ جو خیلی ڈاکٹر ہے۔ اس نے مجھ سے خود کہا کہ اب علی میاں ٹھیک ہیں ——— بس جتنا آرام کر سکیں کریں۔ دوائیں پابندی سے کھائیں اور خوش رہیں"

"بھلا ان کو کون خوش رکھ سکتا ہے؟ اپنی تو ساری عمر اس کوشش میں بیت گئی۔ مگر وہ کبھی خوش نہ ہوئے"

"ممی ——— ممی ———"

"ممی خدا کے لئے۔"

"ممی اب آپ بھی سو جائیے۔"

ماں کے سو جانے کے بعد عمران نے آہستہ سے پکارا "نگو باجی؟"

"ہاں بھیا!"

"تم سے ایک بات پوچھنی ہے۔"

"کیا ۔۔۔۔؟"

"ذرا قریب آجاؤ۔ ممی نہ سنیں۔"

"ہائے اللہ کیا بات ہے کہونا۔"

"نگو باجی ۔۔۔۔ اس دن میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ آگرے گیا تھا۔ نانا بابا کی دوائیں لینے ۔۔۔۔"

"ہاں ہاں ۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔"

"تو اس دن ڈاکٹر صاحب سے ملنے ماموں میاں آئے تھے۔"

"ہاں ۔۔۔۔ بتایا تو تھا تم نے ۔۔۔۔"

"میں کونے میں بیٹھا تھا ۔۔۔۔ شاید ماموں میاں نے مجھے دیکھا نہیں اور ڈاکٹر صاحب کی بھی پیٹھ تھی ۔۔۔۔"

"آخر بتاتے کیوں نہیں کہ ہوا کیا پھر ۔۔۔۔"

"ڈاکٹر صاحب ماموں میاں سے کچھ ایسی بات کہہ رہے تھے جیسے۔ باجی۔ کیا کینسر بہت خطرناک مرض ہوتا ہے۔"

نگین گھبرا کر اٹھ بیٹھی "کینسر؟"

"وہ کہہ رہے تھے لنگس میں کینسر ہے اور بہت پھیل گیا ہے۔ کسی وقت بھی ۔۔۔ کچھ ہو سکتا ہے ۔۔۔۔"

نگین نے دونوں ہاتھوں سے اپنا دل پکڑ لیا۔ "کس کے لئے کہہ رہے تھے ۔۔۔۔؟"

اللہ جانے۔ مجھے دیکھ کر ایک دم دونوں چپ ہو گئے اور پھر مجھے بہانہ بنا کر باہر بھیج دیا۔ باجی ۔۔۔ نگو باجی۔ کہیں بابا کو تو۔"

عمران کے ایک سسکی نکل گئی ۔
نگین (کانپ کر) نہیں نہیں بھیا۔ خدا نہ کرے ۔ ان کے دشمنوں کو ! یہ بات تو کسی نے بھی نہیں کہی ۔ ورنہ تم جانتے ہو۔ پھپھو کتنی وہمی ہیں ۔ نہ رو بھیا ۔ بابا کو کچھ نہ ہوگا ،،، اور جانے کتنی دیر دونوں بھائی بہن ایک دوسرے سے لپٹے سسکتے رہے۔
حرا کے پہلو میں ہما لیٹی میٹھی نیند سو رہی تھی مگر خود اس کی آنکھیں چھت پر جمی ہوئی تھی
" پھر وہی شخص ، وہی اس کی باتیں —— وہی اجاڑ گھر۔ بے کیف دن اور رات ۔ کھوکھلی زندگی —— وہی دوری —— جدائی —— وہی یادیں بار بار سینے کے اندر ایک پھانس سی چبھ جاتی تھی ۔ دماغ کے اندر ایک برما تھا جو گھسا جارہا تھا۔ آنکھوں میں جانے کتنے کانٹے کھٹک رہے تھے ۔
پچھلی رات کو اس کی آنکھ جھپک گئی ۔

زہرا رات بھر بیٹھی رہی ۔ پلنگ پر لیٹتے ہی جانے کیا ہونے لگتا تھا اور وہ پھر دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ جاتی تھی ۔
بھیا کو سکون کی دوا گیارہ بجے دی گئی تھی اور دو ڈھائی گھنٹے وہ سوئے تھے ۔ مگر آج سوتے میں سانس بہت پھول رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے خراٹوں میں ہلکی ہلکی کراہ کی آواز شامل تھی ۔
کل اُسے جانا ہے۔ بھیا اس کے جانے سے بڑے دلگیر ہیں ۔ نہ جانے؟ حرا کے ساتھ ہما کو بھیج دے ۔ اسکول تو اب اُسے چھوڑنا ہی ہے ۔

اب یا دو چار مہینے بعد۔ بھلا اکیلی لڑکی کو کیسے بھیجے گی اتنے بڑے شہر میں۔ کل تو جانا ہی ہے۔ نہیں کل نہیں جاؤں گی۔ پر حمرا۔ اُسے تو جانا ہی پڑے گا۔ مقصود کا ہر تیسرے دن تقاضے کا خط آجاتا ہے۔ دو تار بھی آ چکے ہیں۔ ایک تو بھیا کے ہاتھ پڑ گیا تھا۔ بھیا کو حمرا کے جانے کا بڑا قلق ہے۔ اور سب سے زیادہ بہا کا ـــــ کتنا چاہتے ہیں میرے بھیا اپنی یتیم بھانجی کو۔ اسی سے تو نگین کڑھتی ہے۔ بچی ہے۔ وہ کیا جانے باپ کی محبت کی تھاہ نہیں ہوتی! یہ تو ان کے دل کی وسعت ہے کہ بھانجی کو بھی بیٹی کا سا پیار دیتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے نگین عمران اور عرفان سے بڑھ کر۔ کاش عرفان یہاں واپس آجائے۔ بھیا کے دل کا بوجھ کم ہو جائے گا۔ میں ضرور اسے خط لکھوں گی۔ میری بات اس کی سمجھ میں آجائے گی۔ میں اسے اطمینان دلا دوں گی کہ بہا ہرگز اس کے سر نہ منڈھی جائیگی۔ اُسے کیا بڑوں کی کمی ہو گی اگر شادی کرنا چاہے۔ مگر وہ تو میری محبت میں ..... سوچتے سوچتے جانے وہ سو گئی یا اونگھ گئی!

آہ یہ کیا آواز تھی ـــــ کیا آواز تھی یہ؟ ایک دردناک کراہ دور کہیں دور سے آتی سنائی دی!

"کون ہے؟ کون کراہ رہا ہے" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی چند منٹ حواس درست کرنے میں لگ گئے۔

"بھیا ـــــ" وہ ننگے پاؤں ان کے پاس دوڑی!

آہ ـــــ آہ - - نہ - ہ ... را ـــــ نہ ـــــ ہ ـــــ را ـــــ"

"کیا ہے بھیا؟"

علی میاں کے سینے پر جو ہاتھ رکھا تھا اسے ذرا سی حرکت ہوئی، ذرا سی آنکھ کھولی — آہستہ سے منہ سے نکلا۔

"بھنّو — وقت — آ — گیا — میں — نے — میں — نے کہا — تھا — نا — میں — پہلے —"

ان کے لبوں پر ایک میٹھی سی مسکراہٹ ابھری اور آنکھوں سے دو موتی لڑھکے!

اُسے یہ یاد نہیں رہا کہ ایسے وقت ڈاکٹر بلایا جاتا ہے، یہ یاد نہیں رہا۔ دوا دی جاتی ہے۔ اسے کچھ ہوش نہیں تھا کس کو بلائے، کس کو پکارے۔

"بھیا — بھیا — میرے بھیا — میں تم پر صدقے تم پر واری — میری جان — میرے بھائی — میری زندگی تمہیں لگ جائے — مولا — ان کو اچھا کردے — میری جان لے لے —" وہ بے قراری سے بھیا کے منہ سے منہ مل رہی تھی۔

صبح سے دوپہر ہوئی — شام ہوئی — رات ہوگئی۔

رضوانہ اسی طرح جا نماز پر سجدے میں پڑی تھی — ہمارا اور نرگس اسی طرح اندر سے باہر باہر سے اندر بے قراری کے عالم میں پھر رہی تھیں۔

زہرا اسی طرح بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی! لب ساکت مگر دل میں لاکھوں دعائیں۔ علی میاں بے ہوش تھے۔ کبھی کبھی ان کے لبوں کو جنبش ہوتی ... "ع — فان — ہ" اور پھر ساکت ہوجاتے۔

عمران بے قراری سے چاروں طرف پھر رہا تھا۔ کبھی بابا کے پاؤں کے پاس

گرم پانی کی بوتل بھر کر رکھتا، منہ میں کورومین کے قطرے ٹپکاتا۔ اس نے مقامی ڈاکٹر اور حکیم دونوں کو بلا کر دکھایا۔ مگر وہ چپ تھے اور پھر اس نے ایک بار نگین سے جا کر کہا۔ "نگو باجی وہ ڈاکٹر صاحب شاید بابا ہی کے لئے کہہ رہے تھے۔"

نگو بلک بلک کر رونے لگی وہ پھر گھبرا کر بابا کے پاس چلا گیا تھا۔

نصرو چاچا رو رو کر دعائیں پڑھ پڑھ کر دم کر رہے تھے، رحیمن بوا سر پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھیں۔ ڈیوڑھی کے باہر سارا مراد پور امنڈ آیا تھا آس پاس کے گاؤں کے کتنے لوگ خیریت پوچھنے آ رہے تھے۔ نصرو چاچا آنسو پونچھ پونچھ کر ان کو بھیا کا حال بتا رہے تھے۔ باہر کے چبوترے، دالان اور چھوٹی سی مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ عمران سب کو سلام کر کے ہاتھ جوڑ کر درخواست کر رہا تھا "ذرا خاموش رہیئے ڈاکٹر صاحب نے منع کیا ہے شور نہ ہو" بار بار وہ سڑک تک جا کر پلٹ آتا " حمرا پھپو صبح چھ بجے سے ٹیکسی لیکر گئی ہوئی ہیں۔ وہ اتفاق سے اسٹیشن پر ٹیکسی مل گئی کوئی صاحب مراد پور کسی ضروری کام سے آئے تھے۔ اللہ نہ ملتی تو کیا ہوتا؟ مگر وہ اب تک کیوں نہیں آئیں؟۔ الٰہی ـــ الہی ـــ کب آئیں گے وہ لوگ؟ بلک کر اس نے ہما سے پوچھا "اپی اب تک ڈاکٹر صاحب کیوں نہیں آئے"

وہ کیا بتاتی؟ اس نے بھائی کو اپنے سینے سے لپٹا لیا " آتے ہی ہوں گے۔ حوصلہ رکھو میرے بھیا......"

دور سے ہارن کی آواز سنائی دی اور تینوں باہر نکل گئے احاطہ

پار کیا۔ سڑک تک دوڑ کر پہنچے ۔ کار کی تیز روشنیاں ان کے چہروں پر پڑ رہی تھیں ۔

" دم بھر میں دونوں گاڑیاں رک گئیں ۔ ایک میں سے حمرا اور ڈاکٹر مسرا.... دوسری میں رضوانہ کا سارا خاندان بھرا ہوا تھا ۔

دھڑ سے کار کا دروازہ کھلا۔ حمرا لپک کر اندر داخل ہوئی ۔ کسی کی طرف دیکھنے ، کچھ کہنے ، کچھ پوچھنے کی ہمت نہ تھی ۔

ڈاکٹر مسرا نے اپنا بیگ سنبھالا ـــــ عمران نے بڑھ کر ان سے لیا ـــــ سہمے ہوئے لہجہ میں انہوں نے پوچھا " کیا حال ہے ۔"

" بے ہوش ہیں ۔"

ڈاکٹر دوڑتے ہوئے علی میاں کے کمرے میں گھس گئے اور ان کے پیچھے ہی عمران ۔ رضوانہ بدحواس ، ننگے پاؤں ، چادر زمین پر لٹکتی صحن میں کھڑی ہوئی تھی ـــــ بھائی میاں اور بھابی جان نگین کو گلے سے لگائے آرہے تھے ۔ ایک چیخ مار کر رضوانہ ان سے لپٹ گئی ۔

رجّو ـــــ رجّو ـــــ سنبھلو ـــــ ہمّت کرو ـــــ دعا کرو ـــــ "

بھابی جان نے لرزتی آواز میں کہا ـــــ اور نند کو میاں سے الگ کیا جو بید کی طرح سے کانپ رہے تھے ـــــ " آپ اندر جائیے ـــــ علی بھیا کو ڈاکٹر کو دکھائیے ـــــ میں ـــــ میں ان لوگوں کو سنبھالتی ہوں ـــــ "

یہ یہ کیا کہہ رہی ہیں ممانی اماں ؟ سنبھالنا ـــــ کس کو سنبھالنا نگین نے پریشان ہو کر سوچا اور باپ کے کمرے کی طرف دوڑ گئی ۔

جانے کتنا وقت بیت چکا تھا۔

ڈاکٹر مصراسید ھے کھڑے ہوئے —— چاروں طرف دیکھا۔ بے قراری سے دوچار بار ہاتھوں کو جھٹکا —— جھکے —— علی میاں کے سر کے نیچے سے گاؤ تکیہ نکالا —— اور بڑی آہستگی —— بڑے پیار، بڑے احترام سے ان کا سفید بالوں سے ڈھکا سر، نرم پیروں کے تکئے پر ٹکا دیا....

زہرا بیٹی کے پاس، بھائی کا ہاتھ اپنے کلیجے سے لگائے ایسے سنگ مرمر کی مورتی تھی جو زمانے کا سرد و گرم سہتے سہتے زرد مٹیالے رنگ میں تبدیل ہو گیا ہو۔

حمرا ڈاکٹر کے پاس کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کا چہرہ تک رہی تھی۔ دروازے کے پاس تینوں بچے کھڑے تھے۔ بے رنگ چہرے، سوجی آنکھیں لرزتے لب۔

رضوانہ بھابی جان کے ساتھ اندر داخل ہوئیں اور ٹھٹک کر کھڑی کی کھڑی رہ گئیں!

ڈاکٹر نے بے بسی سے چاروں طرف دیکھا۔ کاش انھوں نے یہ پیشہ نہ اپنایا ہوتا —— کاش یہ آنے ٹوٹ جائیں —— ان کی زبان گنگ ہو جائے۔ کاش —— وہ ان لوگوں سے ملے ہی نہ ہوتے۔

ان کی بوڑھی تھکی نظریں کمرے میں چاروں طرف گھوم گئیں!

اُف یہ فرائض!

ان نظروں کا مطلب صرف نصرو چاچا سمجھ پائے۔ وہ کانپتے قدموں، لرزتے جسم اور منھ سے نکلتی بے معنی آوازوں کو سنبھالتے ہوئے آ کر

علی میاں کے سرہانے کھڑے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں ان کے منھ سے نکلنا شروع ہوا "۔۔۔۔۔ یا ۔۔۔۔۔ سین ۔۔۔۔۔ یا سین ۔۔۔۔۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔۔۔۔۔ والقران الحکیم ۔۔۔۔۔"

"نہیں نہیں ۔۔۔۔۔ نہیں ۔۔۔۔۔" بھائی بھاوج زمین پر تڑپتی رضوانہ کو سنبھالنے کی کوشش میں ناکام ہو رہے تھے۔

"بابا ۔۔۔۔۔ بابا ۔۔۔۔۔ مرے بابا" نگین کی چیخیں کلیجے کے پار ہو رہی تھیں۔

"بابا ۔۔۔۔۔ بابا ۔۔۔۔۔" عمران باپ کے پلنگ کی طرف دوڑا اور ان کے پیروں پر منھ مل کر بلکنے لگا۔

"ماموں جان ۔۔۔۔۔ میرے ماموں جان ۔۔۔۔۔ آپ ۔۔۔۔۔ آپ ۔۔۔۔۔ بھی ۔۔۔۔۔ آپ بھی ۔۔۔۔۔" ہما کی آنکھیں خشک، لب بے رنگ چہرہ زرد تھا ۔۔۔۔۔ "آپ بھی چلے گئے۔"

زہرا نے سر اٹھایا، بھائی کے چہرے پر نظر ڈالی۔ حسین! پرسکون چہرہ!

"میرے بھیا کو سکون مل گیا ۔۔۔۔۔" وہ منھ منھ میں بڑبڑائی۔ اور اٹھ کر منھ بھائی کے منھ پر رکھ کر گلے میں باہیں ڈال دیں!

حمرا نے ایک دم ڈاکٹر کو جھنجھوڑ ڈالا۔ "ڈاکٹر چچا ۔۔۔۔۔ ڈاکٹر چچا ۔۔۔۔۔ بولئے نا ۔۔۔۔۔ چپ کیوں ہیں ۔۔۔۔۔ بولئے نا۔"

"کیا بولوں بیٹی ۔۔۔۔۔" ان کی آواز جیسے کنوئیں سے نکل رہی تھی۔

"پھول سے خوشبو اڑ گئی ۔۔۔۔۔" اور اپنی آنکھوں کو ہاتھ سے

بند کرتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔

حمرا نے انھیں دیکھا ــــ بھیا کو دیکھا، زہرا کو دیکھا ــــ آسمان کو دیکھا! دو قدم بڑھی ــــ بھیا کے پیروں پر جھکی ــــ ہونٹ تلوؤں تک پہنچے بھی نہ تھے کہ لڑھک کر زمین پر گر پڑی!

رحیمن بوا کے بین گھر سے باہر تک پہنچ رہے تھے ــــ سارے قصبہ کو خبر ہو گئی کہ فرشتہ صفت علی میاں خدا کو پیارے ہو گئے۔ اور گریہ و بکا کا طوفان سا برپا ہو گیا! مگر وہ ہر ایک کی حالت سے بے پروا ــــ اپنی ہر دل عزیزی سے ہمیشہ کی طرح بے خبر ــــ میٹھی ــــ پرسکون نیند سو رہے تھے۔

۱۷

گھر پر مہیب سناٹا چھایا ہوا تھا
ہما آہستہ آہستہ چلتی اِدھر سے اُدھر سامان رکھتی اُٹھاتی پھر رہی رہی تھی۔
ابھی تک محلے پڑوس والوں کو اُن کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔
اچھا ہی ہے جب تک وہ امی کو ان ہمدردوں اور غم گساروں کی یورش سے بچا سکے جو نہایت نیک نیتی سے ان کے دُکھ کو دُگنا کر دیتے ہیں!
خالہ امی جا رہی ہیں — ان کے جانے کے بعد ... وہ کیسے۔ کیسے امی کو سنبھال سکے گی!
وہ لرز اُٹھی۔ جھانک کر کمرے میں دیکھا۔
وہ دونوں کب سے یونہی آمنے سامنے بیٹھی تھیں
بے حس و حرکت۔
خاموش!
ایک کی نظریں خلا میں جانے کیا دیکھ رہی تھیں۔
دوسری کی زمین میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔
ان کی آنکھیں ایسی گہری ساکن جھیلیں بن چکی ہیں۔ جن کی موجیں

فضا کی گھٹن سے ساکت ہو گئی ہو گی۔

ایک دوسرے سے پیوستہ لب! ان کہی ہزاروں کہانیاں دہرا رہے تھے!

زخموں کو دل کے دامن میں چھپائے...

پیار کے دیوں کی لو من مندر میں جگمگائے...

یادوں کے کانٹوں میں دامن الجھائے وہ خاموش بیٹھی تھیں!

مگر....

خاموشی بول رہی تھی!

ایک ہی خیال --- ایک ہی تصور!

ان کا خاندانی محبوب پیارا گھر —— جس کی ایک ایک اینٹ سے ہزاروں دلکش کہانیاں، سینکڑوں دلدوز یادیں وابستہ تھیں۔

آج ویران ہو گیا۔

اجڑ گیا....

ہمیشہ کے لئے اجڑ گیا.....

رنڈاپے کے صدمے سے نیم جان، بربادی، ویرانی، پریشانی اور پشیمانی سے آپے سے باہر بہن کو اس کے بھائی کھاوج اپنے ساتھ لے گئے۔

نگین کی خواہش پر اُسے لکھنؤ میں بورڈنگ ہاؤس میں داخل کر دیا گیا کہ وہ کسی طرح اس سال بی۔اے کا امتحان دے لے۔ اور شاید جگہ اور ماحول کی تبدیلی سے صدمے کی شدت میں کمی آ سکے...

چچا جان کو، جن کو بھتیجے کی جدائی نے نیم جان کر دیا تھا سنبھلے۔

بھیا بمبئی سے لے کر آئے۔ انھوں نے ہی بتایا کہ جب بھیا بمبئی گئے تھے۔ تبھی ڈاکٹروں نے تشخیص کیا تھا کہ ان کے پھیپھڑے میں کینسر ہے۔ خود بھیا کو معلوم تھا ـــــ مگر انھوں نے سختی سے منجھلے بھیا کو منع کر دیا تھا کہ خاندان میں کسی ایک فرد کو بھی اس بات کی خبر نہ ہو۔ چچا جان کو بھی نہیں۔

جو علاج وہ وہاں کرا سکے کرا لیا گیا تھا۔ مگر ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ مرض کسی وقت بھی ابھر سکتا ہے ـــــ لا علاج ہو سکتا ہے۔

"آہ! کیا دل تھا ـــــ کیا حوصلہ تھا، کیا صبر تھا۔ دوسروں کا کتنا خیال تھا میرے بھیا کو ـــــ" زہرا نے سوچا تھا ـــــ مگر منھ کو قفل لگ گیا تھا۔

وہ عمران کو اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی ـــــ مگر جب چچا جان نے کہا وہ اسے بمبئی لے جائیں گے اور عرفان کے آنے تک اپنے پاس رکھیں گی تو وہ کچھ نہ بولی ـــــ اب اس کا کسی پر کوئی حق نہ تھا۔ کوئی زور نہ تھا۔ جس پہ اس کا حق تھا، زور تھا، نعمت تھا، پیار تھا ــ وہ سدھار گیا ـــــ وہ تو اب تنہا ہے ـــــ اس بھری دنیا میں تنہا۔

اور نصرو چاچا ـــــ پیارے نصرو چاچا ـــــ عاشق نصرو چاچا ساتویں دن صبح کو اپنی کھٹیا پر لحاف اوڑھے اوندھے لیٹے پائے گئے ـــــ روح اپنے گودوں کے پالے پیارے اللن میاں کی تلاش میں کسی انجانے دیس جا چکی تھی!

رحیمن خالہ ـــــ آج بھی اس ڈھنڈار گھر کی ڈیوڑھی پر پڑی اپنے اللن میاں اور نصرو بھیا کے غم میں بلک رہی ہیں!

۱

اس کے باپ کا نام مٹ گیا ــــ گھرا جڑ گیا۔
اس کا بھیا ساتھ چھوڑ گیا۔
پینتالیس برس کا ساتھ۔
زہرا نے چھت سے آنکھیں ہٹائیں۔
حمرا اسی طرح زمین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"حمرا ؟"
"ہوں ؟"
"حمرا !"
"جی ؟؟"
"حمرا بھیا نے کہا تھا
Every one has to bear his own Cross.
کتنی سچی بات ! ہر ایک کو اپنی اپنی صلیب خود ہی اٹھانی پڑتی ہے !"
"ہاں باجی ــــ بھیا تو اپنی صلیب اٹھائے منزل تک پہنچ گئے .... " ــ
"آہ ! کتنی بھاری تھی ان کی صلیب ۔"
"ہاں باجی ــــ وہ تو منزل پر آرام کر رہے ہیں ــــ اور اب ہم ــــ ہم ــــ"
"مگر ہم ابھی اپنی اپنی صلیب اٹھائے چل رہے ہیں کھنونگے"
زہرا نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔
"اور ابھی جانے کب تک چلنا ہے ــــ کتنی دور ہے ہماری

منزل باجی ؟"

"خالہ امی ــــ ٹیکسی آ گئی ــــ" ہما کی آواز گلے میں پھنس گئی

"اچھا باجی ــــ اب مجھے رخصت کرو ــــ میری صلیب...
میری صلیب بہت بھاری ہے باجی۔ دعا کرو ــــ دعا کرو جلد میں
اس کے بوجھ سے ــــ"

"حمرا ــــ"

"باجی ــــ"

برف کی تہہ ٹوٹ گئی

ہما کو لگا کہ ماں اور خالہ کا وجود ان آنسوؤں میں بہہ جائے گا۔

لکھنؤ کی پانچ راتیں

مصنف : سردار جعفری

صفحات:168

قیمت :-/91روپے

مغلیہ ہندوستان میں زرعی تعلقات

مصنف : سید نورالحسن

مترجم : قیام الدین احمد

صفحات:52

قیمت :-/50روپے

پروفیسر نثار احمد فاروقی
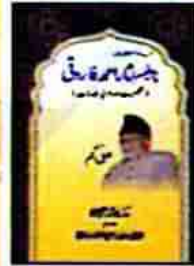
مرتبہ : خلیق انجم

صفحات:108

قیمت :-/71روپے

محرابِ غزل

مصنف : روش صدیقی

صفحات:160

قیمت :-/87روپے

قدسیہ زیدی

مرتب : بشیر حسین زیدی

صفحات:108

قیمت :-/71روپے

قلم اور قدم

مصنف : سید حامد

صفحات:164

قیمت :-/90روپے

سرسید اور سینٹیفک سوسائٹی

مصنف : افتخار عالم خاں

صفحات:176

قیمت :-/93روپے

سیرتِ طیبہ میں سماجی انصاف کی تعلیم

مرتب : اختر الواسع

صفحات:60

قیمت :-/53روپے

ISBN: 978-81-7587-998-0

₹ 114/-